بسم اللہ الرحمن الرحیم

هو الذي أنزل عليك الكتاب منه آيات محكمات

آل عمران : ۷

دروس القرآن الحکیم

شیخ الاسلام محقق العصر حضرۃ علامہ سید شمس الحق افغانی رحمہ اللہ

مرتبہ عبدالغنی عفا اللہ عنہ

جلد اول

مکتبہ شمس الحق افغانی

شاہی بازار ، بہاولپور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

هو الذي أنزل عليك الكتاب منه آيات محكمات

آل عمران : ٧

دروس القرآن الحکیم

شیخ الاسلام محقق العصر حضرۃ علامہ سید شمس الحق افغانی

مرتبہ

عبد الغنی عفا عنہ

جلد اول

مکتبہ شمس الحق افغانی

شاہی بازار ، بہاولپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

هُوَ الَّذِي أَنزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ

آل عمران : ۷

دروس القرآن الحکیم

مفصّل

شیخ الاسلام محقق العصر حضرۃ علامہ سید شمس الحق افغانی نوّر اللہ مرقدہٗ

مرتبہ : عبد الغنی عفا اللہ عنہ

جلد اوّل

مکتبہ شمس الحق افغانیؒ
شاہی بازار، بہاولپور

نام کتاب .... دروس القرآن الحکیم جلد اول

افادات .... حضرت علامہ سید شمس الحق افغانیؒ

مرتب .... عبدالغنی عفا اللہ عنہ

مطبع ....

قیمت ....

فہرست

بسم الله الرحمن الرحیم

عرض حال

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دروس القرآن الحکیم کی ۱۴ جلدیں شائع ہو چکی ہیں جو اس وقت آپ کے ہاتھ میں موجود ہیں۔ آپؒ نے گیارہ دروس (مقدمہ) کے طور پر بیان فرمائے تھے جو پہلے (خطبات افغانیؒ) میں شائع ہو چکے ہیں۔ اب انہیں مناسبت کے لحاظ سے پہلی جلد میں شامل کیا گیا ہے۔ تو یوں مقدمہ، پہلی اور دوسری جلد اب ۷۳ دروس پر مشتمل ہوں گی پہلی میں ۴۱ اور دوسری میں ۳۲ دروس ہیں یہ دونوں جلدیں صرف تعوذ، تسمیہ کی ہیں

حضرت علامہ افغانی نور اللہ مرقدہ نے اپنے دس سالہ قیام بہاول پور کے دوران تعوذ، تسمیہ، سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ کے چار رکوع پر دروس بیان فرمائے تھے۔ سورۃ بقرہ کے ہر (۳۲) بتیس دروس کی ایک جلد بنائی گئی ہے تو اس حساب سے ماشاء اللہ ان چار رکوع کی کل گیارہ جلدیں بنتی ہیں تو تعوذ اور تسمیہ سے لے کر بقرہ کے چار رکوع تک کی کل ۱۴ جلدیں بنتی ہیں۔ یہ ایک نادر اور وقت کی ضرورت کا نایاب علمی خزانہ ہے۔ ان میں سے ایک جلد کو (المیہ مشرقی) پاکستان کے نام سے شائع کر دیا گیا ہے اب بقیہ ۱۳ جلدیں بنیں گی۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ دروس تو صرف سورۃ بقرہ کے چار رکوع تک بیان کئے گئے ہیں مگر کتاب کا نام دروس القرآن الحکیم رکھا گیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ معلوم ہوتا ہے حضرت علامہ افغانی نور اللہ مرقدہ نے قیام بہاول پور کو اپنی تدریس کا آخری

موقعہ سمجھا تو آپؒ نے وقت کے تقاضے کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن شریف کے تقریباً اہم مضامین کو اجمالی طور پر بیان فرمایا تاکہ عوام الناس وغیرہ مستفید ہوں۔

تو اس صورت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمارے شیخ حضرت شاہ نفیس الحسینی صاحب دامت برکاتہم نے (دروس القرآن الحکیم) نام تجویز فرمایا۔

ایک بات دہرانا ضروری سمجھتا ہوں کہ حضرت علامہ افغانیؒ یہ دروس عوام الناس کو مدنظر رکھ کر بیان فرماتے تھے ہر چند ہر مکتبِ فکر کے اعلیٰ دینی و دنیوی تعلیم یافتہ حضرات کے علاوہ کم تعلیم یافتہ اور بعض بالکل ناخواندہ بھی ہوتے تھے۔ تو حضرت جیؒ انتہائی آسان اور سادہ الفاظ میں بیان فرماتے تاکہ ناخواندہ صاحبان بھی سمجھ سکیں۔ تو احقر نے بھی بعینہ انہی الفاظ کو قائم رکھا تاکہ روحانیت اور برکت برقرار رہے تو آپ حضرات کتاب میں تقریری انداز پائیں گے نہ کہ تحریری۔

احقر کی خواہش ہے کہ میری زندگی میں اللہ تعالیٰ اس نایاب علمی خزانے کو کتابی شکل عطا فرمادے تاکہ عوام الناس مستفید ہوں۔ مالی دشواری کی وجہ سے کتاب تاخیر سے چھپتی ہے اگر مخیّر حضرات اس طرح تعاون فرمادیں کہ احقر سے اصل قیمت پر کتب خرید کر مستحق طلباء وغیرہ میں تقسیم کریں تو اس سے کتب بھی جلدی جلدی شائع ہوں گی اور یہ عمل مخیّر حضرات کے لیے بھی صدقہ جاریہ بنے گا۔

باقی کتب میں جو اغلاط اور خامیاں پائی جائیں وہ بندہ کی طرف منسوب کریں اور مطلع فرمادیں تاکہ دوسرے ایڈیشن میں ان کی درستگی کر دی جائے۔

بندہ: عبدالغنی عفا اللہ عنہ

یکم رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ بمطابق ۲۰۰۴ء

درس۔۱

۱۸۔۱۰۔۱۹۶۳

مقدمہ

دروس القرآن الحکیم

نزول القرآن

تمہیداً آپ نے حسب ذیل بیان فرمایا۔

پیشتر اس کے کہ قرآن مجید کے معانی و مطالب کو سمجھا جاوے۔ تین امور پر غور کرنا ضروری ہے۔

(۱) نزول القرآن (۲) ضرورۃ القرآن

(۳) صداقت القرآن۔ یعنی حضور کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر قرآن شریف کیسے نازل ہوا۔ اور انسانی زندگی محتاج قرآن کیوں ہے؟

اور اس بات کا کیسے یقین ہو کہ یہ قرآن پاک ہو بہو منزل من اللہ ہے۔ ہمارا نظام اس لیے درہم برہم ہو گیا کہ ہم میں یقین نہیں رہا۔ بے یقینی کی دلیل یہ ہے کہ ہم دنیا کے کاموں میں چستی کا اظہار کرتے ہیں اور دین کے کاموں میں سستی کرتے ہیں۔ یقین کے ساتھ چستی ایسے لازم ہے جیسے آگ کے ساتھ گرمی اور سورج کے ساتھ روشنی۔ روشنی اور گرمی جیسے ان دونوں سے الگ نہیں ہو سکتی۔ اس طرح یقین سے چستی الگ نہیں ہو سکتی۔ جب سستی ہو تو باور کرنا چاہیے کہ یقین نہیں ہے رہی دل کی بات تو نہ ہمیں دل نظر آتا ہے اور نہ جو کچھ اس میں ہے۔ البتہ اثرات سے پہچان سکتے ہیں کہ اس کے اندر کیا ہے۔ جو شخص

جنگ میں بے خوف تگ و دو کرتا ہے جوش و خروش سے دشمن سے لڑتا ہے ان کی صفیں چیرتا ہے تو ہم سمجھ جاتے ہیں کہ یہ بہادر ہے ورنہ جو شخص میدان جنگ میں ایک گولی کی آواز سن کر بھاگ جائے تو وہ بزدل ثابت ہوا۔ بہادرانہ حملے شجاعت کی دلیل ہیں اور بھاگنا بزدلی کی دلیل ہے۔ سستی نشان بلکہ ڈھنڈورا ہے کہ دل میں دین کا یقین کمزور ہے۔ دین کا سارا دارومدار یقین پر ہے۔ جیسے موٹر میں پٹرول ہوگا تو چلے گی ورنہ نہیں۔ اگر کسی نے دھکا لگا دیا تو قدم دو قدم سے زیادہ نہیں چلے گی۔ کائنات میں سب سے زیادہ قیمتی چیز اللہ تعالیٰ پر یقین ہے اور سب سے بُری بات اللہ پر بے یقینی ہے۔ قرآن کو ہم نے اب تک ضروری نہیں سمجھا انسانوں کو کتاب سیکھنے پڑھنے سکول کالج جاتے ہیں فیسیں ادا کرتے ہیں۔ فاصلہ بھی طے کرتے ہیں دنیا کا ہر کام ہمارے نزدیک کام ہے لیکن قرآن کا کام ہی نہیں ہے۔ انسانوں کی کتاب کو بلکہ ہر کتاب کو سیکھتے اور پڑھتے ہیں اگر نہیں پڑھتے تو قرآن کو زبان پر الفاظ، کاغذ پر نقوش اور دماغ میں مطلب و معانی کو محفوظ فرمایا۔ اس کلام کا سرچشمہ ذات رب العلمین ہے ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان دو واسطے ہیں۔ ایک حضرت جبرائیلؑ دوم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم۔

جبرائیلؑ نے کیسے حاصل کیا؟ اکابر مفسرین کہتے ہیں تلصیب روحانی۔ روحانی طریقے سے جذب کرنا۔ کائنات میں کبھی دور کی چیزیں منتقل ہوتی ہیں جس کے ذرائع۔ فوٹو۔ ایکسریز۔ ٹیلی ویژن ہیں یہ تینوں مادی چیزیں ہیں سب کو نظر آتے ہیں۔

لیکن اللہ اور جبرائیلؑ دونوں مادی چیزیں نہیں دونوں نظر نہیں آتے۔ روحانیات ملکوت کی چیزیں ہیں۔

ذات باری تعالیٰ کا کلام الحمد سے والناس تک جبرائیلؑ تک منتقل ہو گیا جو کہ صاف و شفاف ذات ہے۔ جب متوجہ ہو گئی اللہ کی طرف تو قرآن پاک مختلف اوقات میں

جبرائیلؑ حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں کبھی انسانی شکل میں حاضر ہوکر پیش کر دیتے کبھی ملکی صورت میں۔اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم میں ملکی صفت یعنی ملکیت غالب آ جاتی تھی کہ جبرائیلؑ کے الفاظ سن کر جذب فرما لیتے۔بعض کہتے ہیں کہ انجذاب روحانی اور دوسرا لوح محفوظ سے حاصل کئے(لکھے ہوئے الفاظ کو دیکھ کر) انسان کی قسمت کا اہم ترین فیصلہ جنت یا دوزخ ہے۔اس فیصلہ کے لیے آخری کتاب قرآن پاک ہے۔اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا اس پر کوئی تبدیلی یا ردو بدل نہ ہو عربی بین زبان میں ہے۔اس لیے لازم رہا جب تک دنیا رہے عربی زبان محفوظ رہے یعنی یادداشت اور دماغ میں محفوظ رہے۔کاغذات کے ذریعہ حفاظت اور دماغ کی تحقیقوں پر حفاظت چونکہ آخری کتاب ہے اس لیے دونوں طریقے استعمال فرمائے گئے۔سینوں میں اور کاغذ دونوں میں محفوظ کیا گیا۔۲۲ کروڑ سے زیادہ انسان مادری زبان عربی والے ہیں اس کے علاوہ جن کی مادری زبان نہیں۔وہ علماء کرام وغیرہ جو عربی زبان اچھی طرح لکھتے اور سمجھتے ہیں۔انجیل، زبور اور تورات ہر سہ کی زبان عبرانی تھی۔وہ زبان اللہ تعالیٰ نے ختم کردی ہے دنیا کے صفحہ پر ایک شہر تو کیا محلّہ بھی ایسا نہیں جن کی زبان عبرانی ہو۔ہندوؤں کے ہاں چار ویدیں۔

ان کی بھی یہی کیفیت ہے کہ ایک محلّہ بھی ایسا نہیں کہ جس کی زبان سنسکرت ہو ان ویدوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے ختم کیا تا کہ اس کی جگہ اللہ تعالیٰ کی کتاب لے۔تمام گذشتہ آسمانی کتابوں کی جگہ قرآن پاک نے لینی تھی ان کو ختم کیا اور ان کی زبان کو بھی ختم کیا ان میں جو صداقت تھی وہ قرآن پاک میں آ گئی۔مہیمنا محافظ ہے۔جو صداقت کی باتیں تمام انبیاء علیہم السلام میں آئیں وہ اسی قرآن پاک میں محفوظ کر دیں۔سینوں اور کتابوں میں محفوظ کیا دنیا میں کسی کتاب کا حافظ موجود نہیں۔چاہے جس پر فریضہ ہو نہ چھوٹی کا نہ بڑی کا نہ کسی انسانی

کتاب کا بلکہ سابقہ آسمانی کتابوں کا بھی کوئی حافظ نہیں۔ کتاب بھی چھوٹی نہیں کتنی بڑی کتاب ہے اور زبان بھی اجنبی ہے۔ جو زبان سیکھی ہوئی ہو اس کا یاد کرنا آسان نہیں ہوتا۔ جیسے انگریزی دان اور ٹانگہ والا۔ ہمارے لیے انگریزی زبان اجنبی ہے اور عربی زبان بھی اجنبی ہے مگر سات سال کے بچے حافظ ہیں۔ کسی حکومت نے کوئی تنخواہ انعام یا معاوضہ یا کسی قسم کی کوئی ترغیب نہیں دلائی بلکہ اس کے برعکس ہے بعض ہم میں سے ایسے بھی ہیں جو تمسخر کرتے ہیں۔ حوصلہ افزائی تو کجا حفاظ پر تمسخر کرتے ہیں۔ کسی بزرگ نے کہا کہ جس طرح آسمان پر ستارے چمکتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ قرآن پاک کو موٹے موٹے الفاظ میں آسمان پر ستاروں کی طرح محفوظ کر سکتا تھا۔ لیکن جس کی اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے اسے کون مٹا سکتا ہے۔ کمال قدرت کا اظہار ہوتا ہے۔ ہر زمانے میں دشمنانِ اسلام زیادہ رہے ہیں۔ ایک وقت میں مسلمان صرف ۳۱۳ تھے اللہ تعالیٰ کے زور اور قوت کا اظہار دیکھو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اسی زمین پر مسلمان بھی رہیں گے اور دشمنانِ اسلام بھی رہیں گے اور دشمنوں کی گود میں اس قرآن پاک کو محفوظ رکھیں گے۔ انگریز قوم کی اسلام دشمنی سب قوموں کی مجتمع دشمنی سے زیادہ ہے۔ انگریزوں نے شروع شروع میں جب صرف قلمی نسخے قرآن پاک کے تھے۔ اس وقت انہوں نے دو یا تین سو روپیہ قیمت کا اعلان کر دیا۔ دھڑا دھڑ مسلمان پادریوں کے ہاتھ فروخت کرنے لگ گئے۔ مولانا باقر علی صاحب نے پادریوں سے پوچھا کہ تم کیوں خرید رہے ہو۔ پھر ایک دس سال کے بچے سے قرآن مجید حفظ سنوا دیا اور اسی طرح آٹھ سال کے بچے سے اور پھر چھ سال کے بچے سے تو پھر ان کو احساس ہوا کہ قرآن پاک کے نسخوں کو تلف کرنا مطلب براری نہیں کر سکتا یہ تو بچہ بچہ حافظ قرآن ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے بعد کسی سے بات نہیں کرے گا۔ ع

نوع انسان را پیام آخریں

حامل او رحمتہ للعالمین

یہ اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام ہے۔نورِ دین کا عالم رہتی دنیا تک رہے گا چاہے سب مخالف ہوں۔جب تک عالم موجود معنی محفوظ۔الفاظ کو حافظ اور قاریوں کے ذریعہ محفوظ اور معانی کو علماء کے ذریعے محفوظ فرمایا اور مقاصد کی حفاظت اتقیاء صلحاء اور زہاد کے ذریعے فرمائی جب کوئی الفاظ کو غلط کرتا ہے تو فوراً حافظ ٹوک دیتا ہے اور جب کوئی معانی غلط کرتا ہے تو عالم مولوی فوراً چیختا ہے کہ معانی غلط کر رہا ہے۔غرضیکہ ہر سہ کی حفاظت کا مکمل انتظام فرمادیا ہے۔

درس۔۲

۲۵۔۱۰۔۱۹۶۳

اسماء القرآن

اس سے پہلے نزول القرآن پر بحث ہوئی تھی۔ جتنے الفاظ اللہ تعالیٰ جبرائیلؑ کو سکھا دیتے اور حکم دیتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس پہنچا دے۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ بچوں کو بولنا الفاظ بنانا اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات سکھلاتی ہے۔ یعنی انسان کو بچپن ہی سے مادری زبان سکھانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ ہم اگر کسی کو کوئی زبان سکھاتے ہیں تو بیس سال تک سکھاتے رہتے ہیں تو پھر بھی اس طرح مہارت حاصل نہیں ہوتی جیسے اللہ تعالیٰ نے مادری زبان سکھادی۔ غرض حضرت جبرائیلؑ یا تو لوح محفوظ سے دیکھ کر کلام پاک لے آتے یا اللہ تعالیٰ خود سکھا دیتے۔

ضرورۃ القرآن سے پہلے اسماء القرآن کا ذکر کیا جاتا ہے کیونکہ قرآن کریم کے چند نام ہیں اور نام بھی کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ قرآن کے اسماء سے ہماری مراد ہے اسماء بقیہ کی۔ جیسے حکومت خطابات عطا کرتی ہے۔ خان صاحب یا خان بہادر یہ چند تاریخی نام ہیں جو لقب اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو عطا فرمائے وہ حقیقی ہیں یعنی حقیقت ہے۔ برعکس انسانی خطابات کے جو حقیقت نہیں ہوتے۔ حکومت جس کو خان بہادر بنادیتی ہے وہ فی الحقیقت خان بہادر نہیں بن جاتا وہ اس کا مستحق نہیں ہوتا۔ جو لقب یا خطاب اللہ تعالیٰ عطا فرمائے وہ صفت مکمل اور حقیقۃً ہوگی۔ قرآن کی بصیرت پیدا کرنے کے لیے چند اسماء ہیں۔

۱۔قرآن۔ جب یہ کتاب پاک عرب میں نازل ہوئی تھی تو لفظ قرآن پہلے بولا

جاتا تھا۔ جولفظ پہلے نہ بولا جاتا ہووہ قرآن مجید استعمال نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ لوگ جن میں قرآن مجید اترا ہووہ کیسے سمجھتے۔ بلسان عربی مبین میں فرمایا گیا ہے۔قرآن ایک خاص کتاب کا نام ہے۔ پہلے عرب میں قرآن کولفظ کن معنوں میں استعمال ہوتا تھا۔یعنی کتاب والا نئی اصطلاحات ایجاد کرتا ہے۔ پہلے موجودہ الفاظ میں تھوڑا تصرف کرتا ہے۔لفظ قرآن پہلے تین معنوں میں استعمال ہوتا تھا۔

(۱) قرآن بمعنی پڑھنا قرأ یقرا سے قرآن۔ فعلان کے وزن پر۔ پڑھنے کے معنی میں۔

(۲) جمع کرنے کے معنی قرأت الماء فی الحوض میں نے پانی جمع کیا حوض میں۔

(۳) پھینکنے کے معنی میں ماقرات البعیرة سلاة قط یعنی بچہ جننے کے بعد لپٹنے والے پردے جب تک نہ نکلیں تو کہتے ہیں اونٹنی نے پردے نہیں پھینکے۔قرآن اس لیے کہا کہ پڑھی جاتی ہے۔آسمان کے نیچے اس سے زیادہ پڑھی جانے والی اور کوئی کتاب نہیں۔ چین سے مراکش تک کتنے لوگوں نے نماز پڑھی ہوگی اور قرآن پڑھا ہوگا۔عرب کو چھوڑ کر کسی کی زبان اپنی نہیں۔ جیسے افغانستان، سمرقند وغیرہ۔عیسائیوں نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب قرآن کریم ہے۔ ہر حرف پر دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں جو دنیا کے کتے ہیں وہ توجہ نہیں کرتے۔اور حسنات میں اضافہ کرتے ہیں وہی جو دنیا کے کتے نہیں ہیں۔

۲۔جمع کے معنی میں۔ انسان کی بھلائی بہبود آخرت کی اور دنیاوی کے لیے جس قدر ہدایات ہوسکتی تھی۔اس میں سب جمع ہیں۔اور کسی کتاب میں نہیں۔

۳۔پھینکنا۔ انسان کے اعمال اور عقائد میں جو گندگی ہے۔اس کے پھینکنے والی ہے۔جنہوں نے اس پر عمل کیا فرشتے ان پر فخر کرتے ہیں یہ خوبی صرف اسی کتاب کی ہے۔

۲۔دوسرا نام فرقان ہے۔ فرق کرنے کو کہتے ہیں۔جس کے معنی ہیں جدائی اور فیصلہ کرنے کے۔کائنات عالم میں خیر و شر، نیکی و بدی رلی ملی غلط ملط ہیں۔حق و باطل، ہدایت و گمراہی مخلوط ہے۔آسمان کے نیچے صرف یہی ایک کتاب ہے جو حق و باطل کو الگ کرتی ہے۔اور ان میں فرق کرتی ہے۔تاکہ حق کو اختیار کرے اور بُرائی سے بچے۔انسانی کتابوں میں یہ طاقت نہیں کہ وہ ہدایت دیں کیونکہ انسان تو خود شک وشبہ میں مبتلا ہے۔وہ دوسروں کو کیا ہدایت کرے۔حق و باطل کا فرق ٹھیک ٹھیک اللہ تعالیٰ ہی کرسکتا ہے۔

۳۔نام برہان ہے۔ یعنی حجت و سند۔چاہے اس کو ساری دنیا نہ دیکھے اور نہ خیال کرے اور سب دنیا کے کتے بنے رہے مگر اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کیا ہے کہ لوگوں کی قسمت کا فیصلہ اسی سے ہوتا ہے۔جنہوں نے اس پر عمل کیا ان کا فیصلہ جنت ہے اور جنہوں نے اس پر عمل نہ کیا وہ ابدی دوزخ کے مستحق ہوں گے۔دنیا میں دوستوں سے زیادہ اللہ میاں دشمنوں کو کھلاتا ہے۔امتیاز کا دن آنے والا ہے قرآن پر چلنے والوں کا مقام جنت اور خلاف کرنے والوں کا دوزخ ہوگا۔ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا جنت کی زندگی کیسی ہے؟ اس نے کہا آدھی خدائی ہے۔اور یہ صحیح بھی ہے۔راحت و آرام ہر قسم کی خواہش کے پورا ہونے کا لحاظ ہے۔انسانوں میں سے دنیا میں سب سے بڑا بت کینڈی فرض کرلیں وہ چاہتا ہے ہمیشہ جوان رہے یا ہمیشہ زندہ رہے لیکن ایسا نہیں ہوسکتا یہ اسے حاصل نہیں ہوسکتا۔خدا نے قرآن پر چلنے والے کو خلیفہ بنایا ہے۔جو شخص اسسٹنٹ ہوگا کمشنر کا، گورنر کا، صدر کا یا ڈپٹی کمشنر کا۔ اسے کچھ نہ کچھ تو اختیار ہوگا۔اپنے اختیارات میں سے اللہ تعالیٰ جنت میں کچھ انسانوں کو

سونپ دے گا کہ جو چاہو کرو۔ ہمیشہ کی رہائی یا پھانسی۔ ہدایت، فلاح، سلطنت اور سربلندی صرف اسی کتاب سے ہے۔ چاہے انسان پڑھے یا نہ پڑھے۔ حدیثِ قدسی ہے کہ ساری دنیا کے انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت چھوڑ دیں یا سارے کے سارے عابد بن جائیں۔ اللہ تعالیٰ کی شان میں رائی برابر فرق نہیں آتا۔ ایک بزرگ نے کہا اور خوب کہا کہ ہم ان بیوقوفوں کی وجہ سے سنت پر عمل چھوڑ دیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی کھانے کی چیز گر جائے اور جگہ پلید نہ ہو تو اسے اٹھا کر دھو کر یا صاف کر کے کھالی جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفت رزاقی کا مظاہرہ ہے۔ ایک بزرگ سے گاڑی میں کھانے کی چیز گر گئی۔ اٹھائی صاف کر کے سب کے سامنے کھالی یہ ہے سنت پر عمل کرنا۔

تین نام قرآن، فرقان، برہان، ۴ مہیمن، نگہبان۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر علیہ السلام بھیجے گئے لیکن کسی کی کتاب موجود نہیں۔ ان سب کی تعلیم کی روح اور عطر اسی قرآن پاک میں موجود اور محفوظ ہے۔

۵۔ نام نور ہے۔ لقد جاء کم من اللہ نور و کتب مبین نور معنی روشنی خارجی بھی اور باطنی بھی اور روشنی کا تعلق سورج سے ہے اس لیے دن میں تو روشنی ہے رات کو متبادل انتظام بھی۔ چراغ اور لالٹین وغیرہ سے کیا جاتا ہے۔ کیونکہ باہر کی روشنی کی ضرورت ہے لیکن اس سے زیادہ ضرورت باطنی روشنی کی ہے۔ دل میں بھی روشنی کی ضرورت ہے ظاہری روشنی سے گڑھے۔ کانٹے اور بچھو وغیرہ نظر آتے ہیں اسی طرح اگر قلب انسانی کے اندر رات ہی رات ہو یعنی اندھیرا ہو تو ایمان اور کفر، اطاعت اور معصیت، حق اور باطل کا پتہ نہ چل سکے گا۔ محسوسات کے علم کے لیے سورج کی ضرورت ہے دینیات اور معنویات کے لیے دل کا سورج چاہیے ظاہری سورج بھی اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے۔ باطنی روشنی کا انتظام بھی

قرآن کریم سے کیا ہے اس لیے قــرآن مبین کہا گیا کہ حقیقت کھولنے والی روشنی ہے۔ آخرت کی۔ قبر کی۔ اخلاق کی سب کی حقیقت کو کھولنے والی ہے ایک ظاہری سورج ہے۔ ایک باطنی قرآن۔ آسمانی سورج دائمی نہیں۔ رات کو نہیں۔ بادل کے وقت نہیں۔ گرہن کے وقت نہیں۔ لیکن باطنی سورج کو گرہن نہیں اور وہ دائمی سورج ہے۔ جن لوگوں کے دلوں میں قرآن کی روشنی ہے۔ وہ روشن ہیں ورنہ اندھیرا ہے۔ جسے نئی روشنی کہا جاتا ہے۔ وہ دراصل نئی تاریکی ہے نئی روشنی نہیں کیونکہ روشنی نئی اور پُرانی سب قرآن میں ہے۔ دیکھو بار بار پڑھنے سے ہمیشہ تازہ ہے۔ جی بھرتا نہیں۔ اکتاتا نہیں۔

۶۔ اسم الکتاب ہے۔ کتاب کا اطلاق اس لیے کہ کتاب کے کہلانے کا حق دار صرف قرآن ہی ہے۔ باقی کتاب ہی نہیں۔ لکھی ہوئی چیز کو کتاب کہا جاتا ہے۔ لکھی ہوئی چیز کو سند کہا جاتا ہے جیسے دستاویز معاہدہ وغیرہ (بیع نامہ وغیرہ وغیرہ) جو بات تحریر میں نہیں آئی وہ ۹۹ فیصد نہیں آتیں صرف دو فیصد آتی ہیں۔ وہ بھی مستند نہیں ہوتیں۔ اقول مکتوب، غیر مکتوب کی اہمیت کا فرق ہے۔ کتاب اہمیت کو ظاہر کرتی ہے۔ جیسے کتاب افلاطون کی ہے۔ کتاب بوعلی سینا کی ہے۔ انسان فانی ہے ان کی باتیں اگر لکھنے کے قابل ہیں تو دراصل لکھنے کے قابل صرف یہی ہے ابدی حیات فلاح کے لیے یہی کتاب ہے۔ یہ ہے اسماء بقیہ جو بیان ہوئے۔

ضرورۃ القرآن۔ مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ قرآن پاک کی طرف توجہ نہیں دی۔ کیونکہ ضرورت ہی نہیں پڑی۔ جس کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس پر چستی ہوتی ہے۔ مال کمانے میں چستی ہے کیونکہ مال کمانے کی ضرورت پر یقین ہے۔ قرآن کی ضرورت پر یقین نہیں اس لیے اس کی طرف سستی ہے۔ قرآن کریم آسمان سے اتاری ہوئی وحی ہے وحی کی

ضرورت کیا ہے۔ وحی سے انسان بے نیاز ہو سکتا ہے؟ اگر نہیں ہو سکتا تو وحی الٰہی، کلامِ الٰہی اور قرآن کی ضرورت ہے اگر کام نہیں چل سکتا تو ضرورت ہے انسان کے لیے معرفت انسان ضروری ہے اگر دوسروں کو پہچاننا ضروری ہے تو اتنا نہیں جتنا کہ اپنے آپ کو پہچاننا ضروری ہے۔ پہلے انسان اپنے آپ کو پہچانے۔ اس لیے دنیا گمراہ ہے کائنات شناس ہے اور خود شناس نہیں۔ اپنی پہچان نہیں کر رہا۔ مریخ اور چاند وغیرہ سر کر لیے ہیں۔ بڑا مسئلہ انسان کے لیے معرفت ہے۔ انسان کو انسانیت سے آگاہ کیا جائے کہ اسے کیا ملا اگر نہ جانے تو اس کی قیمت معلوم نہیں ہو سکتی۔ اگر پہچان نہ ہو تو گھڑیوں کی قیمت کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا۔ سو روپے اور پچاس والی برابر ہے۔ انسان کے تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک انسان کا بدن ہے اور ایک روح، جب روح نکل جاتی ہے تو بدن کس کام کا رہ جاتا ہے؟ جو قومیں غرق ہوئیں، عذاب میں گرفتار ہوئیں وہ بھوک اور غربت سے تباہ نہیں ہوئی بلکہ جب وہ آسمان پر اُڑ رہے تھے تو ہلاک ہوئے۔ مادی ترقی کے ساتھ خدا فراموشی لازم ہے۔ جو قومیں ہلاکت کے کنارے پر ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ قیمتی جان ہے بدن نہیں۔ جب جان نکل جائے تو آنکھ کان ناک کام نہیں کر سکتے ہاتھ پاؤں وغیرہ سب بے کار ہو جاتے ہیں۔ بدن کاغذ کا ہو جاتا ہے۔ حقیقت جان ہے۔ جان نکل جانے کے بعد کمشنر ہو یا چپڑاسی گھر میں کسی کو رہنے نہیں دیا جاتا۔ بلی چوہے بھی گھر میں رہتے ہیں مگر مردے کو ایک رات نہیں ٹھہرنے دیتے یعنی رہنے کے قابل نہیں۔ قیمتی چیز تو نکل گئی۔ انسان میں بدن اور روح دو چیزیں ہیں۔ جان قیمتی ہے۔

بدن کی پرورش کے لیے انتظام (۱) زمین رہنے کے لیے۔ (۲) سانس کے لیے ہوا۔ کھانے کے لیے زمین کو حکم دیا۔ نمونہ ڈال دو تازہ بتازہ ہر سال بساط سے پیدا کر رہی ہے۔ علامہ الوسیؒ روح المعانی والے نے خواب دیکھا کہ اللہ نے حکم دیا ہے کہ آسمان اور

زمین کو مٹھی میں لے لو ایک ہاتھ آسمان کی طرف بڑھایا اور دوسرا سمندروں اور زمین کی طرف، تعبیر تفسیر قرآن پاک تھی۔

آسمان سے باہر کوئی چیز ایسی بتاؤ جو خادم نہ ہو۔ آسمان، زمین، بادل چاند وغیرہ سب خادم ہیں۔ کائنات انعام ہے۔ انسان منعم علیہ تعالیٰ نعمت دہندہ منعم۔ سب چیزیں نعمت ہیں۔ یہ سارا کارخانہ ہمارے جسم اور بدن کی پرورش کے لیے ہے۔ روح کے لیے کیا؟

روح کے لیے کیا؟ بدن زمین سے ہے اور روح اوپر سے۔ بدن کے لیے غذا اور ہر طرح کا سامان زمین سے کیا۔ روح اوپر سے ہے تو روح کے لیے غذا وغیرہ آسمان سے۔

بدن ہلاک ہے بغیر خوراک کے، روح ہلاک ہے بغیر قرآن کے۔ بدن اور روح ایسے جیسے جوتا اور پاؤں۔ جوتے کا نقصان سمجھتے ہیں۔ پاؤں کا نقصان ہو تو نقصان نہیں سمجھتے۔ یقیناً ہم میں سے بدنی غذا کھانے والا اگر غذا سے محروم ہو جائے تو فوری ہلاکت ہے۔ روح کی غذا سے محروم ابدی محروم۔ زمین کی کائنات سے بدنی زندگی اور آسمانی کتاب سے روح کی زندگی، قرآن سے محروم اللہ تعالیٰ سے محروم۔ حیات ابدی قرآن کے ساتھ وابستہ ہے۔

درس۔۳

۱۔۱۱۔۱۹۶۳

جسم اور رُوح کے تقاضے

اس سے پہلے انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کا کلام یا وحی الٰہی کی ضرورت ہے پر بیان شروع کیا تھا اسلام چونکہ بنیادی مسئلہ ہے۔ اس لیے اس کا رنگ پوری طرح دل پر چڑھ جائے کہ وحی الٰہی یا کلامِ الٰہی کی ضرورت ہے۔ دوسری دلیل انسان کے اندر ایک جسم یا بدن اور ایک روح یا جان ہے۔ روح ایک لطیف چیز ہے۔ دونوں کے تقاضے یا خواہشات اور جذبات مختلف ہیں۔ جسم فطری طور پر تین چیزوں کا تقاضا کرتا ہے۔ ماکول، مشروب اور شادی۔ عام انسان کھانے کی خواہش بلا ترغیب کے کھانا طلب کرتا ہے۔ پیاس کے وقت پینے کی خواہش یہ بھی جسمانی جذبہ ہے۔ جسم کی فطرت کی آواز ہے کہ کھانا پینا ضروری ہے۔ اِس میں بالغ نابالغ برابر ہیں۔ تیسری بالغ ہونے کے بعد نکاح یا شادی۔ جسم کی کل فطری حاجتیں تین ہیں اس کے ساتھ دوسرا شریف جزو روح ہے اس کا تقاضا محبت الٰہی ہے۔ روح اللہ سے متعلق چیز ہے۔ اس لیے اس کی خواہش ہے کہ اللہ کی محبت، جسم جو کہ زمین کی چیز ہے۔ اس کی خواہش بھی زمین سے ہے۔ کل خواہشیں چار ہیں۔ بدن کے لحاظ سے تین اور روح کے لحاظ سے ایک، محبت الٰہی انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ اس کی فطرت میں اس کی ضرورت داخل ہے جو عالمگیر ہے۔ جہاں جہاں آبادی ہے اللہ کی محبت کا تقاضا ہر جگہ مانا جاتا ہے۔ اس تقاضے کے پورا کرنے میں غلطی ہو یہ دوسری چیز ہے۔ جیسے کھانے کی خواہش کے لیے بجائے اچھے کھانے کے گلی سڑی چیز کھائے۔ عیسائی اور یہودیوں کے

گرجے ہندوؤں اور بدھوں کے مندر مسلمانوں کی مسجد جب سے انسان چلا آ رہا ہے۔ یہ عبادت گاہیں موجود ہیں انسان کی تاریخ لکھنے والے اس بات پر متفق ہیں کہ جب سے انسان چلا ہے وہاں سے عبادت گاہیں موجود ہیں رہ رہ کے عبادت گاہ معبود کی محبت کے جذبہ کے اظہار کا طریقہ ہے صحیح یا غلط عبادت کی شکل میں اللہ کی محبت کا اظہار کرے۔ اسلام والوں نے جب یہود و نصاریٰ ٹھیک طور پر تھے۔ صحیح طور پر استعمال کیا۔ انسان کی روح اور گہرائی میں اللہ سے محبت کرنے کا جذبہ موجود ہے۔ ورنہ یہ عبادت گاہیں وجود میں نہ آتیں۔ بدن کے لحاظ سے تین تقاضے روح کے لحاظ سے صرف ایک تقاضا محبتِ الٰہی کا۔ اسلام نے اس خواہش کو فطرت کا تقاضا فرمایا ہے۔ فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا جسم کے لحاظ سے فطرت کا تقاضا ادا کرنے کے لیے پانی کا انتظام خالق نے کیا ہے۔ آپ کا پانی پر احسان نہیں پانی کا احسان ہے۔ اس طرح روح کا بھی تقاضا ہے اور ضروری ہے کہ اس کا تقاضا بھی مہیا ہو۔ خالقِ فطرت نے ان چار مطالبات کا انتظام کیا ہے چار تقاضے خالق نے رکھے۔ خالق کائنات نے ان حاجتوں کا سامان بھی مہیا کیا فطری تقاضوں کے لیے ساز و سامان مہیا کیا اور پیدا ہونے سے پہلے ہم موجود نہ تھے اور زمین میں قوت پیدا کی کہ تازہ بتازہ ہمارے کھانے کے لیے چیزیں نکالے۔ ہاتھ پاؤں ہلا کر۔ اگر کھانے کا پہاڑ کھڑا کر دیتا تو وہ مناسب نہ تھا زمین آدم علیہ السلام کے وقت سے کھانا پیدا کر رہی ہے اور اس روز سے اس کی طاقت زور پر ہے۔ دریا اور چشمے پانی کے لیے پیدا کیے۔ اگر قلت ہو تو بارش کے ذریعے پوری کی گئی۔ اس کے لیے کسی درخواست کی ضرورت نہیں۔ کھانے پینے کا انتظام سب مکمل فرمایا۔ بالغ ہونے کے بعد شادی کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ اگر یہ سلسلہ نہ ہو تو پرانے آدمی کھپت جائیں گے۔ نئے پیدا نہ ہوں تو زمین جنگل ہو جائے اسے خاص وقت تک آباد رکھنا ہے اس کے لیے بیوی کا انتظام اللہ تعالیٰ نے خود

فرمایا ہے۔فطرت انسانی کے تین مطالبات جسم کے متعلق تھے۔ ماءکول، مشروب، منکوح ان کا انتظام پہلے سے موجود تھا۔ جو تقاضا روح کا ہے اور صرف ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اس کے لیے انتظام ہے۔ جب انسانی جذبہ بھڑکے اور اٹھے اس کی تشنگی بجھانے کے لیے کیا انتظام کیا ہے۔ اگر کوئی کج خیال کہے کہ یہ نہیں ہے۔ جیسے یورپ کا عملی جذبہ ہے صرف جسمانی خواہش کے تقاضے پورے کرنا اور روح کے لیے کچھ نہ کرنا۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں ہے۔ کم درجہ کے لیے یعنی چپڑاسی کے لیے تو انتظام ہو اور شریف جزو (کمشنر کے لیے) کوئی انتظام نہ ہو وان تعدوا نعمت اللہ لا تحصوھا عظیم دستر خوان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بچھا ہوا ہے۔ لیکن آنکھیں نہیں دیکھتیں۔ سائنس اللہ تعالیٰ کے قوانین کا نام ہے۔ جس قدر علم زیادہ ہوگا۔ خالق سے محبت زیادہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے جو فوائد بے شمار رکھے اور انسان نے ان کو نکالا لیکن اس گہرے فلسفے سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کو نہ پہچانا۔

علم لائبریری میں نہیں دل میں ہے۔ عرب کے بدوؤں اور جاہلوں نے اللہ کو پہچانا قدرت کے لاکھوں قانون معلوم کئے لیکن اللہ کو نہ پہچانا۔ ایک بدو سے فلسفی نے پوچھا اونٹ چراتے ہو فلسفہ بھی پڑھا اس نے کہا میں نے فلسفہ کی ضرورت نہیں سمجھی۔ ضرورت روٹی کی ہے جیسے حاصل ہو جائے۔ اس نے کوئی کہا کوئی پوچھے خدا تعالیٰ ہے کہ نہیں۔ کیسے جواب دو گے۔ علم کا اصل مقام دل ہے۔ اندر سے چشمہ کی طرح پھوٹتا ہے باہر سے نہیں آتا۔ بدو نے کہا میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات موجود ہے۔ اونٹ کو دیکھو اس کے پاؤں کے نشان اونٹ ہونے کی دلیل ہے۔ بڑے ستاروں والا آسمان اور زمین اللہ کی کیوں دلیل نہیں۔ اتنا بڑا کارخانہ پھر اس کا انتظام یہ بغیر اللہ تعالیٰ کے کیسے وجود میں آیا اور کیسے قائم ہے۔ بدو کی بدیہی دلیل سے ہدایت تھی۔ شقاوت اور ہدایت، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ دوسرے بدو سے پوچھا علم کیوں نہیں پڑھتے تا کہ دین کے متعلق علم ہو۔ اس نے کہا میں جانتا ہوں کہ

اس دنیا کے بعد ایک اور عالم آئے گا۔ جس میں بہشت اور دوزخ ہو گی اس کی دلیل بدو نے یہ بتائی کہ آپ کا خیال ہے کہ چونکہ دنیا کا دعویٰ دو گواہوں سے ثابت ہوتا ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار اللہ کے پیغمبروں نے اللہ کے گواہوں نے گواہی دی کہ دوسری دنیا آنے والی ہے جس میں سے ہر ایک کی گواہی دس کروڑ آدمیوں سے زیادہ ہے۔

مرجانے کے بعد اگر آپ کی بات سچی ہے کہ کوئی حساب کتاب نہیں تو ہم اور تم برابر رہے لیکن دوسرا احتمال ہے کہ اگر میری بات سچی ہے تو تیری تباہی کیونکہ تو نے کوئی انتظام نہیں کیا اور میں انتظام کئے جا رہا ہوں۔ آخرت کا یقین اور اللہ کا یقین۔ تھوڑی سی بات سے بدو نے دلا دیا۔ کائنات کا علم ہے یہ قطرہ ہے یورپ کا دریا اور سمندر ہے لیکن اس کے باوجود بھی خدا کو نہیں پایا۔ فطری تقاضائے محبتِ الٰہی کا انتظام ہے جو ضروری ہے۔

روح شریف ہے بدن خسیس ہے۔ محبت کا تقاضہ ہے رضائے محبوب انسان کو جس سے محبت ہو وہ چاہتا ہے کہ محبوب کو ہر صورت راضی رکھے اور ناراض نہ ہو۔ جہاں حقیقی محبت ہو دونوں باتیں ضروری ہیں راضی رکھنا اور ناراضی سے بچنا۔ آدمؑ سے اب تک ہر شخص قلب میں روحانی جذبہ رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ہماری محبت ہے عبادت گاہیں انسان نے بنائی ہیں کہ اللہ کو راضی رکھوں ناراض نہ رکھوں محبت کا یہ رنگ فلسفیانہ رنگ ہے۔ ضروری ہے محبوب راضی ہو اور ناراض نہ ہو۔ جیسے آگ کے ساتھ گرمی کا ہونا ضروری تقاضا ہے۔ انسان کا فطری تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو اور ناراض نہ ہو۔ اس لیے علم ضروری ہے کہ راضی کس چیز سے ہوتا ہے۔ اور ناراض کن چیزوں سے ہوتا ہے۔ کوئی مہمان آجائے تو اس سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا کھانا پسند ہے اور کونسا ناپسند ہے۔ اپنے جیسے انسان کی پسند ناپسند کا پتہ چلانا پڑتا ہے ہمیں خود معلوم نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کو ہم سے اور اللہ سے ہم کو کوئی مناسبت نہیں ہے۔ اس لیے کیسے فیصلہ ہو کہ اسے کیا پسند ہے کیا پسند نہیں جب تک وہ خود بول کر نہ

بتلا دے کہ اسے کیا پسند ہے اور کیا پسند نہیں۔ ایک ہمارے جیسے انسان جب تک نہ بتادیں ہمیں معلوم نہیں ہوتا اور ہم اپنے عقل سے نہیں تراش سکتے۔ کہ اسے کیا پسند ہے اور کیا نہ پسند ہے۔ اپنے جیسے انسان کی پسند ناپسند۔ مرضی غیر مرضی کھانے وغیرہ کے لیے نہیں پتہ چلتا اللہ تعالیٰ جو ماوراء الوراء ہے اور مخرق العقل ذات ہے۔ تو اس کے لیے عقل کافی نہیں۔ اللہ محبوب ہے تکوینی ضروریات کے لیے اس کی پسند ناپسند کو معلوم کیا جاوے جب تک اللہ تعالیٰ نہ بتادے ہمیں معلوم نہیں۔ عقیدوں میں اعمال میں فلاں فلاں چیزیں اسے پسند ہیں اور فلاں فلاں چیزیں اسے ناپسند ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ بتادے گا۔ اس کا نام قرآن پاک ہے۔ ماموراتِ منہیات۔ مرضیات غیر مرضیات بھی اس میں موجود ہیں۔ اپنے جیسے انسان کی پسند اور ناپسند کا علم ساری دنیا کے عقلمند نہیں کر سکتے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی پسند اور ناپسند کا علم کیسے معلوم کر سکے گا ماموراتِ ومنہیات کے اعلان کے لیے جس کو پسند کرے گا اس کا نام نبی ہے شاہی اعلان کرنے کے لیے قبر اور آخرت میں ان اعمال اور عقائد اور اخلاق کے لیے جنت اور بہشت ہے۔ اور اعمال سوء و بدعقائد کے لیے دوزخ اور سزا ہے۔ روح کا فطری تقاضا اللہ تعالیٰ کی محبت ہے اور مرضیات کا معلوم کرنا ہے۔ مامورات پر عمل کرنا اور منہیات سے بچنا جنت کو حاصل کرنا اور دوزخ سے بچنا مختلف اوقات میں مختلف پیغمبروں پر صحیفے اتارے جب دنیا کی بساط کو الٹنا تھا تو آخری پیغمبر بھیجا۔ آخرالانبیاء اور اس کے ساتھ آخری کتاب جس میں تمام پیغمبران کا عطر نچوڑ نوع انسان راپیعام آخرند۔ جبرائیلؑ کو مستثنیٰ کرتے ہوئے علمائے حق کا بیان ہے کہ قرآن کا پڑھنا ملائکہ کے لیے ممنوع ہے صرف انسان پر قرآن کا پڑھنا لازم ہے۔ ملائکہ کو شوق ہوتا ہے جہاں جہری قرآن کی قرأت ہوتی ہے وہاں شوق سے سننے کے لیے آتے ہیں۔ ان قرآن الفجر کانا مشھودا ملائکہ محروم ہیں مگر بدبخت انسان انسانوں کی کتابوں کو سینے سے لگاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی مقدس اور

بابرکت کتاب کو چھوڑ بیٹھا ہے۔انسان متغیر تغیرات کا شکار ہے۔ پہلے بچہ پھر جوان پھر کبھی بیمار اور کبھی صحت مند، کبھی اندھا۔اسی طرح اس کے خیال اور عقیدے بھی مختلف جیسے ڈارون کا عقیدہ پہلے مقبول تھا اب یورپ میں اس کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ حسین ابن منصور حلاج بگڑا اس نے کہا میں خدا ہوں۔ڈارون بگڑا اس نے کہا کہ بندر ہیں۔ ہمارا بگڑا ہوا بھی ان کے بگڑے ہوئے سے بہتر ہے۔ بقول اکبر

مغرب کو ہے خیل جسمانی مشرق کو ہے خیل روحانی
ڈارون نے کہا کہ بندر ہوں کہا منصور نے خدا ہوں

اللہ تعالیٰ کو زوال نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بات کو بھی زوال نہیں اسے تغیر نہیں۔اس کے قوانین غیر متغیر ہیں لا تبدیل لکلمات اللہ ۔یورپ کے نظریے بدلتے رہتے ہیں۔ ایک دنیاوی علوم ہیں۔ایک ماوراءالمادیات۔

تیسری دلیل۔ کائنات کا مادی حصہ ہے جو کہ نباتات جمادات وغیرہ ہیں۔اور دوسرا حصہ روحانیات ہیں۔عقائد، اعمال، اخلاق کوئی ایسی چیز نہیں جسے ہاتھ لگا کر محسوس کیا جائے۔ روحانی چیزیں ہیں۔قرآن کی تعلیم سے دونوں کا علم بھی روشنی سے ہوتا ہے۔ قدرت نے ایک روشنی کو ضروری کیا ہے۔ جیسے سڑک۔کنواں، باغ، سانپ وغیرہ کو اس میں دیکھنا (مادیات کا علم) اس کے لیے دو روشنیوں کی ضرورت ہے۔ایک خارجی سورج یا اس کا قائم مقام چراغ، لیمپ، بیٹری وغیرہ مادیات کے لیے بھی اس خارجی روشنی کے علاوہ ایک داخلی روشنی کی ضرورت ہے۔جیسے خارجی کے بغیر کچھ معلوم نہیں ہوسکتا۔داخلی بینائی کے بغیر بھی نابینا نہیں دیکھ سکتا۔نابینا دن کے وقت سورج کی روشنی میں رسی، سانپ، باغ اور جنگل میں فرق نہیں کرسکتا۔آنکھ کی داخلی روشنی کے ساتھ خارجی سورج کی روشنی ہو۔مادی دنیا کی

معلومات کے لیے داخلی زمینی روشنی کے ساتھ آسمانی سورج کی روشنی جب تک نہ مل جائے مادیات کا علم نہیں ہوسکتا۔ مادیات کی حقیقت صرف اس وقت کھلتی ہے جب دونوں روشنیاں موجود ہوں۔ اخلاق، عقائد، اعمال وغیرہ جہاں روحانیات دینیات کی داخلی روشنی دل میں رکھی ہے۔ جیسے مادی کے لیے آنکھ ہے۔ اسی طرح عقل میں رکھی ہے۔ قلبی اور عقلی روشنی کے ساتھ آسمانی روشنی اور نور نہ مل جاوے۔ پتہ نہیں چلتا۔ وہ روشنی قرآن پاک ہے۔ قرآن پاک لوح محفوظ اور عرش معلیٰ سے اترا ہے جو اس سورج سے بہتر ہے۔ مادیات جو محسوس ہیں ان کے لیے سورج کی روشنی بھی محسوس ہے۔ دینیات غیر محسوس ہیں اس طرح ان کی روشنی کو قرآن کریم میں اتارا اس لیے جگہ جگہ قرآن کو نور کہا گیا عقل بھی ضروری ہے۔ افلا تعقلون زمینی نور عقل۔ آسمانی نور قرآن مجید دونوں کے جوڑ سے معاملہ سلجھ جاتا ہے قرآن نے دونوں کو ضروری بتایا ہے۔ کوئی بات خلافِ عقل نہیں۔ مگر تنہا عقل کام نہیں کرسکتی۔ اس لیے وحی کو ساتھ لازم کیا۔

درس۔۴

۸۔۱۱۔۱۹۶۳

ضرورت القرآن پر عقلی دلائل

آج ایسے عقلی دلائل پیش کرتے ہیں جن سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ ان امور کی پہچان کے لیے اللہ تعالیٰ کی وحی وکلام یا با الفاظ دیگر قرآن پاک کی ضرورت ہے تا کہ انسان کی سعادت وشقاوت، خوش بختی و بدبختی کے قانون کا قطعی فیصلہ ہو جائے۔ اور ایسا ہو کہ اس میں پھر کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہے۔ جس کی چند دلائل دیتا ہوں۔

۱۔ضرورت القرآن کی دلیل بقائی۔ پیدائشی طور پر ہر انسان کی خواہش ہے کہ اس کو دائمی زندگی حاصل ہو۔ کیونکہ انسان کی ہر نعمت زندگی سے وابستہ ہے۔ اگر زندگی نہ ہو تو سب نعمتیں مال و جاہ، اقتدار، خوراک، پوشاک، بیوی وغیرہ سب بے کار ہیں۔ اس فطری جذبے کی دلیل یہ ہے کہ ہر انسان کی زندگی یا حیات پر جو کوئی دشمن حملہ کرے تو وہ حب ذات وحب بقاء کے جذبے تحت مدافعت کی کوشش کرتا ہے۔ اور زندگی کو محفوظ رکھنے کی جدوجہد کرتا ہے۔ اسی طرح اگر اس پر کسی بیماری کا حملہ ہو جس سے زندگی و بقا کو خطرہ ہو تو وہ علاج معالجہ پر بڑی رقم خرچ کر کے بقا حیاء کے لیے کوشش کرتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ حب بقا کا جذبہ فطری ہے۔ اب اس عالم تغیرات اور جہانِ فنا میں کسی انسان کو یہ پیدائشی یا فطری مقصد حاصل نہیں۔ اب اگر زندگی کے کسی دور میں بھی انسان کو بقا اور دوامِ حیات یعنی دائمی زندگی حاصل نہ ہو تو ایسی صورت میں کہا جائے گا کہ انسان نے ایک ناممکن چیز کی فطری خواہش کی جو علم النفیسات کے لحاظ سے درست نہیں کیونکہ ناممکنات فطری مطلوب نہیں ہو سکتے اور نہ

ایک ناممکن مقصد پر تمام افرادِ انسانی متفق ہو سکتے ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ دو دو نے پانچ ہو تو کیا پوری انسانی تاریخ میں صرف ایک شخص ایسا مل سکتا ہے جس کی یہ خواہش ہو کہ دو دو نے پانچ ہو جائے۔ یہ ناممکن عقلی ہے۔ اس طرح ناممکن عادی بھی فطرۃً تمام انسانوں کا مطلوب نہیں بن سکتا۔ کوئی انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے یہ خواہش نہیں رکھتا کہ وہ انسان ہو کر ساری عمر کھانے پینے اور سانس لینے سے بے نیاز ہو جائے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ ناممکن امر خواہ عقلی ہو یا عادی تمام انسانوں کا فطری مطلوب نہیں بن سکتا۔ تو ہمیشہ زندہ رہنا یعنی دوامِ حیات جو تمام انسانوں کا فطرۃً مطلوب ہے وہ ناممکن نہیں بلکہ ممکن الحصول ہے اب دوامِ بقا کے لیے اس دنیا میں جو عالمِ تغیرات ہے ایسی چیزیں موجود ہیں جو جلد خراب اور بگڑ جانے والی چیز سے لگ جائیں تو ان کے ربط اور تعلق سے اس کو ایک محدود زمانے تک بقا حاصل ہو جاتی ہے۔ مثلاً تازہ مچھلی کو نمک لگا کر خشک کر کے رکھا جائے تو ایک مدت تک وہ درست رہ سکتی ہے۔ چین میں شہد سے بھرے ہوئے صندوق میں آدمی کی لاش کو رکھ کر کچھ عرصہ کے لیے یعنی بقاء محدود کا سامان کیا جاتا ہے۔ مصر میں ایسے سیب بھی آثارِ قدیمہ میں پڑے ہوئے ہیں جن پر پانچ ہزار سال پہلے کی تاریخ درج ہے۔ اس عالم تغیر میں انسانوں کے دریافت کردہ مصالحہ سے سیب وغیرہ محفوظ ہیں۔ اب جب کہ اس عالم تغیر میں اضافہ بقا کا یہ سامان موجود ہے۔ تو ابدی اور لافانی یعنی ہمیشہ رہنے والی اشیاء میں ایسا کوئی مصالحہ نہیں جو انسان کی روح سے لگ کر اسے ہمیشہ کی زندگی عطا کر دے۔ ابدی اور لازوال چیزیں اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات ہیں۔ جن میں سے انسان سے مل جانے والی صرف اللہ کا وصف کلام الٰہی یا وحی یا قرآن ہے۔ جو ہمیشہ رہنے کی وجہ سے انسان کے لیے دوامِ حیات کا سامان بن سکتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے مختلف انبیاءؑ پر اپنا کلام اتارا تا کہ انسان کو ہمیشہ کی زندگی جو اس کا فطری مطلوب ہے حاصل ہو۔ یہ شبہ کہ کلامِ الٰہی تو دنیا میں نازل ہوا تو اس نے دنیا

میں ہمیشہ کی زندگی کیوں نہیں بخشی۔ یہ نامعقول ہے۔ کیونکہ ہمیشہ کی زندگی کے لیے دارفنا (دنیا) سے گزرنا ضروری ہے تاکہ فنا کرنے والے عوامل سے اس کو نکال کر دوامِ حیات کے مصالحہ سے ایسے محفوظ جہانِ حیات میں بقاء و دوام حاصل ہو جہاں پر اس کے مخالف اثر کرنے والے عوامل نہ ہوں۔ اس کے علاوہ اس جہان میں اگر ہمیشہ کی زندگی ہوتو کرہء ارض کی تنگنائی تمام افرادِ انسانی کی سکونت کی متحمل نہیں ہو سکے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ دوامِ بقاء کے فطری جذبے کی تکمیل کے لیے کلامِ الٰہی یعنی قرآن کی ضرورۃ ہے۔ یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اسلامی زاویہ نگاہ سے کلامِ الٰہی پر ایمان رکھنے والوں کو جس طرح جنت کی صورت میں دوامِ حیات حاصل ہوگا تو کلامِ الٰہی کے منکرین کو بھی دوزخ کی صورت میں دوامِ حیات ہوگا۔ لیکن وہ زندگی موت سے بدتر ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کلامِ الٰہی کا اثر دوامِ حیات ہے کیونکہ اللہ کا کلام اب بھی ہے اور اس کا اثر بھی حیاتِ انسان کو ابدی بناتا ہے۔ جو مومنین اور کفار دونوں کے حق میں بشکل دوام جنت اور دوام دوزخ موجود ہے۔ تو کلامِ الٰہی کا اصل اثر دوامِ حیات رہا۔ لیکن دوامِ حیات کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) دوامِ باآرام وراحت (۲) دوامِ بادردوالم

یعنی ایک دکھ کا دوام اور دوسرا سکھ کا دوام یہ فرق انسانی استعداد اور طرزِ عمل نے پیدا کیا ہے کہ سکھ والوں نے ایمانی استعداد کے ساتھ کلامِ الٰہی کے ساتھ ربط پیدا کیا اور کفار نے مخالفت واستعدادِ انکار کے ساتھ قائم کیا۔ اس لیے دوام کی نوعیت میں فرق آیا۔

جس کی مثال یہ ہے کہ سورج کے شعلوں کا اثر چیز کو سفید کرتا ہے۔ لیکن جب دھوبی گھاٹ میں کپڑے دھوتا ہے اور سورج کی روشنی پڑتی ہے تو اس سے کپڑے تو سفید ہوجاتے ہیں لیکن خود دھوبی کا بدن سیاہ اور کالا ہوجاتا ہے۔ حالانکہ سورج کا ربط دونوں سے ایک جیسا ہے۔ یہ تفاوت یعنی تبدیلی دھوبی کے بدن اور کپڑے کے استعداد کے فرق کی وجہ

سے ہوئی یہی صورت اہلِ ایمان اوراہلِ کفر کی ہے۔قرآن نے بھی اسی مضمون کو یوں بیان کیا ہے۔

وننزل من القرآن ماهو شفاء و رحمته للمئومنين ولا ويزيد الظلمين الاخسارا.

ہم قرآن کو اتارتے ہیں تمام کمزوریوں کو دور کرنے اورقوت ورحمت کا سامان کرنے کے لیے۔لیکن کفار کے مخالف عمل سے اور معاندانہ ظلم کی وجہ سے یہ قرآن ان کے لیے نقصان کا سامان بن جاتا ہے۔

درس۔ ۵

۱۰۔۱۱۔۱۹۶۳

انسان کی فطرتیں، خواہشیہ اور دفاعیہ

ضرورت القرآن کے سلسلہ میں دلیلِ قانونی کا بیان ہوگا۔ انسان میں فطرۃً دو قوتیں ہیں۔

(۱) شہویہ یعنی خواہشیہ۔ (۲) غضبیہ یعنی دفاعیہ۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو قوتِ شہویہ تو فوائد حاصل کرنے کے لیے دی ہے اور غضبیہ اس لیے کہ اگر کوئی دوسری قوت ان کے ساتھ ان فوائد کے حصول میں رکاوٹ بنے یا مقابلہ کرے تو قوتِ غضبیہ کے ذریعے یہ مدافعت کر کے اس کا مقابلہ کرے۔

انسانی فوائد کے چند کلیات ہیں۔ ماءکول، مشروب، مبلوس، مسکن اور بلوغت کے بعد منکوح، یہی تمام انسانوں کے محبوب مقاصد ہیں۔ یہ سب جسمانی مقاصد ہیں۔ دو اور فوائد بھی ہیں۔

۱۔ دین۔ ۲۔ جاہ یعنی وہ عزت اور دین کی طلب بھی کرتا ہے۔ اور اگر کوئی ان کے حاصل کرنے میں رکاوٹ بنے تو انسان قوتِ غضبیہ کے ذریعے اس کا مقابلہ کرتا ہے۔

جب یہ سب چیزیں دنیا میں تمام انسانوں کے مقاصد ہیں۔ تو ہر ایک ان کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور ان کے حصول کی راہ میں جو بھی رکاوٹ بنے گا تو وہ اس کے ساتھ مزاحمت و مقابلہ کرے گا۔ جن کی وجہ سے ان کاموں میں انسان کے آپس میں جھگڑے اور تنازعے پیدا ہوں گے اور دیوانی اور فوجداری مقدمات برپا ہوں گے جو ہر ملک اور ہر قوم

میں ہمیں صاف نظر آرہے ہیں۔ اس لیے ان سات حقوق کی حفاظت کے لیے قانونِ عادلانہ کی ضرورت فطرۃً ضروری ہے۔ تاکہ انصاف قائم ہو اور جھگڑے ختم ہوں۔ اب بات یہ ہے کہ وہ قانون کس کا ہو۔ انسان کا یا خدا کا؟ تو یہ صاف ظاہر ہے کہ اس قانونِ عادلانہ بنانے والے کے لیے مندرجہ ذیل چار اوصاف کا ہونا ضروری ہے۔

(۱) علمِ محیط (۲) رحمتِ کاملہ (۳) قدرتِ تامہ (۴) غیر جانبداری۔

علمِ محیط اس لیے ضروری ہے کہ انسانی حقوق کے ہر پہلو کا علم رکھتا ہو اور انسانی فوائد و حقوق کے متعلق اس کو انسان کے تمام ادوارِ حیات پر نظر ہو یعنی دنیا قبر آخرت تاکہ اس کا عادلانہ فیصلہ انسانی زندگی کے ان تمام منزلوں میں درست ہو۔ ایسا نہ ہو کہ ایک دورِ حیات کے لیے تو درست ہو اور دوسرے دور کے لیے غلط ہو اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ یہ فیصلہ انسان کے انفرادی نتائج کے لحاظ سے بھی اور اجتماعی نتائج کے لحاظ سے بھی درست ہو اور ظاہری نتائج کے لحاظ سے بھی۔ اور گہرے اور عمیق نتائج کے لحاظ سے بھی درست ہو مثلاً اگر انسان سود کے جواز اور رضا مندی کے ساتھ زنا اور لواطت کے جواز قانون بنائے جیسے یورپی قانون ہے تو اس میں شخصی آزادی کے خوشنما جذبے کا لحاظ رکھا گیا۔ لیکن ان سب میں سوسائٹی اور معاشرے کے اجتماعی نقصان۔ اسی طرح سود کے گہرے نتائج یعنی حرص و لالچ میں اضافہ۔ انسانی ہمدردی کے فقدان اور زنا اور لواطت سے صحت جسمانی اور عملی قوتوں کی کمزوری کے نقصانات کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ نیز قبر و آخرت میں جو ان پر عذاب ہوگا کو بھی پسِ پشت ڈالا گیا ہے۔

۲۔ رحمتِ کاملہ اس لیے ضروری ہے کہ قانونِ عادلانہ کی تدوین کے وقت غفلت نہ برتی جائے اور جان بوجھ کر قانون میں ایسے اجزاء شامل نہ کردے جو انصاف کے خلاف

ہوں۔

۳۔ قدرتِ کاملہ اس لیے ضروری ہے کہ کسی دباؤ میں آ کر راہِ عدل سے انحراف نہ کردے یا مجرم کو سزا دینے میں کمزوری نہ دکھائے۔

۴۔غیر جانبداری۔ یعنی قانون بنانے والے کے لیے غیر جانبدار ہونا اس لیے ضروری ہے کہ وہ ہم قوم، ہم وطن، ہم رنگ اور ہم زبان لوگوں کی طرف داری نہ کرے۔اور قانون سازی میں ان کی رعایت کر کے اوروں کو نقصان نہ پہنچائے۔جیسے کہ یورپ والے آج کل ایسا کرتے ہیں۔ یہ چاروں صفات جو قانونِ عادلانہ کی تشکیل کے لیے ضروری ہیں۔ وہ صرف اللہ تعالیٰ میں موجود ہیں نہ اس کے برابر کسی کا علم محیط ہے نہ اس کے برابر کسی کی رحمت اللہ ارحم بعبده من الام بولدها ۔ترجمہ۔ خدا کی رحمت اس سے زیادہ ہے۔ جو ماں کو اولاد پر ہے۔ نہ اس کے برابر کسی کی قدرت ہے کہ کسی سے دب کر قانون بنانے میں اس کی رعایت برتے یا مجرم کو سزا دینے میں کسی سے ڈرے اور صرف خدا تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے جو غیر جانبدار ہے۔ نہ وہ کسی کے ساتھ قومیت اور وطن میں شریک ہے کہ ہم قوم و ہم وطن لوگوں کی رعایت کرے نہ کسی کا ہم رنگ و ہم زبان ہے۔ بلکہ وہ ایسی ذات ہے جو لم یلد ویولد لیس کمثله شئی نہ اس کی نسل ہے نہ کسی سے شرکت ہے۔اس لیے قانونِ عادلانہ جو انسان کا فطری حق ہے وہ صرف اسی ذاتِ پاک سے مختص ہے ان الحکم الا للہ۔قانون بنانا صرف خالقِ کائنات کا حق ہے۔

اور وہی قانونِ خداوندی قرآن پاک کا نام ہے۔لہذا قرآن کی ضرورت نوع انسانی کے لیے ثابت ہوئی۔ بہر حال انسانی حقوق کے متعلق قانونِ خداوندی کے سوا کسی انسانی قانون کی حکمرانی جاہلیت کی حکمرانی ہے۔

افحکم الجاهلیته یبغون و من احسن من الله حکما لقوم یوقنون.

کیا لوگ انسان) کا جاہلانہ قانون طلب کرتے ہیں۔ اللہ سے بہتر قانون کس کا ہے اس قوم کے لیے جو حقیقت پر یقین کرتی ہو۔

غیر حق چوں ناہی و آمر شود
زور بر ناتواں قاہر شود
زیر گردوں قاہری از آمری است
آمری از ماسوی اللہ کافری است

درس۔۶

۲۲۔۱۱۔۱۹۶۳

صداقت القرآن

اس سے پہلے دو ایک دلائل قرآنِ پاک کی ضرورت پر بیان ہوئے ہیں۔ صرف انہی پر اکتفاء کرتے ہیں۔ ویسے تو ہزاروں دلائل ہیں اور کلامِ الٰہی کی ضرورت اس سے زیادہ ہے جتنی کہ ہمیں سانس لینے کے لیے ہوا کی اور کھانے کے لیے غذا کی اور پینے کے لیے پانی کی ضرورت ہے۔ تو انسان کو اپنی زندگی کے لیے قرآن کی زیادہ ضرورت ہے۔ آج صداقت القرآن بیان ہوگی۔ یہ قرآن شریف الحمد سے والناس تک کلامِ الٰہی ہے۔ یہ اللہ کا کلام ہے یا انسان کا؟ اہل اسلام کا تو یقین ہے اور ایمان ہے کہ اس کا ایک ایک حرف اللہ کا ہے جس کو اللہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر نازل فرمایا۔ دشمنانِ اسلام اس کا انکار کرتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام نہیں انسان کا ہے۔ تو دو رائے قائم ہوئیں۔ اللہ کا یا انسان کا۔ فیصلہ بہت آسان ہے۔ دلیل کی بھی ضرورت نہیں۔ مگر افسوس یہ کہ ذوق ختم ہو چکا ہے۔ سمندر کے پانی کے لیے کھاری ہونے کی دلیل کی ضرورت نہیں یہ صرف ذوق کا محتاج ہے۔ محض چکھنے سے پتہ چل جاتا ہے اسی طرح انسان اور کلامِ الٰہی کا فرق ایسے ہے جیسے میٹھے اور کھارے دریا کا پانی جس کے دل میں ذوق ہو۔ نور اور روشنی ہو تو وہ فوراً کہہ دیتا ہے کہ یہ انسان کا نہیں اللہ کا کلام ہے نزولِ قرآن کے وقت جو اہل عرب اور صحابہ کرامؓ اس کے مخاطب تھے ان کے دل میں ذوق تھا۔ انہوں نے کوئی دلیل نہ پوچھی سن کر اسے کلامِ الٰہی تسلیم کیا اب ذوقی معاملہ کو دلیلی بنایا جا رہا ہے کھلی اور پہلی دلیل اس کی اعجازی بلاغت ہے

جس کا اس نے ڈنکے کی چوٹ پر بار بار دعویٰ کیا۔ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتو بسورۃ من مثله ۔دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے۔قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتو بمثل هذا القرآن۔

یہ فیصلہ اس انداز میں ہوسکتا ہے۔کلام ہوتی ہے زبان کا قول اور فعل ہوتا ہے کرنے کا کام۔دنیا میں بہت سی کتابیں انسانوں کی ہیں اور ایک کتاب اللہ رب العزت کی بھی ہے۔وہ قرآن پاک۔کروڑوں کتابیں ہیں۔جن سے ہزاروں لائبریریاں بھری پڑی ہیں۔جس قاعدے سے انسانی اور الٰہی فعل کا فرق معلوم ہوگا اسی کلام کا بھی فرق معلوم ہوگا۔کچھ چیزیں دنیا میں انسانوں کی بنائی ہوئی ہیں اور کچھ اللہ تعالیٰ کی جیسے سورج اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا ہے اور موٹر انسان کی بنائی ہوئی ہے۔جو ایک انسان کا کام ہو وہ دوسرا انسان کرسکتا ہے اور جو اللہ کا کام ہے وہ انسان نہیں کرسکتا۔اس لیے موٹر وغیرہ بنانے کے کارخانے ہزاروں ہیں۔لیکن سورج بنانے کا کہیں نہیں۔زمین اللہ کی بنائی ہوئی ہے۔نہ روس نہ امریکہ کوئی بھی نہیں بناسکا۔اسی طرح چاند ستارے سورج وغیرہ قول کا فیصلہ بعینہٖ فعل کی طرح ہے۔قرآن اللہ تعالیٰ کا،باقی کتب انسان کی جو خدا بنائے وہ انسان نہیں بناسکتا اور جو انسان بنائے ویسی دوسرے انسان بناسکتے ہیں۔پہلے نمونے کے طور پر کوئی چیز ہو تو اس کی دیکھا دیکھی سینکڑوں چیزیں بن سکتی ہیں۔اس قاعدے کے تحت ہم یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ سورج اور قرآن اللہ کا ہے انسان نہیں بناسکتے۔مزید تفصیل کے لیے یہ معجزہ ایسا ہے جو اب تک ہمارے پاس ہے۔باقی معجزے پیغمبروں کے جو ان کے ساتھ چلے گئے۔شق القمر، درختوں کا چلنا،مٹھی بھر مٹی سے دشمنوں پر غالب آنا باقی سب معجزے وقتی تھے جو پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ چلے گئے مگر قرآن پاک یہ ایک معجزہ ہے جو ہمیشہ رہے گا،اس لیے کہ اب پھر کوئی نبی نہیں آئے گا۔کسی کام کے لیے چند چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔یہ چار چیزیں

مہیا ہو جائیں تو کام ہو سکتا ہے۔(۱) مادہ جس سے وہ چیز بنے مثلاً میز کے لکڑی، کمہار کے لیے مٹی گارا ضروری ہے اور لوہار کے لیے لوہا وغیرہ ضروری ہے۔(۲) مہارتِ فن سے ماہر ہو۔ اگر لوہا ہو تو مگر فن میں مہارت نہیں تو چیز نہیں بنا سکتا۔(۳) نمونہ، پہلے ایک چیز بنی ہوئی دکھا کر بنوائی جا سکتی ہے۔(۴) محرک اور باعث جیسے لوہار کو پیسے کی ضرورت ہے تو ان چار چیزوں کے ہونے کے باوجود بھی نہیں بنا سکتا تو سمجھو عاجز ہے کہ کر ہی نہیں سکتا۔ قرآنِ پاک جس زبان میں نازل ہوا اور دشمنوں کو چیلنج کیا کہ ۱۱۴ سورتوں کی لمبی کتاب ہے ہم یہ نہیں چاہتے کہ اتنی لمبی کتاب بناؤ لیکن صرف ایک چھوٹی سی سورۃ کوثر یا قل ھو اللہ احد ایسی کوئی سورۃ بناؤ تو ہمارا یہ دعویٰ کہ یہ اللہ کا کلام ہے ختم ہو جائے گا۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا یہ دعویٰ کہ میں اللہ کا نبی ہوں۔ یہ بھی ختم ہو جائے گا۔ صرف ایک سطر کی عبارت بنا لو اور ہمارے نہیں بلکہ تمہارے ہی آدمی یہ کہہ دیں کہ اسی کی طرح کا کلام ہے۔ یہ فیصلہ تمہارے آدمی پر ٹھہرا۔ جن لوگوں کو چیلنج کیا وہ بڑے فصیح و بلیغ آدمی تھے۔ اور عرب کے تھے جن کی مادری زبان عربی تھی۔ چاروں اسباب موجود تھے۔ عربی زبان کے ۲۸ یا ۲۹ حروف سب موجود تھے۔ یہ مصالحہ تھا۔ اب ت سے ی تک یہ قرآن کا مصالحہ ہے۔ عربی کے علاوہ دوسری زبانوں کے حروف کی تعداد زیادہ ہے۔ اس کے حروف لطیف اور شیریں ہیں جو نہ بولنے کو زبان پر گراں نہ کان کو ناگوار عربی کی طرح اور کوئی زبان شیریں نہیں۔ بعض تو ایسی ہیں جیسے گھڑے میں پتھر ڈال کا ہلایا جائے۔ عربی زبان میں زبان کو لطیف اور سننے میں کانوں کو لطیف، کیونکہ اس زبان میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کو اتارنا تھا۔ انہیں ۲۸ حروف میں قرآن بنا۔ یہ حروف مصالحہ ہیں۔ مصالحہ کے بعد مہارت موجود، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم امی تھے۔ قرآن یعنی کسی انسان کے سامنے زانوءِ ادب تہ نہ فرمائے تھے۔ اور فصاحت و بلاغت میں اور شعر شاعری میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا کوئی چرچا نہیں

تھا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وما علمناه الشعر وما ینبغی له ہم نے آپ ﷺ کو شعر وشاعری نہیں سکھائی اور نہ آپ ﷺ کے لیے شایان وموزوں تھی۔ عرب کے فصحاء و بلغاء لوگ اپنا کلام خانہ کعبہ میں لٹکا دیتے تھے۔

(سبعہ معلقہ) حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے زمانے میں ان فصیح و بلیغ لوگوں میں سے دونا مور فصیح و بلیغ شاعر موجود تھے۔(۱) لبید (۲) امیہ بن ابی الصلت ۔چونکہ اس زمانے میں مکہ شریف کی گلی گلی چرچا تھا کہ نبی آخر زماں صلی اللہ علیہ والہ وسلم پیدا ہونے والے ہیں۔ ان دونوں کو لالچ تھی کہ ہم ہو جاویں۔ عرب کو اپنی فصاحت وبلاغت پر ناز تھا اس لیے باقی ساری دنیا کو گونگا سمجھتے تھے۔ یعنی عجمی، نمونہ قرآن پاک کی تلاوت کر کے نمونہ بھی بتا دیا۔ حروف موجود، شعر شاعری کی مہارت موجود، نمونہ بھی ہاتھ میں۔ چوتھی چیز محرک اور باعث بھی موجود قرآن شریف نے آسمانی کتاب ہونے کا اعلان کیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی پیغمبری کا بھی دعویٰ کیا۔ پوری دنیا قرآن اور پیغمبری کے خلاف تھی۔ ساری دنیا ان کے خلاف سب ملکر بنائیں ایک سطر ہی بنائیں۔ آج نہیں کل نہیں دس سال میں نہیں پندرہ سال میں نہیں پچاس سال کیا رہتی دنیا تک یہ دعویٰ قائم ہے۔ جب بھی کوئی چاہیے سامنے آئے۔ پوری جماعت کے بنانے سے اگر ایک سطر بھی ویسی بن جائے تو ہمارے دونوں ختم۔ لیکن وہ لوگ چودھویں صدی کے لوگوں کی طرح جن سے انگریز نے حیاء وشرم ختم کر دیا ہے۔ بے حیا نہ تھے۔ وہ کہتے تھے کہ شکست کی صورت صرف یہی تھی کہ ایک سطر اس طرح کی بنائی جائے۔ ان میں شرافت تھی چنانچہ انہوں نے خفیہ کانفرنسیں کیں اور فیصلہ کیا جہاں تک الفاظ کا تعلق ہے ماهذ اقول البشر یہ انسانی کلام نہیں اور ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔ اس میدان کو چھوڑ کر انہوں نے زیادہ سخت دشوار اور مشکل میدان یعنی جنگ کرنے کی ٹھان لی۔ جنگِ بدر، جنگ احد وغیرہ جیسی

مشکل چیز کو اختیار کیا۔ فطرت کے لحاظ سے سمجھدار تھے کہ آسان صورت کا دروازہ بند ہے اور مشکل جنگ و جدال کا طولانی اور خطرناک سلسلہ اختیار کیا۔ شام و عراق اور اردن میں لاکھوں یہودی ہیں جن کی زبان عربی ہے۔ ان کو بھی دعویٰ ہے۔ اہلِ زبان ہونے اور فصیح و بلیغ ہونے کا لیکن ایک سطر نہ بنا سکے۔ عیسائی مشن پر لاکھوں روپے صرف کر رہے ہیں۔ اسی کروڑ عیسائی مل جائیں اور تین سطریں بنا دیں۔ یہ تو دعویٰ ہے کہ راکٹ چاند پر بھیجے گئے لیکن ایک سطر نہ بن سکی۔ اس لیے صاف ظاہر ہے اور ثابت ہے کہ یہ کلام انسانی نہیں اللہ کا کلام ہے۔ سورج کی طرح ہے نہ کہ موٹر کی طرح اللہ کے کلام اور کام کو کوئی نہیں کر سکتا۔ وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا۔ قل الئن اجتمعت الانس و الجن یہ ان کی فصاحت و بلاغت اور غیرت کو چیلنج تھا۔ مگر ایک سطر نہ بن سکی۔ یہ کھلی دلیل ہے کہ سورج بھی اللہ کا اور قرآن بھی اللہ کا ہے۔ (چند شبہات ہوتے ہیں ان کا ازالہ) عیسائیوں نے دو جواب دیئے ہیں۔ جب پادریوں نے دیکھا کہ اس معجزے سے سب عیسائی مسلمان ہو جائیں گے تو دو جواب گھڑے۔ (۱) عرب کے فصیح و بلیغ لوگ شاید بنا سکتے۔ لیکن انہوں نے جواب نہ دینا چاہا ہو کیونکہ چاہنے کے لیے باعث چاہیے جیسے پانی نہیں پینا چاہتا جب پیاس نہ ہو۔ دیکھو قرآن اور صاحبِ قرآن دونوں ان کے دشمن ان کو شکست دینا ان کا فرضِ اولین تھا۔ آسان طریقہ ایک سطر بنانا، مشکل طریقہ جنگ و جدال کرنا اتنا بڑا باعث موجود ہو اور نہ بنائیں۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک آدمی ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گیا ہو پیاس سے، عیسائیوں کے قول کے مطابق وہ مرا اس لیے کہ وہ پانی نہیں پینا چاہتا تھا جنگیں جاری ہوں مال صرف ہو رہے ہوں۔ کھوپڑیاں اُڑ رہی ہوں۔ لیکن جواب دینا نہیں چاہا۔ پانی تو تھا لیکن چاہتا نہیں تھا میدان میں بھوکا مر جائے لیکن دوسرا کہے کھانا نہیں چاہا۔ ہوائی جہاز اور دیگر سائنسی مصنوعات بنائیں مگر قرآن شریف کی سطر نہ بنا سکے۔ (۲) دوسرا جواب

عیسائیوں نے یہ دیا کہ ممکن ہے انہوں نے بنایا ہو لیکن ہم تک نہ پہنچا۔ چودہ سو سال کی بات ہے قرآن کے نزول کے وقت ہم تم وہاں نہیں تھے دیکھو قرآن کے دوستوں کی تعداد بہت کم تھی اور رہی دشمنانِ اسلام وقرآن وہ بہت زیادہ تھے تھوڑی تعداد والوں نے قرآن تو پہنچا دیا اور زیادہ تعداد والوں نے جواب نہیں پہنچایا یہ کیسے ممکن ہے۔ آریہ سماج بھی بڑے دشمن تھے۔ وہ کہتے ہیں عیسائیوں کا جواب بہت ڈھیلا ہے وہ کہتے ہیں ستسارتھ پرکاش نے کہا کہ اکبر بادشاہ کے زمانے میں فیضی نے بے نقط قرآن بنایا۔ اس بیوقوف کو معلوم نہیں کہ فیضی نے تفسیر بے نقط لکھی ہے۔ ان کی جہالت کی یہ حد ہے کہ قرآن اور تفسیر میں فرق نہ کر سکے۔ تفسیر حدائق ذات بھجہ بھی پانچ لاکھ صفحوں پر مشتمل ہے۔ ایک ہزار صفحہ کی صرف بسم اللہ کی تفسیر ہے کشف الظنون نے ذکر کیا ہے کہ ۲۵ جلدیں پچیس ہزار صفحے صرف الحمد شریف کی تفسیر میں لکھے ہیں۔ تفسیریں بھی خود ایک معجزہ ہیں کسی کو کہنا چاہیے کہ پانچ لاکھ صفحے کا خط لکھے ممکن نہیں۔ کسی نے خوب کہا کہ عیسیٰؑ کے پیروٗں کو ہنر دیا گیا۔ اور مسلمانوں کو علم دیا گیا۔ ح، د، ل، م، و، ہ وغیرہ یہ بے نقط لفظ ہیں اور بے نقط لفظ مہملہ کہلاتے ہیں اور نصف کے قریب نقطے والے حروف ہیں۔ جیسے ج، ش، غ، ق، ف وغیرہ فیضی نے عربی زبان کی ہمہ گیری اور وسعت کو ظاہر کر کے عبارت فصاحت وبلاغت سے پُر اور مطلب بھی پورا۔ لیکن اس نے صرف بے نقط حروف استعمال کئے ہیں نصف یا نصف سے زیادہ حروف کاٹ دیئے اور اڑھائی سال میں پوری کی نام رکھا۔ سواطع الالہام وحی کی روشنیاں نام بھی بے نقط رکھا۔ لکھنے والے فیضی ہیں کہنے والے پنڈت ہیں جن کو ایک لفظ بھی نہیں آتا۔ فیضی نے شروع میں تمہیداً قرآن پاک کی بڑی تعریف لکھی ہے اور یہ ایک عجیب اور قابلِ قدر کارنامہ ضرور ہے لیکن اس نے دعویٰ نہیں کیا کہ تفسیر جواب ہے قرآن کا۔ وہ کہتا ہے۔ لاحد لمحامده۔ ولا حد لمکارمه اس کی فضیلتیں اور خوبیاں بے گنت ہیں۔ اسی کروڑ

عیسائیوں کے پاس اور تیس کروڑ ہندوؤں کے پاس جواب نہیں۔ایک ہندو نے چیلنج کیا کہ میں نے قرآن کی آیتیں بنالی ہیں۔ مجھے مناظرہ کے لیے بھیجا گیا۔ میں حیران تھا کہ ایک ہندو پنڈت کیا آیت بنائے گا خیر میں نے کہا سناؤ اس نے سنائی۔ الرحمن ماالرحمن وما ادرک ما الرحمن انه ،سلطان حضرت جیؒ نے فرمایا میں نے کہا ایک دم کی کسر رہ گئی ہے (کہ یہ ہے لالہ جی کی دکان) بس بیچارہ شکست تسلیم کر کے چپ ہو گیا۔

دوسری دلیل۔ اللہ کا کلام اللہ کے ہاں سے آیا ہے۔انسان کا بدن زمین سے ہے۔ روح آسمان سے ہے قرآن بھی آسمان سے ہے قرآن اگر انسانی ہو تو زمین کا ہوا۔اگر آسمانی ہے تو اس کو روح سے مناسبت ہوگی۔ اگر زمینی ہو تو روح کو اس سے مناسبت نہ ہوگی۔غذا کی مناسبت جسم سے ہوتی ہے جیسے بھینس کو گھاس سے اور شیر کو گوشت سے۔اگر قرآن آسمانی ہے تو روح کو اس سے مناسبت ہوگی ورنہ نہیں۔قرآن کے تیس پارے سوائے عرب کے لوگوں کے، سب کے لیے اجنبی زبان میں ہیں۔ مادری زبان صرف عربوں کی ہے۔یقینی بات ہے کہ غذا کی بڑی پہچان ہے کہ مناسبت ہو اور یہ کہ غذا کھانے والا خود بھی غذا کی طرف رغبت رکھتا ہو۔ آرڈر یا جبر کی ضرورت نہیں۔بس جس کی غذا ہو وہ اس کی طرف مائل ہو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اجنبی زبان کی کوئی دوسری کتاب ۱۴سو سال کی کسی کو حفظ ہے؟ عبرانی و سریانی، جرمنی یا فرانسیسی کتاب ہو۔ جو کسی کو حفظ ہو؟ ایک آدمی نہیں ملتا۔ قرآن کے حافظ ہر گاؤں ہر شہر میں ایسی کثرت سے ملتے ہیں کہ شمار نہیں ہو سکتے۔ حالانکہ حکومت نے کوئی اعلان نہیں کیا کہ جو حفظ کرے گا اسے سو روپیہ ملے گا۔ بلکہ ملا کے نام سے دینی طبقے کا مذاق اُڑایا جاتا ہے۔ انجیل و تورات کا کوئی محافظ نہیں ہے۔اس سے روٹی کا تعلق نہیں ہے چار چار سال کے بچے حافظ گذریں ہیں اور حکومت یا قوم کی طرف سے کوئی

کشش نہیں ہے۔ حفظ کرنا روح کا کام ہے اگر یہ روح کی غذا نہ ہوتی اگر روح اور قرآن ایک ہی سرچشمہ سے آئے ہوئے نہ ہوتے تو روح کیوں جھکتی۔ چونکہ ایک ہی جگہ سے دونوں آئے ہیں اس لیے ہزاروں حافظ موجود ہیں۔ ہر مسجد میں رمضان المبارک میں کم از کم دو دو حافظ ایک پڑھنے والا اور ایک سُننے والا سامع موجود ہوتے ہیں۔ اس میں یہ کشش ہے کہ چھوڑتا نہیں۔ بار بار پڑھنے سے انسان اکتاتا نہیں۔

حضرت شاہ اسماعیلؒ شہید دہلی کی جامع مسجد میں عصر کی نماز پڑھ کر شام تک قرآن مجید کا ختم کر دیتے تھے۔ یہ کرامت ہے یا معجزہ ہے قرآن کا قسطلانی شرح بخاری میں لکھتے ہیں کہ بیت المقدس میں ایک ایسا آدمی دیکھا جو ایک دن میں ۱۴ ختم کرتا تھا۔ معجزہ ہے پانچ لاکھ صفحوں کی تفسیر حدائق ذات بھجہ لکھی گئی۔ یہاں انگریز نے ہمیں بے حیا کر دیا ہے کہ کوئی دعویٰ کرے خدائی کا یا نبی کا تو اس کو گدھے مل جاتے ہیں۔ حدائق ذات بھجہ کے آخیر میں ایک شعر تحریر کیا ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ قرآن ایک بے کراں سمندر تھا اس میں میں کود پڑا جو موتی ملے تھوڑے تھے اور جو باقی تھے وہ بہت زیادہ تھے۔

درس۔۷

۲۴۔۱۰۔۱۹۶۳

قرآن پاک کے منزل من اللہ ہونے کے دلائل

قرآن پاک کے منزل من اللہ یا منجانب اللہ ہونے کے دو دلائل بیان کیئے جاچکے ہیں۔

(۱) دلیل اعجازی (۲) دلیل غذائی آج (۳) دلیل جس کو دلیل کیفی کہتے ہیں اس بات کا یقین دلانے کے لیے کہ واقعی قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ ایک متواتر چیز کو پیش کیا جاتا ہے جو قرآن کے دوستوں یعنی ماننے والوں اور نہ ماننے والے دشمنوں کے سامنے ان کی موجودگی میں ظہور میں آئی اور وہ ایک حقیقت ہے جس کی صداقت کا کبھی منکرین قرآن میں سے کسی ایک نے بھی انکار نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کے سوا کسی میں وہ حقیقت نہیں پائی جاتی۔ اس کے متعلق قرآن میں خود بھی اشارہ ہے **انا سنلقی علیک قولاً ثقیلاً** عنقریب ہم تم پر ایک وزن دار اور ثقیل کلام اتاریں گے جو نزول کے وقت وزن دار ہے۔ اس سلسلے میں تین واقعات نقل کرتے ہیں۔ نمبر ا۔ بخاری شریف اور مسلم شریف میں حضرت زیدؓ بن ثابت سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم مجلس یا مجمع میں میرے قریب تشریف فرماتھے۔ بعض روایات میں آیا ہے حضور پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا سر مبارک اور بعض میں ہاتھ مبارک ہے کہ میری ران پر تھا عام حالت تھی کہ اچانک وحی نازل ہوئی یعنی قرآن پاک کا نزول ہوا۔ حضرت زیدؓ فرماتے ہیں کہ قریب تھا کہ میری ران چور چور ہو جاتی اس قدر بوجھ تھا۔

نمبر۲۔ حاکم نے مستدرک میں اس آیت شریف کی تفسیر میں لکھا ہے چونکہ وحی نازل ہونے سے پہلے کوئی اطلاع تو ملتی نہیں تھی کہ اس کے لیے تیار ہو جائے۔ اچانک جبرائیل علیہ السلام آتے اور قرآن پاک نازل ہونے لگتا مجمع عام تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اونٹنی پر سوار تھے کہ اچانک نزولِ قرآن ہوا۔ اچانک نزول ہونے کے ساتھ اونٹنی دب کر بیٹھ گئی۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اترے اور پھر اونٹنی پر سوار ہوئے۔ یہ کفار کے سامنے ان کی موجودگی میں واقعہ ہوا۔

نمبر۳۔ بخاری شریف میں حضرت بی بی ام المومنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر سخت سردی کے موسم میں جب لوگ رضائیاں اور لحاف اوڑھتے ہیں۔ جب قرآن کا نزول ہوتا تھا۔ بدن کے ایک ایک جزو سے پسینہ کی دھاریں بہہ نکلتی تھیں جس طرح خون کی دھاریں بہتی ہیں۔ اس طرح پسینہ مبارک بہتا تھا۔ اونٹنی کا بوجھ سے دب کر بیٹھ جانا۔ حضرت زیدؓ کی ران کا حضور کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سر مبارک یا ہاتھ مبارک کے بوجھ سے ٹوٹنے لگنا۔ اور سخت سردی میں پسینہ جاری ہونا یہ تمام (قول ثقیل) کا ثبوت ہیں۔ جس زمانے میں یہ واقعات پیش آئے کسی منکر قرآن نے ان کی تصدیق یا صحت سے انکار نہیں کیا۔ ایسا کوئی واقعہ ہے کہ کسی شخص نے اپنے اندر اتنا بوجھ بند کر دیا ہو جس سے دب کر اونٹنی بیٹھ گئی ہو۔ یا سخت سردیوں میں پسینہ آنے لگتا ہو۔ یہ امر واقعہ تھا اور ہرگز اس میں کسی قسم کی بناوٹ کا دخل نہیں ہے یہ محض اللہ تعالیٰ کے کلام کی خاصیت ہے۔

چوتھی دلیل تاثیری ہے۔ قرآن پاک کے مخالف زیادہ سے زیادہ یہ کہتے کہ خود گھڑ لیا ہے۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ساری عمر شعر و شاعری کا شغل نہیں رکھا اور اس

کلام سے ان لوگوں کو جنہوں نے شہرہ آفاق حاصل کیا تھا عاجز کر دیا۔ کلامِ الٰہی کا ایک خاص اثر ہے صاحبِ قرآن پر بھی قرآنِ پاک کا اثر ہے۔ عام طور پر شاعر یا مصنف پر اپنے اشعار یا نثر تصنیف کردہ کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اللہ والی چیز اللہ والا اثر رکھتی ہے۔ ترمذی شریف میں ہے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم رات کو تہجد کے وقت جب سواء اللہ کے اور کوئی نہیں دیکھ رہا ہوتا۔ شب کے آخری حصہ میں آپ ﷺ اپنے حجرہ مبارک میں تہجد کے لیے کھڑے ہوئے (مشرف) کی روایت ہے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم حجرہ مبارک میں تنہا تھے ان کے سینہ مبارک پر خزینہ دیگچی کے ابال کی طرح جوش مار رہا تھا۔ سینہ سے یہ آواز حضور کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے قلب مبارک پر قرآن پاک کے اثر سے پیدا ہوئی تھی۔ مجمع عام میں عبداللہؓ بن مسعود کو فرمایا کہ مجھے قرآن سناؤ آپؓ نے نہایت ادب سے عرض کی کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم اترا آپؐ پر ہے اور میں سناؤں۔ اقــرا عــلیک وعـلیک انـزل ۔نہایت حیاء ادب سے گذارش کی کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا میں دوسرے کی زبان سے سننا چاہتا ہوں چنانچہ انہوں نے پڑھنا شروع کیا اور ان کی توجہ حضور کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے چہرہ مبارک کی طرف نہ تھی جب وہ اس آیت مبارک پر پہنچے وجـئـنـا بک عـلیٰ ھئو لا شھیدا ۔ چونکہ تمام امتوں کا فیصلہ سب سے بڑی عدالت میں دوامی عذاب یا چھٹکارا ہے کا ہونا تھا تو یہ اہم سوال تھا اس آیت پر حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی نگاہ رخ انور پر پڑی تو حضور کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا چہرہ مبارک آنسوؤں سے تر تھا۔ یہ ہے اثر اس کلامِ پاک کا۔ عملی اثر حضرت ام المومنین بی بی عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم رات بھر عبادت کرتے اور تلاوتِ قرآن پاک فرماتے یہاں تک کہ پاؤں مبارک سوج جاتے رات کی عبادت ایسی ہے کہ کوئی دیکھنے والا نہیں۔ ایک آپؐ ہیں اور ایک اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔ اور اکثر بھوک

کی حالت میں ہوتے۔ حضرت بی بی عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں میں نے عرض کی کہ آپ ﷺ تو مغفور ہیں پھر اتنی کثرت سے عبادت کیوں؟ **لیغفر لک اللہ ماتقدم من ذنبک و ماتاخر** اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا جب اتنا مجھ پر انعام و احسان ہے تو کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ **افلا اکون عبداً شکوراً**۔ یہ اثرات ہیں قرآن کریم کے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر کوئی انسانی کلام متکلم پر یہ اثرات نہیں کر سکتا۔ کوئی شاعر یا نثر والا کبھی نہیں دیکھا سُنا کہ اس پر اپنے کلام کا ایسا اثر ہو تو دوسروں پر کیا اثرات ہوں گے۔ دنیا کی ہزاروں لائبریریوں میں کروڑوں کتابیں ہیں۔ لندن، امریکہ، ماسکو وغیرہ کی لائبریریوں میں کروڑوں کتابیں ہیں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کوئی نیک آدمی بھی ہے۔ کتابوں کا کام یا فائدہ تو یہ ہے کہ انسان کو نیک بنائے اور بُرے کاموں سے باز رکھے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ زمین پر شیطان پھر رہے ہیں۔ خداوند کریم سے باغی ہیں۔ امن کا نفرنسیں واقوام متحدہ وغیرہ سب ہیں لیکن بدامنی موجود ہے۔ بدامنی مہلک ہتھیاروں سے ہوئی ہے۔ اٹیم بم ہیڈروجن بم وغیرہ سے ہوئی ہے۔ یہ ہتھیار کون استعمال کرتا ہے فوج کے ہاتھوں فوج کو کون حکم دیتا ہے۔ وزیر جنگ یا صدر حکم دیتا ہے۔ زبان سے یا قلم سے لڑو۔ زبان اور قلم پر حاکم کون ہے ہتھیار تو ہاتھ سے استعمال ہوتے ہیں حکم دینے والی جان ہے جب جان نکل جائے تو کوئی حکم نہیں دے سکتا یا لکھ سکتا۔ جنگ وجدال کا اہتمام روح پر آتا ہے روح جب سدھر جائے تو امن ہے۔ چرچل اور ہٹلر کی روح بگڑی تو دیکھا کیا ہوا۔ رشوت ملاوٹ وغیرہ سب روح بگڑنے سے ہوتے ہیں۔ چور کی اور ڈاکو کی روح جب بگڑتی ہے تو چوری اور ڈاکا ڈالتے ہیں روح کی اصلاح لاکھوں کالج اور لائبریریوں اور کتابوں سے نہ ہوسکی۔ اس کتاب کریم نے کیا کیا؟ عرب میں نازل ہوئی یہ قوم ایسی بگڑی ہوئی تھی کہ نہ ان سے پہلے کوئی ایسی بگڑی تھی نہ ان سے بعد۔ شراب نوشی یا کوئی دوسرا گناہ جب ایک کرتا ساری کی

ساری قوم اس میں پڑ جاتی سوائے چند ہستیوں کے (خلفاء راشدینؓ اور چند دیگر صحابہ کرامؓ کے) بچہ پیدا ہوتا تو عرب میں پہلے اس کے منہ میں شراب ڈالتے تھے۔ یورپ اور امریکہ پیتے ہیں لیکن شراب کو مقدس نہیں سمجھتے۔ عرب پاک اور مقدس سمجھتے تھے اس لیے انگور کو کرم (شریف درخت) کہتے تھے کسی امیر کے مرنے پر شراب پلائی جاتی تھی اور پرانی سے پرانی شراب پلانا عظیم کارنامہ ہوتا تھا اور مٹکے کی آخری شراب اس کی قبر پر ڈالی جاتی تھی۔ دوسرا گناہ زنا۔ جن ملکوں میں زنا خلافِ تہذیب نہیں سمجھا جاتا ان ملکوں میں بھی لائسنس جاری ہوتے ہیں لیکن عرب میں کوئی لائسنس یا کسی قسم کی پابندی نہیں ہوتی تھی ہر پیشہ ور عورت اپنے گھر پر رنگدار جھنڈی گاڑ دیتی جس سے طالبان عیش کو پتہ چل جاتا پورا ملک عرب اس میں پھنسا پڑا تھا یورپ میں تو عورتیں زنا نہیں کرواتیں بلکہ خرید کر عورتیں زنا کے لیے بٹھائی جاتی ہیں۔ ڈاکہ اور جوا بھی پیشہ تھے پوری قوم مسلح ہو کر ڈاکہ ڈالتی تھی نہ تعلیم تھی کوئی نہ سکول نہ مدرسہ۔ اس عظیم الشان تاریکی کا پورا بگاڑ تصور کرو۔ اچانک قرآن پاک کے نور کا نزول ہوتا ہے۔ یہ قبل القرآن کی تاریخ ہے بعد القرآن کی تاریخ کا دشمنوں کو اقرار ہے۔ غیر مسلم مؤرخ لکھتے ہیں کہ قرآن نے درحقیقت اپنے ماننے والوں کو ایسا پاک کیا کہ ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ آسمان کے فرشتے اتر کر زمین پر پھر رہے ہیں۔ خلفاء اربعہؓ ور دیگر صحابہ کرامؓ عشرہ مبشرہؓ ایک لاکھ چوبیس ہزار کے قریب ایسے شاگرد اور پیروکار ہیں جن میں سے ایک ایک کی تاریخ لکھی گئی ہے۔ پوری دنیا ایک طرف ہو اور امانت اور دیانت ایک طرف کسی بات کے لیے امانت کو نہیں چھوڑتا۔ کسی اور کتاب نے ایسا اثر ڈالا؟ اب بھی جس انداز میں قرآن کو ماننے والوں میں خدا کا خوف موجود ہے دیگر قوموں میں نہیں۔ انجیل میں خنزیر کا گوشت حرام تھا پادریوں نے خود شروع کیا۔ پھر ساری قوم سور خور بن گئی۔ سب سے پہلے ان کے مذہبی پیشواؤں نے شروع کیا۔ مسلمانوں میں کوئی آدمی یا مولوی گدھے کا گوشت کھاتا

ہے؟ یا اسے حلال کہتا ہے؟ حالانکہ گدھا حرمت اور بُرائی کے لحاظ سے کس قدر کم ہے۔
صداقت بھی پادریوں کی نسبت مسلمانوں میں ہے۔ کوئی مولوی قرآن کی آیت نکال کر
دوسری ڈالنے کی حرکت کا مرتکب نہیں ہوگا۔ ایسا کہیں نہیں ملے گا۔ مگر یہودیوں نے یہ عام
طور پر کیا علماء اس گئے گذرے دوز میں بھی اللہ کا زیادہ خوف رکھتے ہیں بہ نسبت دوسری
قوموں کے۔ انگریزی تعلیم نے لوگوں کے اخلاق اور دینی عظمت کو کمزور کیا۔ تنخواہ کو مضبوط
سمجھا۔ جہاں مال آئے کسی چیز کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ اعلیٰ سے اعلیٰ عہدیدار سے لیکر چپڑاسی
تک کھاتا ہے مطلب اس کا ہے ڈیوٹی یا فرض کو چھوڑ دو خیانت کرو۔ انٹی کرپشن کا محکمہ قائم
ہے امانت میں خیانت رشوت لیکر ہوتی ہے ہمارا موذن اکثر اوقات صرف روٹی پر اذان
دینے کے لیے مقرر کیا جاتا ہے۔ یا معمولی صرف دس پندرہ روپے تنخواہ ہوتی ہے اگر اس کو کہا
جائے امانت میں خیانت کرے یعنی کبھی اذان میں حی علی الصلوۃ چھوڑ دے کوئی ایسا نہیں
ملے جو سو دو سو روپیہ لیکر یہ کرنے کو تیار ہو ہرگز ایسا نہیں کرے گا کسی امام سے کہو کہ قعدہ اولیٰ یا
ثانیہ میں التحیات نہ پڑھے۔ پیسہ دینے پر بھی وہ ہرگز ایسا نہیں کرے گا۔ حالانکہ وہ ایسا
کرے تو کسی کو علم بھی نہ ہو سکے گا۔ اس نے التحیات پڑھا یا نہ پڑھا افسران پانچ پانچ ہزار کی
تنخواہ والے دیانت دار نہیں ہوتے دامنِ رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم میں امانت ہے۔

۵۔ پانچویں دلیل سپاسی ہے۔ قرآن شریف نازل ہوا حضور کریم صلی اللہ
علیہ والہ وسلم پر جس وقت نازل ہوا ایک ساتھی بھی نہ تھا بتدریج ساتھی بنتے چلے گئے۔ علماء کا
اختلاف ہے کہ پہلا ساتھی کون ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت علیؓ تھے، حضرت خدیجۃ
الکبریٰؓ تھیں یا حضرت زیدؓ بن حارثہ تھے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے پہلی دفعہ اس
اختلاف میں یوں تطبیق دی کہ بالغ مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے اور

بچوں میں سب سے پہلے حضرت علیؓ تھے۔ غلاموں میں سب سے پہلے حضرت زید بن حارثہؓ تھے اور عورتوں میں سب سے پہلے حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰؓ تھیں۔ آپ کا مقام بہت بلند ہے۔

قیصدہ حالی، حضرت بی بی فاطمۃ الزہراءؓ کو بڑا شرف حاصل تھا اور حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ ان کی والدہ ہیں۔ آپؓ کی والدہ ہوئیں ان کا یعنی حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰؓ کا مقام بہت بلند ہے۔ ایک تو اول ایمان کا تمغہ ہے اور دوم حضرت بی بی فاطمۃ الزہراءؓ کی ماں ہیں۔ آپؓ نے حضور کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بہت خدمت کی اور ہر موقع پر ساتھ دیا۔ بزرگی اور شرافت کے لحاظ سے ترتیب حسب ذیل ہے۔

۱۔ اصحابِ بدر بینؓ تمام دشمنوں یعنی کل کفار سے مقابلہ تھا۔

۲۔ اصحاب بیت الرضوان ۶ھ میں جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم عمرہ مبارک کے لیے تشریف لے گئے اور کفار نے داخل نہ ہونے دیا تو حضرت سیدنا عثمان غنیؓ ذوالنورین کو قاصد بنا کر بھیجا کسی نے ان کے مارے جانے کی خبر اُڑا دی تو وہ ڈیڑھ ہزار صحابہ کرامؓ نے موت پر بیعت کی یعنی کٹ کر مر جانا ہے اور ہٹنا نہیں۔ یہ ٹھیک ہے صحابہ کرامؓ بہشت کے تختوں پر جا گزیں ہوئے لیکن بڑی مشکلات اور محنتوں کے بعد بچے سے ہیرا لے لو اور روٹی کا ٹکڑا دے دو تو وہ خوش ہو جائے گا۔ ہماری مثال بھی اسی طرح ہے ہم نے ایمان کے لیے کوئی محنت نہیں کی صرف ورثہ کے طور پر مسلمان ہو گئے۔ اس لیے اس کی قدر بھی نہیں جانتے۔ معمولی سی باتوں پر ایمان چھوڑ بیٹھتے ہیں سب سے آخری مرتبہ والے فتح مکہ کے بعد والے مسلمان ہیں۔ کل ملتِ اسلامیہ کے بالغ افراد فوج کے فرد ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے جس محنت اور مشقت سے تقریباً ساری دنیا پر دین کا ڈنکا بجایا۔ مراکش سے لیکر دیوارِ چین تک اور دوسری طرف بھی اسی طرح پھیلا دیا لیکن بعد میں خود غرض اور کھاؤ لوگ

آ گئے۔ حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانے میں سب کو بیت المال سے تنخواہ ملتی تھی۔ پوری طاقت اسلام کو اور اسلام کی طاقت کو پھیلانے میں صرف ہوتی تھی۔ کافروں کی طاقت کا جہاد سے مقابلہ کیا۔ تنخواہیں بھی اسی مراتب بالا کے حقوق کے لحاظ سے تھیں۔ ایک دفعہ حضرت زید بن حارثہؓ کو حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے تنخواہ زیادہ دی حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اعتراض کیا کہ جنگِ بدر میں ہم دونوں شریک تھے اور اسلام میں ہماری دیگر خدمات بھی برابر ہیں۔ آپؓ نے تنخواہ برابر نہیں دی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے یہ فرمایا یہ تو ٹھیک ہے کہ یہ حقوق مساوی ہیں۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو جو محبت زیدؓ کے ساتھ تھی وہ آپؓ کے ساتھ نہ تھی۔ میں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی محبت کو پدری محبت پر فوقیت دیتا ہوں۔ ان لوگوں کے کمال کا انکار کرنے والے بدبخت بھی پیدا ہو گئے ہیں۔ بائیس لاکھ پچپن ہزار مربع میل (پاکستان سے سات گنا) رقبہ پر دس سال میں اسلامی حکومت کی توسیع کی اس کے باوجود جب فوت ہوئے اسی ہزار قرضہ تھا۔ عام قسم کے کپڑے کے صرف دو صواف رکھتے تھے اور کھانا بھی عام طور پر سرکہ سے کھا لیتے تھے۔ کسی نے عرض کی گوشت سے کھائیں فرمایا جب سب مسلمانوں کو گوشت کھانے کو ملے گا تب میں بھی کھاؤں گا صحابہ کرامؓ بالخصوص جلیل القدر صحابہؓ اسلام سے قبل رئیس اعظم تھے۔ (بعد میں سفید پوش رہے) آپؓ نے وصیت فرمائی تھی کہ جو کچھ میرے گھر میں ہو میرے قرضہ کی ادائیگی پر لگا دینا اگر بچ رہے تو میرے رشتے دار دیں یا میرے کنبہ والے (قبیلہ والے) اگر پورا نہ ہو تو عام مسلمانوں سے میرے قرضہ کی ادائیگی کے لیے رقم نہ لی جائے تو چنانچہ ان کا مکان اسی ہزار روپے میں فروخت ہوا۔ حضرت امیر معاویہؓ نے خریدا اور اس کا نام رکھا دارالقضاء جس سے قرضہ کی ادائیگی ہوئی۔ یہ حالت تھی امیر المومنین کی۔ زندہ رہے فاتح رہے مرے تو جنت میں گئے۔ کچھ عرصہ تک یہی تصور رہا پھر ختم ہو گیا۔

قرآن کا سیاسی انقلاب۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم ابتداء میں اکیلے تھے۔ مشرق میں سب سے بڑی سلطنت ایران کی تھی جہاں کسریٰ تھا۔ شمال مشرقی عرب بھی۔ افغانستان، سمرقند اور ہندوستان کے حصے اس میں شامل تھے۔ دوسری بڑی سلطنت قیصر کی تھی۔ یورپ اور شام وغیرہ کے علاوہ سب قیصر کے قبضہ میں تھا الغرض اسلام ایک دانہ تھا جو قیصر اور کسریٰ کی چکی کے دو پاٹوں کے درمیان تھا جو با آسانی پس سکتا تھا ابھی ابھی قرآن پاک کے نزول سے پہلے اخلاق اور سیاست اور مذہبی ہر طرح کی بے انتہا گراوٹ ہی گراوٹ تھی جس کی روئے زمین پر کوئی مثال نہ تھی حتیٰ کہ بچیوں کو زندہ درگور کرتے تھے بُرے سے بُرے اور قبیح سے قبیح گناہ پر فخر کرتے حتیٰ کہ اپنے باپ کی بیوی سے زنا پر فخر کرتے۔ غرضیکہ انسانیت تو انسانیت بہیمیت بھی ان کے کرتوں سے شرماتی تھی اور ابھی ابھی قرآن پاک کے نزول کے بعد جنت اور دوزخ پر ناقابل شکست یقین جماعت پیدا ہوگئی۔ حضرت فاروقؓ کے آخری زمانہ میں دونوں سلطنتوں سے ٹکر ہوئی ذرے نہ آفتاب کو شکست مچھر نے ہاتھی پر فتح پائی۔ آج کے قیصر و کسریٰ پر اللہ کے ماننے والوں کی حکومت ہے۔ قرآن کے ماننے والوں نے وہ شکست دی جس کی پیش گوئی حضور کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمائی تھی۔ **اذا ھلک الکسریٰ فلا کسریٰ بعدہ و اذا ھلک قیصر ولا قیصر بعدہ** کہ کسریٰ ہلاک ہو جائے گا اور اس کے بعد اور کوئی کسریٰ نہ ہوگا۔ قیصر ہلاک ہو جائے گا اور اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا۔ چنانچہ بعینہ ایسا ہی ہوا۔ کہ قیصر و کسریٰ ہلاک ہوئے اور ان کے بعد قیصر و کسریٰ کیا ان کا نام تک نہ رہا۔ اس وقت قیصر و کسریٰ کو شکست چند درویشیوں نے دی یہ کل دنیا کی شکست تھی۔ شکست دینے کے یا مسلمانوں کے فاتح اور غالب ہونے کے دو سبب ہو سکتے ہیں۔ ایک مادی سبب دوسرا روحانی سبب۔ مادی اسباب

افراد جنگ آلات جنگ وغیرہ ہوسکتے ہیں۔ افراد کی تعداد کبھی تین ہزار اور ایک لاکھ کا مقابلہ ہوتا تھا اور کبھی ساٹھ کا ساٹھ ہزار سے مقابلہ ہوتا تھا۔ افرادی حیثیت سے مقابلہ غیر متوازن ہوتا۔ اس ہندوستان کی چالیس کروڑ کی آبادی پر ایک نوجوان محمد بن قاسم نے حملہ کیا تو چھ ہزار سپاہی تھے۔ پورے متحدہ ہندوستان کو فتح کیا (یہ سندھ کا علاقہ)۔ طارق کے پاس سات ہزار افراد تھے سارے یورپ کے لیے۔ عربوں کے مقابلہ میں یورپی قوم دولت، آلات جنگ، تعلیم وتربیت سب میں زندہ تھے۔ یعنی یہ سب چیزیں ان میں موجود تھیں عربوں میں غیبی یعنی روحانی اسباب تھے۔ قرآن نے ایک مؤمن میں وہ قوت بھردی کہ ایٹم بم کی طرح سب کو پاش پاش کردیا۔ یہ تھا قرآن کا سیاسی انقلاب۔

درس۔۸

۲۹۔۱۱۔۱۹۶۴

اخلاق

تیسری دلیل۔ اخلاقی دنیا میں سب سے مضبوط اور ناقابلِ تردید چیز اخلاق ہے۔ اخلاق جمع ہے۔ واحد خُلق ہے۔ پیش کے ساتھ۔ پیدا کرنے کو خَلق زبر سے یا فتحہ سے کہا جاتا ہے۔ ہمارا ایک ظاہری وجود ہے جو جسم ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے سر سے پاؤں تک ہاتھ پیر ناک کان وغیرہ یعنی ظاہری جسمانی ڈھانچہ جس کی پیدائش کا نام خلق زبر سے ہے۔ ایک اندر پوشیدہ چیز ہے خلق جسم کی بھی خوبصورتی اور بدصورتی ہوتی ہے۔ اسی طرح انسان کے اندر خلق ہے جس کا تعلق روح کے ساتھ ہے وہ بھی خوبصورت اور بدصورت ہوسکتا ہے جسم ایک بیرونی غلاف ہے اندر ایک اور چیز ہے۔ جس کو جان یا روح کہا جاتا ہے۔ روح تب خوبصورت ہوسکتی ہے۔ جب اس کے اخلاق اچھے ہوں۔ جسم کی خوبصورتی اعضاء کی تندرستی تناسب اور عمدگی سے ہوتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہیں۔ جیسے انسان اپنی شکل وصورت کو تبدیل نہیں کرسکتا اور اگر انسان تبدیل کرنا بھی چاہے تو بہت مشکل ہے۔ اسی طرح جان کے اندر اور روح کے اندر بھی خوبصورتی ہے اچھے اخلاق اور بُرے اخلاق سے روح خوبصورت یا بدصورت بنتی ہے جس طرح ماں کے پیٹ سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ انگ رنگ اور جسم کی صورت لیکر آتا ہے۔ شکم مادر سے جسم کی خوبصورتی یا بدصورتی لیکر آتا ہے سیاہ رنگ کا ہوتا ہے تو سفید رنگ کا نہیں ہوسکتا۔ سفید رنگ کا ہے تو سیاہ رنگ کا نہیں ہوسکتا۔ حبشی ہے یا سفید اس کے اندر انقلاب بہت مشکل ہے۔ اسی طرح روح کا بھی

حال ہے۔ روح کی بھی یا تو عمدہ بنیادیں اخلاق کی اس میں ہوں گی یا بداخلاق کی (بنیادیں) ہوں گی۔ حسن اخلاق کی یا قبیح اخلاق کی۔ جیسی طاقت اس میں ہوتی ہے اس کا مظاہرہ بعد میں ہوتا ہے۔ موجود شروع سے ہوتی ہے۔ اخلاق بنیادی چیز ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اذا سمعتم ان جبلازال عن مکانه فصد قوه۔ واذا سمعتم ان رجلا زال عن خلقه فلا تصدقوه۔ اگر تم سنو کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل گیا تو اسے مان لو اگر یہ سنو کہ آدمی اپنے اخلاق سے ٹل گیا تو اسے نہ مانو۔ جسم کو پیدائش کے وقت اللہ تعالیٰ ایک ساخت دے دیتا ہے اسی طرح روح کو بھی ایک ساخت دے دیتا ہے۔ جیسے جسم کی تبدیلی مشکل ہے۔ اسی طرح روح کی بھی مشکل ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔ میں عمدہ اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اصلاح کے لیے پیدا ہوئے۔ اس شبہ کو مٹانے کے لیے دونوں حدیثوں کا مطلب بیان کرتا ہوں۔ جسم میں کوئی انقلاب نہیں ہوسکتا کیونکہ کثیف چیز ہے۔ روح لطیف چیز ہے۔ اس میں یہ تبدیلی تو نہیں ہوسکتی کہ پیدائشی اخلاق فنا ہو جاویں جیسے بخل لیکر آیا ہو یہ تو ہو نہیں سکتا کہ بخل مٹ جاوے اسی طرح سخاوت بنیادی مادہ مٹ نہیں سکتا کہ روح ان اخلاق سے خالی ہو جائے۔ البتہ یہ ہے انقلاب سے ازالہ تو نہیں ہوسکتا۔ امالہ ہوسکتا ہے۔ جس کے معنی ہیں رخ پھیرنا۔ بنیادی مادہ تو رہا لیکن اس کا رخ پھیر دیا اور اسے صحیح سمت پر کر دیا۔ خلق کا بھی رخ پھیر کر دوسری طرف ہوسکتا ہے۔ ایک آدمی پیدائشی طور پر بخل لے کر آیا ہے۔ یہ بخل مٹ جاوے یہ تو نہیں ہوسکتا۔ البتہ اس کا رخ پھیرا جاسکتا ہے۔ یہ امالہ ہے۔ مال کو خرچ نہ کرے یہ ہے بخل یہ ہوسکتا ہے کہ گناہ پر یا اسراف کے موقعہ پر خرچ نہ کرے بلکہ زکوٰۃ اور صدقہ وغیرہ نیکی کے کاموں پر خرچ کرے ان میں بخل نہ کرے گناہ سے متعلق اخراجات میں بخل اپنا اثر دکھا کر

انفاق بند کر دے اور خیرات وصدقات میں خرچ کرے۔ جیسے نالی میں پانی آ رہا ہو ایک کھیت میں جانے سے بند کر دیا جائے اور دوسرے کھیت میں لگا دیا جائے۔ بخل کا تقاضا یہ ہے کہ نہ کارِ خیر میں صرف ہو نہ کارِ شر میں۔ پھرنا یا امالہ یہ ہوگا کہ کارِ خیر میں تو صرف ہو کارِ شر میں نہ ہو بلکہ اس میں بخل ہو۔ اسی طرح بہادری بذل نفس جان کی قربانی جس پر آسان ہو وہ بہادر ہے یہ صفت ہے اس کا ازالہ مشکل ہے جس سے بہادری مٹ جائے اور گیدڑ بن جائے اگر بہادری مسلمانوں کے خلاف ہے تو وہ قبح ہے اگر جہاد میں بہادری استعمال ہو تو کارِ خیر ہے۔ اصلاح ہے رخ پھیرنا جو تمہارے مذہب، ملک، قوم وملت کو مٹانا چاہے تو ایسی بہادری کے منہ میں لگام دو۔ معلوم ہو گیا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دونوں ارشادِ گرامی درست ہیں۔ اگر پہاڑ کے ٹلنے کی خبر سنو تو مان لو اس پر یقین کر لو اخلاق بدلنے کی خبر ملے تو نہ مانو اس لیے زال کا لفظ فرمایا کہ اخلاق انسانی جڑ سے ٹلتے یا مٹتے نہیں۔ دوسری حدیث شریف کے معنی ہیں امالہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (محمد رسول اللہ) محمد اللہ کے رسول ہیں۔ رسول اس لیے ہیں کہ ان کا کام ہے اصلاح اخلاق۔ جس طرح حکیم اور ڈاکٹر کا اگر علاج کامیاب ہو تو وہ ڈاکٹر کامیاب ہے۔ آگے اس کی دلیل فرمادی۔ **والذین معه اشداء علی الکفار رحماء بینهم** ۔ یعنی حضور پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس رہنے والے روحانی طور پر ایسے صحت یاب ہوئے کہ ان کی شدت کفار کے لیے اور رحم مسلمانوں کے لیے استعمال ہوئے۔ خلق بھی اور خُلق بھی۔ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیزیں ہیں جس کو بنائے اللہ تعالیٰ بگاڑے بھی اللہ تعالیٰ۔ اللہ کی چیز اللہ کے بغیر درست نہیں ہوتی۔ مثلاً شراب نوشی کی عادت ہو تو اس کا مٹانا مشکل ہے۔ ۱۹۲۷ء میں حکومت امریکہ نے ڈاکٹروں کے مشورے سے یہ فیصلہ کیا کہ شراب نوشی بُری چیز ہے اسے ختم کیا جائے چنانچہ کتابیں اور پمفلٹ لکھے گئے سینماؤں کے ذریعے اس کی قباحتیں دکھائی گئیں اور پولیس کے

ذریعہ انتظام کیا گیا سب ذرائع استعمال کئے گئے اس کے باوجود شراب نوشی کم نہ ہوئی بلکہ زیادہ ہوگئی۔ مجبوراً حکومت امریکہ نے اپنے احکام واپس لے لئے تعمیر مشکل ہے تخریب آسان ہے۔ اسلام کی تعمیر میں بھی زیادہ وقت درکار ہے۔ اسلام کو نقصان پہنچانا آسان ہے بنانا مشکل ہے۔ جیسے ترکی اسلام کو چھوڑ کر اب پچھتا رہا ہے کروڑوں علماء اس کو پورا نہیں کر سکتے۔ جسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی زندگی میں بنایا ہم نے مغربی چیزوں کو اپنایا لیکن دل محسوس کرتا ہے بے چینی اطمینان نہیں۔ خود پاکستان میں دیکھ لو ایک ایک افسر کہتا ہے رشوت بند ہو۔ جب چالو ہوگئی بند نہیں ہو رہی۔ جو انقلاب قومیں اور ان کی کتاب نہیں لا سکی وہ انقلاب قرآن لایا۔ یہ ہم نے ثابت کرنا ہے۔ بنیادی طور پر کچھ گناہ قوتِ غصبیہ کے لحاظ سے ہوتے ہیں اور کچھ گناہ قوتِ شہویہ کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ شراب، زنا، خنزیر کا استعمال قوت شہویہ کے گناہ ہیں۔ یہ تین چیزیں میلان طبعی کا تقاضا ہیں۔ چوری ڈاکہ قتل یہ قوت غصبیہ کے گناہ ہیں۔ یہ چھ چیزیں عرب میں جہاں قرآن نازل ہوا جہاں صاحب قرآن پیدا ہوئے وہاں مدرسہ نہیں تھا۔ تعلیم نہ تھی حکومت نہ تھی۔ پوری انسانیت بے لگام تھی۔ کوئی قانونی سلطنت نہ تھی یہ چھ بُرائیاں اس انداز میں تھی کہ کسی قوم میں کسی وقت میں نہ تھیں۔ یورپ والے شراب کو اکثر گناہ سمجھ کر پیتے ہیں لیکن عرب اس کو بہترین نیکی سمجھتے تھے۔ جیسے ہم زم زم کو مقدس سمجھتے ہیں۔ عرب نے انگور کے درخت کا نام کرم رکھا۔ یعنی شرافت والا درخت۔ جس سے شراب بنتی ہے بچہ پیدا ہونے پر اس کے حلق میں سب سے پہلے شراب ٹپکاتے تھے اسی طرح نزع کے وقت بھی اسے پاک چیز سمجھتے ہوئے مرنے والے کے حلق میں ٹپکاتے تھے۔ کوئی رئیس مرجاتا تو اس کی قبر کے اردگرد شراب بانٹی جاتی تھی۔ بلکہ آخری حصہ قبر پر انڈیل دیا جاتا تھا۔ ابونواس شاعر شراب کی صفت اسی طرح بیان کرتا ہے جس طرح مسلمان حضور کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بیان

کرتے ہیں۔ زنا مغرب کی لعنت ہے اور مغرب نے اسے پھیلایا لیکن لائسنس لینا پڑتا ہے۔ مگر عرب میں لائسنس کی ضرورت نہ تھی۔ ایسی عورتیں ایک جھنڈا گاڑ دیتیں اس پر لکھا ہوتا کہ جو شخص ضرورت پوری کرنا چاہے وہ یہاں آ جائے۔ یورپ والے اکثر پوشیدہ کرتے ہیں۔ لیکن عرب والے برملا لوگوں کے سامنے کرتے تھے۔ اب تو یورپ والے بھی پارکوں میں کرتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی پیش گوئی صادق آ رہی ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ لب سڑک ایک عورت اور ایک مرد زنا کرتے ہوں گے یعنی زنا میں مشغول ہوں گے۔ جیسے گدھا اور گدھی اور لوگ گذرتے ہوں گے صرف ایک شخص یہ کہے گا **هل لا فعلتم وراء الجدار** تم نے دیوار کے پیچھے کیوں نہیں کیا وہ اس زمانے کا ابوبکر ہوگا کہ جو اتنا کہے گا کہ میاں دیوار کے پیچھے یہ کام کرو اس شخص میں اتنی دینی حس ہوگی۔ شراب اور زنا وہ تھے کہ دنیا میں مثال ندارد۔ سود کا بڑا کاروبار تھا۔ فتح مکہ والے دن اعلان فرمایا کہ سود کی آمدنی کو میں اپنے پاؤں تلے کچلتا ہوں۔ خدا نے نے حرام کیا ہے اور اپنے چچا عباس کا سود مٹاتا ہوں۔ قتل کی یہ حالت تھی کہ ایک شخص کی چراگاہ میں ایک کی اونٹنی گھس گئی اس نے اسے تیر مار دیا چنانچہ دونوں قبیلوں میں لڑائی چھڑ گئی جو ایک سو بیس سال جاری رہی اور اگر کوئی نہ ملتا تو بھائی پر ڈاکہ ڈال دیتے چوری اور ڈاکہ کو پیشہ بنایا ہوا تھا چوری اور ایک ڈاکے کے لیے ہر روز صبح کو ایسے نکلتے جیسے دکان پر جانے کے لیے آدمی نکلتا ہے۔ چھ بُرائیاں شراب، زنا، سود، چوری، ڈاکہ، قتل نمبر ایک کی طرح موجود تھیں اور ان کو بھلائیاں سمجھتے تھے۔ زندگی ایسے وابستہ تھی کہ اس وقت قرآن پاک نازل ہوا۔ لائبریریوں میں لاکھوں کروڑوں کتابیں ہیں لیکن آدمی ایک نہیں سدھرا۔ دنیا کی کسی کتاب میں اتنا بڑا انقلاب پیدا نہیں کیا (جرجی زیدان) عیسائی مورخ نے لکھا ہے کہ جس وقت قرآن نازل ہوا ان لوگوں کو انسان کہنا مناسب نہیں شیطان کہا جاوے۔ لیکن حضور کریم صلی اللہ علیہ والہ

وسلم کی جو مدنی زندگی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کانھم ملائکته یمشون علی الارض گویا وہ فرشتے ہیں جو زمین پر اتر آئے ہیں چلتے پھرتے ہیں۔ ایک شراب خور، ایک چور یا ایک ڈاکو کو اب آپ نہیں پائیں گے۔ قرآن کے منزل من اللہ ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے۔ قرآن پاک روح میں انقلاب لانے والی بہت بڑی کتاب ہے چونکہ اللہ کا کلام ہے۔ روح اور اخلاق بھی اللہ کا پیدا کردہ ہیں رشوت تو ہمارے ملک میں رائج ہے۔ باوجود حساب و کتاب، جنت و دوزخ پر عقیدہ اور ایمان رکھنے کے رشوت نہیں جاتی۔ چھوٹا بڑا آفیسر کوئی بھی نہیں بچا ہوا جوں جوں آمدنی بڑھتی جاتی ہے پیٹ بڑھتا جاتا ہے ایران کی جنگ میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کمان کرتے تھے۔ ایران کا دارالسلطنت مدائن فتح ہوا۔ تمام دولت اکٹھی ہو ہو کر مدائن میں جمع ہوئی۔ مدائن دریائے دجلہ کے قریب ہے۔ اس پر ایک پُل تھا اس پُل کے قریب ایک غریب مسلمان کا گھر تھا ایک جھونپڑا بنایا ہوا تھا۔ کل آٹھ افراد تھے چار دن سے فاقہ تھا۔ ادھر مسلمانوں کو بے شمار اثاثہ مالِ غنیمت ہاتھ آیا اس مسلمان نے دیکھا ایک آدمی سات عدد خچروں پر ۱۴ صندوق جو خود سونے کے بنے ہوئے تھے۔ لاد کر لے جا رہا ہے۔ اسے للکارا کہا ٹھہرو۔ خچروں والا تو بھاگ گیا مگر خچر چھوڑ گیا۔ باوجود غربت اور فاقہ کے ساتوں خچر بمعہ ۱۴ عدد صندوق لے جا کر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی خدمت میں پیش کر دیئے لوہار کو طلب کیا تالے توڑے گئے۔ مورخین لکھتے ہیں ان ۱۴ صندوقوں میں اتنے جواہرات تھے کہ اگر انہیں نصف دنیا کی دولت کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے دیکھا کہ یہ ۱۴ صندوق اس کو ملے اگر انہیں گھر لیتا یا کم از کم ایک رکھ لیتا تو کوئی دیکھنے والا تو نہیں تھا۔ سوائے اللہ تعالیٰ کے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ غور کر رہے تھے کہ لانے والے نے کہا کہ آپؓ کی امانت آپؓ کے پاس صحیح پہنچ گئی۔ فرمایا ہاں تو وہ کہنے لگا اچھا میں جاتا ہوں السلام علیکم انہوں نے کہا ٹھہرو اپنا حصہ لیتے جاؤ اور فرمایا میں

تمہارے متعلق تعریفی کلمات حضرت فاروق اعظمؓ کی خدمات میں لکھوں گا۔ کہ جب ایسے آدمی ہمارے پاس موجود ہیں تو ساری دنیا ہماری ہے۔اس نے کہا نہیں کوئی ضرورت نہیں۔ نہ کسی حصہ کی نہ کسی تعریف اور سفارش کی۔ میں تو صرف اللہ تعالیٰ کو ہی دکھانا چاہتا تھا کہ مسلمان ایسے بھی ہیں۔ جب وہ چلا گیا تو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ایک آدمی اس کے پیچھے بھیجا کہ ان کے حالات دیکھ آئے تو معلوم ہوا کہ انہیں چار دن کا فاقہ ہے۔ سب کے سب آٹھ نفوس فاقہ میں تھے۔ لیکن اب پانچ ہزار تنخواہ ہو تو بھی اور اور کرتے ہیں حضرت سعدؓ نے ایک بوری چاول، آٹا، کھجور اور کچھ شہد اور گھی وغیرہ بھجوادیا اور یہ ہدایت کی کہ جب یہ شخص گھر پر نہ ہو تو بھجوادی جائیں تا کہ واپس نہ کر سکے۔ اور اس کے گھر والے لیکر رکھ لیں۔ تاریخ بشریت میں اس کی مثال نہیں۔ ونزل من القرآن ماھو شفاء و رحمتہ للمومنین۔

تیسری دلیل۔ قرآن جس ملک میں اترا اس ملک کی حالت چھ بُرائیوں کے لحاظ سے جو اوپر بیان ہو چکی ہیں۔ ان کی اصلاح قرآن نے کی ہے۔ جس طرح روح خدا کی طرف سے آئی ہوئی ہے قل الروح من امر ربی اسی طرح قرآن بھی منزل من اللہ ہے یہ قرآن کی برکت ہے کہ صحابہ کرامؓ ایسے جیسے فرشتے زمین پر پھرتے معلوم ہوتے ہیں۔

چوتھی دلیل اعتدالی ہے۔ قرآن کے متعلق دو ہی باتیں ہیں تیسری نہیں یا تو اللہ کا بنایا ہوا ہے یا انسان کا یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا۔ انسان کی بنائی چیز میں جذبات کا رنگ ہوتا ہے۔ انسان خود جذبات سے مغلوب ہوتا ہے۔ جب غصہ میں آتا ہے تو رحم کی بات نہیں کرتا اور جب رحم میں آتا ہے تو غصہ کی بات نہیں کرتا۔ جذبات سے مغلوب ہے۔ رحم اور قہر کو اعتدال سے استعمال نہیں کرسکتا۔ انسان کے اندر ضعف ہے۔ قرآن و خلق الانسان

ضعیفا انسان جتنا بڑا ہو پھر بھی انسان ہے۔ اس میں ضعف رہے گا۔ جذبات اور ضعف لازمی خاصہ ہیں۔ مگر قرآن پاک میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ مکمل اعتدال ہے۔ قہر کے مضمون کے ساتھ ساتھ رحم اور جنت کے ساتھ دوزخ کا ذکر بھی ہے ابشار کے ساتھ انذار ہے۔ قرآن کی آیت ہے و نبیء عبادی انی انا الغفور رحیم وان عذابی ھو العذاب الالیم یہ اعتدال ہے کہ قہر کے ساتھ رحم ہے ایک صورت میں کفار کی کج روی کے مقابلہ پر جہاد کا حکم دیتا ہے۔ اس کے ساتھ متصل یہ حکم دیتا ہے لاینھکم اللہ عن الذین لم یقاتلو کم فی الدین ولم یخز جو کم من دیار کم تبرو اھم و تقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین عین جنگ کا آرڈر دیکر ساتھ یہ حکم بھی دیا جنت کے ساتھ دوزخ بشیراً و نذیراً ساتھ ساتھ ابشار وانذار اور جنت و دوزخ ساتھ ساتھ لیکن انسان جب ایک جذبہ کے تحت بات کرتا ہے وہ اسی کا ہو جاتا ہے ایک انگریز جو مسلمان ہو گیا تھا۔ اس سے پوچھا گیا کہ کیوں مسلمان ہوا ہے کہا قرآن اللہ کی کتاب ہے اگر اللہ کی کتاب نہ ہوتی تو اس میں کوئی نہ کوئی خامی ہوتی یا اس سے کوئی خامی ٹپکتی۔ انسان جہاں جاتا ہے۔ وہاں کے لوگوں کو خوش کرنے کے لیے ان کے پسند کی بات کرتا ہے۔ عمل اس پر بھی نہیں ہوتا چشم عبرت کھولنے کا مقام ہے۔ خدا کے سوا کوئی ایسے احکام دے سکتا ہے۔ طوفانِ نوح کے بارے میں وقیل یا ارض بلعی ماء ک ویاسماء اقلعی ۔ اے آسمان تھم جا اے زمین نگل جا اللہ کے سوا کوئی زمین اور آسمان کو حکم دے سکتا ہے صرف مالک الکل، خالق الکل، غالب الکل ۔ ایسے زبردست احکامات جاری کر سکتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تو اس وقت موت وحیات کی کشمکش میں تھے کسی کو تپتی ریت پر گھسیٹا جاتا تھا تو کسی کی پیٹھ انگاروں پر رکھی جاتی اور طرح طرح کے ظلم ڈھائے جاتے تھے۔ کمزوری کے دور میں کوئی ایسے زبردست احکام جاری کر سکتا ہے۔ حکم دے سکنا تو دور رہا۔ ایسی بے بسی

کے وقت تو کوئی ذہن یہ سوچ بھی نہیں سکتا۔ زور کا اندازہ زور کے احکام۔ دوسرے مصنف کو دیکھا کہتا ہے کہ قرآن کا مطالعہ کیا ایک نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ قرآن کا مصنف جو بھی ہے وہ مخلوقات میں سے کسی سے نہیں ڈرتا دیکھو کافر نے یہ نتیجے نکالے ہیں قرآن کا اعتدال ایک دلیل ہے۔ ایک قوت ہے انسان جذبات اور کمزوری کے تحت بولے گا۔ مگر قرآن کے مضامین بے حد جرأت و جسارت کے ہوں گے نہ جذبات کے اور نہ کمزوری کے صاحب قرآن کا بھی یہی حال ہے گھر کا مسلح محاصرہ ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہجرت فرمارہے ہیں۔ سورۃ یٰسین کی آیات کی تلاوت فرماتے ہوئے مسلح گروہ کے درمیان سے گذر گئے اپنے بستر پر حضرت علیؓ کو لٹا دیا فرمایا تمہارا ایک بال بھی بیکا نہ کرسکیں گے۔ قتل کی سازش تھی مگر کچھ بھی نہ کرسکے۔ کسی نے ایک لیڈر سے پوچھا مذھبک اس نے کہا فی ای مُلکٍ گویا جس ملک میں گئے وہاں کے مطابق اپنا مذہب بنالیا۔ سید سلیمان ندویؒ مرید ہوئے تو اپنے مرشد سے پوچھا کہ تصوف کا کیا خلاصہ ہے اور اسلام کا کیا خلاصہ ہے کہا تصوف کا خلاصہ اپنے آپ کو مٹانا ہے یعنی اپنی چاہ نہ رہے صرف اللہ تعالیٰ کی چاہ رہے۔ حضرت شیخ فریدالدین عطارؒ سے کسی نے پوچھا کیسے گذرتی ہے فرمایا اچھی گذرتی ہے کہ دنیا میں کوئی کام میری مرضی کے خلاف نہیں ہوتا۔ اس نے کہا خدائی کا دعویٰ کرتے ہو کہا کہ نہیں اپنی مرضی کو مٹا کر اللہ کی مرضی یا رضا کو اختیار کرلیا ہے۔ منصور کے متعلق بھی حضرت عطارؒ نے لکھا ہے کہ ایک بزرگ نے خواب میں اللہ تعالیٰ سے پوچھا ایک فرعون کہتا ہے کہ انا ربکم الاعلی دوسرا منصور کہتا ہے انا الحق بات تو ایک ہے۔ ایک جنتی ہے اور ایک دوزخی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فرعون نے ہمیں مٹا کر کہا اور منصور نے اپنے آپ کو مٹا کر کہا۔ خدا تعالیٰ تابعداری کے لائق ہے۔ جو وہ چاہے کرنا اور جو نفس چاہے وہ نہ کرنا۔ اپنی چاہ کو اللہ تعالیٰ کی چاہ میں مٹانا۔ شرع کو طبع پر غالب کرنا، طبیعت کی لگام شریعت کے ہاتھ

میں دینا۔ ساری کمائی اسی میں ہے۔ جو جی چاہے نہ کرو اور جو اللہ چاہے وہ کرو۔ اسلام کا خلاصہ ہے مصالح جمع مصلحت یا دنیاوی فائدے مصالح کو مسالے کی طرح پیس ڈالو۔ رشوت اس لیے لیتے ہیں کہ مصلحت یا فائدہ ہے کوئی بُرا کام اس لیے کیا جاتا ہے کہ مصلحت ہے۔ بس مصالح مصلحتوں کو پیس ڈالنے کا نام اسلام ہے۔

درس۔۹

۱۔۱۲۔۱۹۶۳

قرآن کا سیاسی اِنقلاب

صداقت القرآن کی پانچویں دلیل۔ قرآنِ کریم کے نازل ہونے سے پہلے بھی انسان آباد تھے۔حکومت بھی تھی، امیر بھی تھے، غریب بھی تھے۔دیکھنا یہ ہے کہ قرآن پاک نے کیا اثر ڈالا اور اس کے اثر سے دنیا کیسے بدل گئی۔کیا سیاسی اثر ڈالا۔اگر اس نے ایسا اثر ڈالا ہے جس کو انسان نہیں ڈال سکتا یا انسان کے بس میں ایسی تبدیلی کرنی نہیں ہے تو سمجھنا چاہیے کہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اگر انسان بھی کر سکے یا اس نے کبھی ایسا کیا ہو تو پھر یہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے۔سیاسی انقلاب کے لیے سیاست کا لفظ بہت استعمال ہوتا ہے اور بڑا غلط استعمال ہوتا ہے۔لیکن بہت کم لوگ سمجھتے ہیں کہ سیاست کے معنی کیا ہیں قیامِ اقتدار کے لیے دھوکہ دینا جھوٹ بولنا اور خودغرضی آج کل دورِ حاضر میں سیاست ہے۔جو مفکرین کے الفاظ ہیں۔شیطانت بروزن سیاست ہے۔بجٹ میں ایک خاص رقم رکھی جاتی ہے۔پروپیگنڈہ کے لیے جس کے معنی ہیں کہ جھوٹ بولا جائے۔یورپ والوں کا قول ہے کہ جھوٹ بولا جائے اور بار بار بولا جائے یہاں تک کہ یقین ہو جائے۔لفظ سیاست عربی لفظ ہے جس کی انگریزی Politics ہے۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے یہ لفظ استعمال فرمایا ہے۔یورپ نے بھی اس لفظ کو استعمال کیا ہے اور اس لفظ کی ایسی مٹی پلید کی ہے کہ اسے گالی سمجھا جاتا ہے۔کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سیاست دان اور لیڈر سے بچائے۔لیڈری اور سیاست دونوں کی تباہی ہوئی ہے۔لینن سے کسی نے پوچھا

لیڈر کسے کہتے ہیں کہا لیڈر وہ ہے جو اپنا مطلب لوگوں کے مطلب میں چھپا سکے اور سب سے زیادہ دھوکہ دے سکے۔ کہے کہ ہم غربت وافلاس دور کریں گے۔ مہنگائی مٹائیں گے۔ ہسپتال اور مدرسے بنائیں گے۔ غرضیکہ عوام کو جس سے فائدہ ہوسکتا ہو وہ کام کریں گے۔ حالانکہ مدعا صرف ممبری یا کرسی کا حصول ہوتا ہے۔ یہ سب کہنے کی باتیں ہوتی ہیں فریب اور دھوکہ ہوتی ہیں جس تقریر میں دوسروں کی کمی بیان کی جائے زیادہ گالیاں دی جائیں کہیں گے بڑی اچھی تقریر ہے۔ سیاست کا لفظ اللہ کا اور پیغمبروں کا ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا **كانت بنو اسرائيل تسئوسهم الانبياء كلما هلك نبي خلفه نبي** آخر میں فرمایا مجھے مبعوث فرمایا اور میرے بعد کوئی نبی نہیں سیاست اصل میں پیغمبرانؑ کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قول ہے باقی سب شیطنت بلفظ سیاست ہے۔ ہر دھوکہ جھوٹ اور خودغرضی دورِ حاضر کی سیاست ہے۔ یہ شیطان کی پیداوار ہے انسانیت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

سیاست کس کو کہتے ہیں۔ انتظامیہ الہیہ **يحفظ حقوق الله و حقوق الانسان** سیاست وہ انتظام ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے اور انسان کے حقوق محفوظ رہیں۔ یہ ہے اسلام کی سیاست آج دنیا جہنم بن گئی ہے۔ ایٹم وغیرہ کا ایجاد تباہی انسانیت ہے شیخ سیوطیؒ کی جامع الصغیر میں ہے **الناس عيال الله** نبی آدم اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہیں۔ اب سیاست یہ ہے کہ کالوں کو گوروں سے لڑاؤ جرمنی کو انگریزوں سے اور ہندو کو مسلمانوں سے لڑاؤ مسلمانوں میں فرقے بنا کر لڑاؤ۔ تقسیم شیطان کا کام ہے شیخ سیوطیؒ کی جامع الصغیر میں آگے ہے **فاحب الناس من احسن الى عياله** اللہ تعالیٰ کو وہ شخص بہت پیارا ہے جو اس کے کنبے کے ساتھ احسان کرے پیغمبر کہتا ہے خدا ایک ہے قرآن ایک ہے پیغمبر ہادی ایک اور انسان ایک ہے موجودہ زمانے کے جتنے سیاسی دستور ہیں اگر انسان کی حفاظت یعنی

انسان کے حقوق کی حفاظت کا انتظام ہو اور اللہ کے حقوق کی حفاظت نہ ہو تو یقیناً لعنت ہے ایسی سیاست پر اللہ اور انسان میں اس سے زیادہ فرق ہے جو گھوڑے میں اور اس کے سوار میں ہے۔ مہمانی کی خاطر سے گھوڑے کا انتظام تو کریں اس کے علاوہ گھاس چارا وغیرہ سب مہیا کریں اسی طرح سوار کے لیے بھی کھانا پینا بچھونا وغیرہ سب کا انتظام کریں۔ اعلیٰ کے حقوق کا خیال رکھنا زیاہ ضروری ہے بہ نسبت ادنیٰ کے۔ اگر کوئی شخص گھوڑے کی ضروریات کا خیال تو رکھے مگر سوار کی ضروریات کا خیال نہ رکھے تو ایسے شخص کو بیوقوف کہیں گے۔ گھوڑے اور انسان میں اتنا فرق نہیں جتنا انسان اور اس کے خالق اللہ تعالیٰ میں ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے حقوق کا خیال نہ رکھے وہ پرلے درجے کا بیوقوف ہے۔ آج اللہ تعالیٰ کے حقوق کی حفاظت کسی حکومت کے سیاسی دستور میں نہیں ہے۔ خدا کو تو ختم کیا گویا سیاست کا ۹۹ فیصد حصہ تو اُڑا دیا گیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی حفاظت ہو تو اسی میں ہماری حفاظت ہے۔ اس لیے ہمیں ضرورت ہے۔ اللہ کو ضرورت نہیں۔ اسی لیے انسانی حقوق تباہ ہو جاتے ہیں۔ درحقیقت انسانی حقوق کی بھی کوئی حفاظت نہیں ہو رہی جس کا ثبوت ہے جیل بھرے پڑے ہیں۔ جھوٹ، دھوکہ بازی کی اور رشوت وغیرہ کی کثرت ہے۔ آزاد قبائل میں اگر ایک آدمی اپنی زمین بیس (۲۰) ہزار روپے میں فروخت کرتا ہے تو وہ مسجد میں آ کر یہی بات کہہ دیتا ہے کہ میں نے فلاں زمین اتنے پیسوں کے عوض فلاں شخص کو فروخت کر دی ہے۔ بس اتنا کافی ہے نہ انتقال اور نہ تحریر ہے۔ اور ایسے زبانی معاہدوں کے متعلق ۶۰۰ سال کے عرصہ میں کسی کے خلاف کوئی مقدمہ نہیں ہوا۔ یاغستان کا یہ حال ہے کہ عمر بھر میں کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔ یہاں دن رات کچہریاں پُر ہیں کہتے ہیں بڑی ترقی ہے لعنت ہے ایسی ترقی پر۔ شیطان کی کھوپڑی سے جو سیاست چلے وہ شیطنت بلفظ سیاست ہوگی۔ حضرت عمر فاروق اعظمؓ کے دس سالہ زمانۂ خلافت میں کوئی چوری کا واقعہ نہیں ہوا۔ کوئی پولیس نہ تھی۔

سی آئی ڈی نہ تھی بلکہ یہاں تک کہ کوئی سڑکیں نہ تھیں اور جب علاقہ فتوحات سے بڑھ گیا آپؓ نے خود دعا کی اللھم انی ضعفت قوتی و کثرت رعیتی فاقبضنی غیر مفتون اللھم ارزقنی شھادۃ فی سبلیک واجعل موتی فی بلد نبیک گویا انہوں نے خود موت کے لیے دعا فرمائی اور دعا بھی شہادت کے لیے کسی نے کہا حضرت آپ تو دو متضاد باتوں کی استدعا کر رہے ہیں۔ ایک شہادت اور دوسرا مدینہ پاک میں موت کی دعا۔ شہادت بظاہر وہاں یوں ناممکن تھی کہ ارض پاک میں کوئی کافر اور منافق نہ تھا جس سے جہاد ہوتا اور شہادت نصیب ہوتی باہر اگر جہاد میں جا کر حصہ لیتے تو یقیناً موت مدینہ پاک میں نہ ہوتی۔ اس لیے دونوں دعائیں اکٹھی پوری ہونی مشکل تھیں۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی طرح میرا مطلب پورا کر دے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ابولولو مجوسی غلام کے ہاتھ سے عین نماز میں شہید ہوئے اور مدینہ پاک ہی میں موت نصیب ہوئی۔ شہادت نصیب ہوئی اور ان کی دعا سے بڑھ چڑھ کر اللہ تعالیٰ نے ان کے خلوص اور خدمت دین اور فقر یعنی شاہی پُر فقیری کے صدقے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر جان نثاری کے طفیل روضہ ء اطہر میں رفاقت نصیب فرمائی۔ جس پر ان کی قسمت جتنا ناز کرے بجا ہے۔ اور اس نصیب میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی کرم نوازی کا بھی بہت حد تک دخل ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ایک موقعہ پر جبکہ ایک ہاتھ دایاں مبارک حضرت ابوبکر صدیقؓ کے کندھے یعنی شانے پر تھا اور بایاں بازوں حضرت عمر فاروقؓ کے کندھے پر۔ تو از راہِ بندہ نوازی و کرم گستری یا غلام پروری۔ فرمایا ھکذا نبعث یوم القیمۃ جب دنیا میں اس طرح اکٹھے اور مربوط قدموں میں رہے اور قیامت کے دن قدموں میں اٹھنے کی پیشن گوئی ہوگئی تو درمیانی حصہ یعنی عالم برزخ قبر کے وقفہ میں کیوں جدا ہوتے لازماً ہمابختی نے ساتھ دیا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے قدموں میں

جگہ مل گئی۔ اللھم اجعل آخر کلامنا اشھدان لا الہ الا اللہ واشھدان محمداً عبدہٖ و رسولہ واجعل موتنا فی بلد نبیک صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم۔
سیاست اس چیز کا نام ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اور انسان کے حقوق دونوں کی حفاظت ہو۔ یہاں جو مقدمات ایک تحصیل میں ہوتے ہیں اتنی تعداد میں مقدمات ساری مملکت میں نہ ہوتے تھے۔ قرآن مجید کونسا سیاسی انقلاب لایا اس کے مثبت اور منفی پہلو۔ مکی سورتیں مکہ شریف میں نازل ہوئیں اور مدنی سورتیں مدینہ شریف میں نازل ہوئیں ۳۱۳ پاکیزہ نفوس بدر میں شامل ہونے والے یعنی ایمان رکھنے والے تھے۔ ایک محلہ میں بھی ۳۱۳ سے زیادہ آبادی ہوتی ہے۔ قرآن کے طرف داروں کی تعداد ۳۱۳ تھی اور کل کائنات قرآن کی مخالف اور حق کے دشمن تھے۔ امریکہ، روس وغیرہ۔ غرض دو محاذ قائم ہو گئے ایک محاذِ حق۔ محاذِ رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم وقرآن۔ دوسرا محاذِ باطل۔ محاذِ حق میں ۳۱۳ آدمی اور صرف دو گھوڑے۔ روٹی ایک وقت ہے تو پانچ وقت نہیں۔ بڑے سے بڑا شخص فوت ہوتا تو کپڑا اتنا میسر نہ آتا کہ اس کا جسم ڈھانکا جاتا۔ سر ڈھانکتے تو پیر ننگے رہتے، پیر ڈھانکتے تو سر ننگا رہتا۔ نصف جسم پر کپڑا ڈالتے اور باقی نصف پر گھاس۔ ۳۱۳ نے کل دنیا سے لڑنا تھا۔ بدر میں رمضان ۲ھ سے ٹکر شروع ہو گئی حق و باطل کی۔ ۳۱۳ کی طاقت سے قرآن ساری دنیا سے لڑا۔ قرآن جیتا۔ اگر قرآن نہ جیتتا تو بہاول پور جیسے دور افتادہ شہر میں قرآن کے شیدائی اور اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر ایمان لانے والے کیسے ہوتے۔ قیصر و کسریٰ کو چین کو ہندوستان کو شکست دی۔ دنیا کا اکثر حصہ اپنے جھنڈے تلے لائے۔ شیطانی سیاست ختم ہوئی قرآن کی حکومت قائم ہو گئی۔ پوری دنیا کو شکست دینا۔ اب بھی دنیا پر اکثر مسلمانوں کی حکومت ہے۔ سکونت کے اعتبار سے مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ یہ سیاسی انقلاب کیوں اور کیسے ہوا یا اسباب کا نتیجہ ہوگا۔ یا مسبب کا۔ سامان جنگ و تعداد زیادہ ہوں تو سامانِ جنگ

موجب ٹھہرے۔ ۳۱۳ کا ساری دنیا سے مقابلہ تو اسباب تو ختم ہو گئے۔ غزوہ خندق میں بھوک کی یہ حالت تھی کہ انتڑیوں میں درد ہوتا اس کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھتے۔ کچھ صحابہ کرامؓ نے بھوک کی شکایت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں کرنے کے لیے حاضر ہوئے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنے شکم مبارک پر ایک نہیں دو پتھر باندھے ہوئے ہیں تو شرم آ گئی کہ کیا شکایت کریں۔ یہ تھی پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شان۔ اب تو جو کوئی پیغمبری کا دعویٰ کرتا ہے تو کمرے سونے سے بھر جاتے ہیں یہ فرق ہے سچے اور جھوٹے پیغمبر میں، اسباب یہ انقلاب نہیں لائے کیونکہ اسباب تو کم ہیں دولت کم۔ سامانِ جنگ کم۔ اسباب کا تقاضا یہ تھا کہ ابتداً ایک انسان بھی حامی قرآن یا موافقِ قرآن نہ تھا لیکن بایں ہمہ قرآن فاتح بنا اور دنیا مفتوح۔ قرآن غالب اور دنیا مغلوب قرآن سے قبل عرب سب سے کمزور اور قابلِ ذکر ہی نہ تھے۔ عالم اسباب کا اس انقلاب میں دخل ہی نہیں۔ معلوم ہوتا ہے یہ ساری کاروائی مسب الاسباب کی ہے۔ میدانِ جنگ فتح وشکست کا موقع ہے۔ ۱۔ سامانِ جنگ، ۲۔ ہاتھ پیر، ۳۔ اعضاء دل ودماغ۔ میدانِ جنگ تین چیزیں ہیں۔ آلاتِ جنگ۔ اعضاء انسانی۔ آلات کو چلانے والے۔ آدمی کے اعضاء ہاتھ پیر۔ اعضاء کو استعمال کرنے والی جان اور روح ودل ودماغ۔ مرا ہوا انسان تو کچھ نہیں کر سکتا۔ اگر چہ اس کے اعضاء بھی موجود ہوتے ہیں۔ لیکن جان اور روح نہیں ہوتے۔ لہذا دل اور جان ضروری ہیں دو چیزیں تو ساری دنیا کے پاس تھیں۔ ۱۔ آلاتِ جنگ۔ ۲۔ آلاتِ جنگ کو چلانے والے سپاہی۔ صحابہ کرامؓ کے مخالفین کے ہاتھ بہت موٹے تھے۔ سرد ملک کے رہنے والے لوگ بہت موٹے تھے یہاں تک کہ ان کے ایک کے مقابلہ میں صحابہ کرامؓ چار کا وزن برابر تھا۔ یرموک کی جنگ میں تیس ہزار مسلمانوں نے تین لاکھ کو شکست دی۔ اگر عرب تین ایک ترازو میں

ڈالے جاتے تو مخالف ایک کے برابر ہوتے۔ مخالف دنیا آلاتِ جنگ اور اعضاء کے لحاظ سے بہت زیادہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے عرشِ معلٰی سے اپنا کلام اتارا جس نے مسلمانوں کے دل میں اپنا رنگ بھر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا خیر کم من تعلم القرآن و علمه سب اولادِ آدم میں سے وہ بہتر ہوں گے جنہوں نے قرآن کو سیکھا اور سکھایا۔ قرآن اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اللہ تعالیٰ خود طاقتور ہے اور اس کی صفت بھی طاقت ور ہے۔ مسلمان کے دل اور روح میں رنگ بھر دیا۔ حضرت خالدؓ بن ولید جو اپنی قدرتی موت مرے فرماتے ہیں کہ سینکڑوں دفعہ موت کے منہ میں کودا ہوں لیکن جنگ میں شہادت نصیب نہیں ہوئی بستر پر مر رہا ہو۔ بہادری موت کو ٹال نہیں سکتی۔ بزدلی موت کو لا نہیں سکتی۔ جب حضرت خالدؓ بن ولید نے عراق فتح کر لیا۔ تو عراقی لوگ قتل کرنے کی سازش کر رہے تھے کہ افسروں کو قتل کر دیا جائے۔ جب انکی سازش کا علم ہو گیا تو حضرت خالدؓ بن ولید نے ان سازشیوں کو بلایا اور ان سے دریافت کیا کہ کیا سازش کر رہے تھے انہوں نے بھی سمجھا کہ چھپانے سے کچھ نہیں بنے گا تو انہوں نے صحیح صحیح بات بتا دی۔ سازشِ قتل کی تو سزا موت ہونی چاہیے لیکن بہادر قوم ہمیشہ فراخدلی اور رحمدلی سے کام لیتی ہے اور بزدل قوم ہمیشہ ظلم اور سختی سے کام لیتی ہے جیسے ہندو لوگ کل بادشاہ بنے ہیں مسلمانوں کا قتل شروع کر دیا ہے۔ خالدؓ بن ولید نے پوچھا کیا سازش کی ہے۔ انہوں نے کہا ہم میدان میں تو نہیں ٹھہر سکے ہم نے کہا کہ سازش سے قتل ہی کر دیں اس طرح کی دعوت دیں۔ شہد جو عربوں کی مرغوب غذا ہے اس میں زہر ملائیں اور ان کو پلا دیں چنانچہ شہد کے شربت میں ایک سخت قسم کا زہر اور تیز قسم کا زہر ملا ہوا رکھا ہے کہا کہاں ہے وہ زہر جو تم مجھ کو پلانا چاہتے ہو اور کہا کہ وہ کتنی طاقت کا ہے کہا کہ دس آدمیوں کو ہلاک کرنے کے لیے کافی ہے۔ فرمایا لاؤ اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر پی لیا۔ سب کی سب پی گئے کچھ بھی نہ ہوا۔ سب کچھ آسمان سے ہے۔ یہ واقعہ دلیل ہے اس امر کی

کہ ایمان اور قرآن سے اتنی طاقت آ گئی کہ قیصر و کسریٰ نہ ٹھہر سکے۔ مورخ لکھتے ہیں کہ اس چالیس کروڑ کے ملک پر ۱۸ سال کا محمد بن قاسم چھ ہزار فوج سے اور طارق سات ہزار فوج سے سپین وغیرہ میں غالب آئے ہیں آج کافروں کے ہاتھوں سے مسلمان کٹ رہے ہیں یہ سیاسی انقلاب قرآن نے پیدا کیا۔ اسباب تو سب مخالفین کے پاس تھے۔ معلوم ہوا اسباب کے تحت نہیں مسبب الاسباب کے باعث ہوا۔ قرآن کے نازل ہونے سے پہلے عرب مغلوب تھے۔ قرآن اترنے کے بعد سب پر غالب ہوئے۔ انسان میں یہ طاقت نہیں کہ اتنا بڑا انقلاب پیدا کر سکے۔

درس۔۱۰

۶۔۱۲۔۱۹۶۳

صداقت القرآن پر قانونی وتاثیری عمل

صداقت القرآن پر چھٹی دلیل۔ اس دلیل کا خلاصہ تاثیری اور قانونی ہے۔ قرآن کریم میں ایک خاص ایسی تاثیر ہے کہ جس پر انسان مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ تسلیم کرے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور انسان کا کلام نہیں ہے قرآن پاک بڑے اثرات رکھتا ہے۔ اور اللہ کا کلام ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا بڑا مقام ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے۔ حدیث ہے یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ عام حدیثیں جن کا مضمون اللہ تعالیٰ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دل میں اتار دیتا تھا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم وہ اپنے الفاظ مبارک میں فرما دیتے تھے۔ لیکن حدیث میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری طرف سے اس طرح کہہ دو۔ **فضل کلام الله علی کلام خلقه کفضل الله علی خلقه** اللہ کے کلام اور باقی تمام کلاموں کے مرتبے میں وہ فرق ہے جو اللہ تعالیٰ اور مخلوقات کے درمیان ہے۔ انسانوں کی لاکھوں کروڑوں کتابیں لائبریریوں میں موجود ہیں۔ لیکن ان کی حفاظت کے لیے کوئی خاص اہتمام نہیں ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی کتاب مکمل شکل میں محفوظ ہے اس لیے بھی یہ کلام صرف اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ ساری دنیا کی کتابوں سے اس کا درجہ اور مرتبہ ایسا اونچا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا۔ آج اگر کوشش کی جاتی ہے تو انسانی کتابوں کو پڑھنے اور سیکھنے کے لیے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کے لیے کوئی کوشش نہیں کی جاتی اس کی طرف بہت سستی ہے۔ یہ ہماری دین سے

بے رغبتی ہے ورنہ اس کتاب کا مقام اور مرتبہ کسی کتاب کو حاصل نہیں۔ صحیح مسلم شریف کی حدیثِ پاک حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے سنا من قرا حرفاً من کتاب اللہ فله، به حسنةً والحسنة بعشر امثالها۔ یہ (اعجازِ حروف ہے) جس شخص نے کلام پاک کا ایک حرف پڑھا ہر حرف کے بدلہ میں ایک حسنہ ملے گی یعنی ایک اعلیٰ نعمت ملے گی اور ایک حسنہ کے بدلے میں ویسی دس اور ملیں گی لا اقول الم حرف بل الف حرف ولام حرف و میم حرف گویا الم پر ۳×۱۰×۱۰=۳۰۰ حسنہ ملیں گی۔ معجم طبرانی میں حدیث آئی ہے قرآن شریف کی فضیلت کے بارے میں اور ایک حسنہ سو کے برابر ہے۔ گویا الم پر ۳۰ کی بجائے تین ہزار حسنہ ملیں گی۔ حسنہ کیا ہے یا نیکی کیا ہے۔ ایک عبادت ہے۔ ایک عمدہ نعمت ہے۔ جو دارِ آخرت میں ملے گی جس کے مقابلے میں دنیا کی تمام نعمتیں قبیح ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں قل متاع الدنیا قلیل ساری دنیا ملکر بہت کم چیز ہے اور آخرت کے لیے حکم ہے اذا رائیت ثم رایت نعیما و ملکاً کبیرا آخرت کو ملک کبیر بتایا گیا ہے اور دنیا کو قلیل فرمایا ہے۔ آج اگر حکومت کہے یا اعلان کرے کہ ایک حرف قرآن مجید پڑھنے پر ایک سو روپیہ ملے گا۔ تو کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جو رات دن پڑھے گا بلکہ بڑے بڑے افسر کرسیاں چھوڑ کر قرآن پڑھنے لگ جائیں اور پنسل، نوٹ بک وغیرہ ہمراہ رکھیں گے تا کہ نوٹ کرتے جائیں کہ کتنے حرف پڑھے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ دنیا کی طرف توجہ اور رغبت ہے اور دین اور آخرت سے بے پرواہی ہے۔ اگر ایک حرف پر صرف ایک روپیہ بھی انعام رکھنے کا اعلان ہو جائے تو وہ بھی بہت بڑی چیز سمجھی جائے گی۔ ترمذی شریف میں آیا ہے من قرأ القرآن و عمل به البس والده تاجا یوم القیمه نوره احسن من نور الشمس یہ تو اس کے والدین کے ساتھ انعام ہوگا کہ ان کی تاج پوشی کردی جائے گی مگر خود اس کا کیا درجہ ہوگا

وہ آگے آتا ہے۔ تاجپوشی تو ایک بڑی دھوم دھام کی رسم ہوتی ہے دنیاوی حقیر سی دھوم دھام کو دیکھ لیں ملکہ الزبتھ کی تاجپوشی کے موقع پر جہاں دنیا بھر کے نمائندے گئے ہوئے تھے اس قدر خرچ ہوا کہ صرف شراب ۳۴ کروڑ روپے کی پلائی گئی تھی اس کی کیا حقیقت ہے۔ آج یہ تاجپوشی ہوئی کل مرے گی تو کیڑے مکوڑے ناک، منہ، کان، زبان اور آنکھوں میں گھسیں گے۔ برطانیہ کی ساری شاہنشاہیت کیڑوں کے گھسنے اور گلنے سڑنے کو نہیں روک سکتی (یہ بھی صورت ہے کہ آج تاجپوشی ہوئی اور کل کو تخت سے اتار پھینکا)۔ پوری دنیا کی موجودہ آبادی کے لحاظ سے لاکھ میں سے ایک نے ملکہ کی تاجپوشی میں شرکت کی ہوگی۔ لیکن آخرت کی تاجپوشی اولین و آخرین، انبیاءؑ، صدیقین، شہدا کرام، علماء عظام غرضیکہ امیر و غریب ساری کائنات کے سامنے ہوگی۔ یہ تاج پوشی قرآن کریم کے پڑھنے والے بچے کے والدین کی ہوگی۔ ترغیب و ترھیب کے باب میں ایک حدیث آئی ہے۔ من قرأ القرآن و عمل بہ شفعہ اللہ من بیتہ عشراً کلھم من اھل النار۔ اپنے گھرانے کے دس آدمیوں کو جن کے لیے جہنم کا حکم ہو چکا ہوگا شفاعت کر کے چھڑائے گا۔ دنیا کی پھانسی دو منٹ کی بات ہوتی ہے پھندا گلے میں ڈالا تختہ کھینچا اور فوراً گردن ٹوٹ گئی اور آدمی مر گیا دو منٹ نہ سہی پانچ منٹ سہی جان نکلی اور درد و تکلیف وغیرہ ختم۔ لیکن آخرت کا عذاب و لایوثق و ثاقہ احد۔ اللہ تعالیٰ کے برابر کوئی عذاب نہیں دے سکتا۔ دکھ، درد، یا پھانسی والے کو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ میرا فلاں رشتہ دار اگر سفارش کرے تو مجھے چھوڑ دیا جائے گا تو اس کے لیے زندگی اور موت کا فرق ہو جائے گا اور یہ بڑی بات ہوگی۔ اگر آخرت کی پھانسی سے کوئی آدمی اپنے دس رشتہ داروں کو چھڑا سکتا ہو تو وہ کتنی بڑی بات ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حدیث مبارک ہے قرآن شریف کی برکت کے بارے میں۔ ایک شخص کے متعلق حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے ہے۔ مامن قوم اجتمع فی بیت من بیوت اللہ یقرؤن

القرآن ويتدار سونه الانزلت عليهم السكينة و غشهتم الرحمته و حفهم الملائكة و ذكرهم الله فی عنده. یعنی جولوگ کسی مسجد میں جمع ہوں اور قرآن مجید پڑھیں اور درس ہو قرآن پاک تو ان کے لیے چیزوں یا انعاموں کا وعدہ فرمایا ہے۔ا۔سکینہ، ۲۔رحمت کا ڈھانپ لینا، ۳۔فرشتوں کی معیت، ۴۔اللہ تعالیٰ کا ان کے متعلق فرشتوں کی مجلس میں ذکر کرنا، اللہ تعالیٰ کے دربار میں بندے کا ذکر کتنی بڑی بات ہے۔اخباروں میں نام چھپ جانا معمولی سی بات کو کتنا اچھا سمجھتے ہیں اخباروں کی کوئی حقیقت نہیں۔اکبر کہتے ہیں۔

وضع بدلی گھر کو چھوڑا کاغذوں میں چھپ گئے
چند روزہ کھیل تھا آخر کو سب مرکھپ گئے

اللہ تعالیٰ کے ہاں تذکرہ تو بڑی بات ہے اور بہت بڑی پائیدار چیز ہے۔حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ یہ تذکرہ صرف تذکرہ نہیں۔جس سے کوئی فائدہ نہ ہو(ایمان کا روح، روح کا اور دین کا، دنیا کا) غرضیکہ ہر طرح کا فائدہ ہوتا ہے سکینہ اور شرح صدر ایک ہی چیز ہیں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے پوچھا گیا کہ سکینہ کیا چیز ہے من یردا الله خیراً یشرح صدره لاسلام سینه کھول دینا۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا ہے ایمان میں جو سکینہ ہے وہ کیا ہے نور يقذف فی القلب امارته الانابة الی دارلخلود اس کی نشانی ہے کشش ہونا آخرت کی کمائی کی طرف اور دھوکہ جہاں سے دل سرد پڑ جانا۔موت کے آنے سے پہلے اس کے لیے سامان کرنا۔حضرت اشرف علی تھانویؒ نے آخری عمر میں فرمایا موت کے لیے مکمل تیار ہوں۔لیکن پیغامِ موت نہیں آتا انتظار میں بیٹھا ہوا ہوں۔سب چیزیں دے دیں۔صرف ایک بستہ، ایک قرآن پاک اور ایک کتاب جمع الفوائد جو تیس (۳۰) ہزار احادیث کا مجموعہ ہے اپنے لیے رکھ چھوڑے اب راہ دیکھ رہا

ہوں کہ کب موت آتی ہے غیر اللہ کی محبت ہو تو اس میں اللہ تعالیٰ نہیں آتا۔ جب ایک چیز ہٹے یا نکلے تو دوسری چیز آئے۔ غیر اللہ کی محبت جب دل سے نکل جائے تب ہی اللہ آوے۔ حضرت خواجہ عزیز الحسنؒ جو حضرت تھانویؒ کے خلیفہ تھے وہ کہتے ہیں کہ حضرتؒ پڑھتے تھے۔

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی
اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی

دل سے ہر چیز نکل گئی اب تو اللہ تعالیٰ کی محبت ہی محبت رہ گئی اس برکت کے متعلق ارشاد ہے **قل بفضل اللہ و برحمتہ فالیفرحوا ھو خیر مما یجمعون** اللہ کے فضل اور رحمت سے اپنا دل خوش کرو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے پوچھا گیا فضل اور رحمت کیا ہیں؟ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا فضل قرآن ہے اور رحمت قرآن پر عمل ہے قرآن کی دولت بہتر ہے۔ ان چیزوں سے جو سب انسان جمع کرتے ہیں سکینہ، رحمت اور فرشتوں کو نہیں دیکھتے۔ لیکن علامات اور نشانات سے پہچانتے ہیں جو لوگ درس قرآن میں حاضر ہو رہے ہیں۔ ان کی دوسری مجالس بھی ہوتی ہیں۔ اگر قلب سلیم ہو اور صحیح ایمان ہو تو قرآن کے درس کی مجلس میں آنے والوں سے پوچھو کہ جو دل کا حال قرآن کے درس کی مجلس میں ہوتا ہے وہ کیفیت کسی دوسری مجلس میں ہوتی ہے؟ ہرگز نہیں ہوتی۔ یہ اسی سکینہ رحمت اور **حفتھم الملائکہ** کا اثر ہے اسی طرح اثرات معلوم ہو سکتے ہیں۔ اثرات بڑی چیز ہیں۔ نیک لوگ وہی ہیں جو قرآن سے تعلق رکھتے ہیں۔

قانونی پہلو۔ قرآن پاک **الحمد** سے **والناس** تک شرعی، اخلاقی و دیگر پہلو ہیں لیکن اس میں زندگی کے قانونی پہلو بھی ہیں۔ عقائد، اخلاق، معاملات، معاشرت ہے۔ قرآن کی قانونی حیثیت وہ جو ایک غیر ملکی غیر مسلم محسوس کرے انگریزی دور کے شروع

میں۔ پادری فنڈر سے مولانا رحمت اللہ کا مناظرہ ہوا۔ مولانا مناظرہ جیت گئے پادری ہار گیا۔ حق غالب اور باطل مغلوب ہوا۔ پادری فنڈر نے مولوی رحمت اللہ صاحب سے پوچھا مولوی صاحب آپ کے پاس بڑی دلیل کونسی ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ مولانا جب دلیل بیان کرنے لگے تو پادری نے کہا پہلے مجھ سے سُن لیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں عیسائی ہوں اور آپ سے مناظرہ بھی کر چکا ہوں۔ آج دنیا بھر میں تعلیم کا بڑا زور بتایا جاتا ہے۔ ہماری لندن کی پارلیمنٹ قانون بناتی ہے۔ اور اس کے قانون ساز ممبر بڑے اونچے تعلیم یافتہ لوگ ہوتے ہیں لیکن قانون بنے کوئی مشکل سے چھ ماہ گذرے ہوتے ہیں کہ اس قانون میں غلطی نکل آتی ہے۔ جس کی بنا پر کہا جاتا ہے اس کی ترمیم کی جائے۔ اگر پوری دنیا کی ایک پارلیمنٹ ہو اور اس میں ساری دنیا کے بہترین قانون دان، فلاسفر اور زیرک آدمی اکٹھے کئے جائیں اور قانون بنائیں تو اس میں بھی غلطی نکلے گی۔ آخر یہ مجلس قانون ساز کا تسلسل اسی لیے ہے کہ ترمیمات اور تنسیخات ہوتی رہتی ہیں۔ قانون بدلتے رہتے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ غلطیوں کی اصلاح اور تدارک ہوتا ہے آپ کے ہاں قرآن کو ایک شخصِ واحد نے ظاہر کیا جس نے کسی مکتب میں الف، ب نہیں پڑھی تھی اور خالص امی تھے پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے دوسرے لوگوں کو جمع نہیں کیا کوئی مجلس شوریٰ بنائی ہو؟ اور تقریباً تمام لوگ جاہل تھے۔ **اذ بعث فی الامیین رسولا منھم** اس کتاب نے زندگی کے متعلق بڑے قوانین دیئے اور یہی کتاب ۱۴سو سال دنیا کے ساتھ چلتی رہی اور کوئی دانشمندانہ ترمیم کی ضرورت نہ ہوئی۔ اگر انسان کے دماغ کا نتیجہ ہوتی تو اس کے قانون بدلتے، ترمیمیں ہوتیں۔ جن مسائل میں عسائیوں نے اعتراض کیا۔ آخر انہوں نے سر ڈالا اور جھک گئے تین مسئلوں کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں۔

۱۔طلاق۔ شریعتِ اسلامی نے جب خاوند اور بیوی کے تعلقات خراب ہو جائیں تو محتاط طریقہ سے یہ حق استعمال کرنے کی اجازت دی ہے۔ بگاڑ ہو جانے کی صورت میں پہلے دو منصف درست کرنے کی کوشش کرتے ہیں پھر بھی نہ درست ہوں تو طلاق رجعی دیدے۔ تین ماہ اسے سوچنے کا موقعہ ملے گا اگر کسی غصہ یا جذباتی حالت میں دی ہو تو اس پر پھر سنجیدگی سے غور کرے پھر بیوی کو بیوی بنا سکتا ہے۔ اس کے بعد بھی اگر دماغ ٹھنڈا نہ ہو تو اور خانگی ضرورت کے تحت اور معاشرے کی اصلاح کے لیے تو دوسری طلاق دو اور پھر تیسری طلاق دے سکتا ہے۔ اس قانونِ طلاق پر بڑا مذاق اُڑایا گیا یورپ وغیرہ میں مگر پھر یورپ والوں نے بھی بے راہ روی اور مشکلات سے تنگ آ کر قرآنی قانون پیش کیا تھا۔ امریکہ میں چار کروڑ نکاحوں میں سے ایک کروڑ طلاقیں ہوئیں۔ خدا کا مذہب ہے حکیم و دانا ذات کا۔ انسان خوشی کے لیے کوشش کرتا ہے۔ جہنم اور بگاڑنے کے لیے نہیں اس لیے معاہدہ سے جڑے تھے اور معاہدہ ٹوٹا اور الگ الگ ہو گئے۔

۲۔ قرآن پر شراب حرام کرنے کا الزام تھا۔ امریکہ میں شراب کے بدنتائج سے ایک کمیشن مقرر کیا گیا۔ یو این او نے ڈاکٹر وزونوف سے تحقیقات کرائی۔ اس رپورٹ کا مصر نے عربی میں ترجمہ چھاپا۔ بورڈ نے تجربے کئے ایک کتیا کے پانچ بچوں کو لیکر چار کو تھوڑی تھوڑی شراب پلائی گئی ایک کو بلا شراب چھوڑا گیا کچھ عرصے بعد شراب والے چاروں کتے جلد مر گئے اور ایک جس کو نہ پلائی گئی بچا رہا۔ جن کو شراب پلائی گئی تھی ان کی عمر کم ہو گئی۔ لہذا نتیجہ نکلا کہ شراب زندگی کے لیے مضر ہے۔ اسی طرح پھر پانچ میں سے ایک کو پلائی گئی اور چار کو نہ پلائی گئی تو وہی ایک مرا چار بچے رہے۔ سکول اور کالج میں موازنہ کیا گیا دس ایسے بچوں کا انتخاب کیا جن کا ذہن برابر تھا ایک جیسی کتاب سب کو دی گئی دسوں ایک ہی وقت

میں برابر سطریں یاد کر سکتے تھے۔ ایسے انتخاب کئے گئے۔ دس کا حافظہ برابر معلوم ہوا۔ ایک جتنے وقت میں پانچ سطریں یاد کرتے تھے۔ دسوں برابر حفظ کرتے تھے ایک بچے کو آہستہ آہستہ شراب پلائی گئی باقی نو جن کو شراب نہیں پلائی وہ آہستہ آہستہ پانچ سطروں سے دس سطریں یاد کرنے لگ گئے اور وہ ایک جس کو شراب دی جاتی رہی پانچ کی بجائے چار اور پھر تین سطریں یاد کر سکا۔ حافظے کے لیے بھی شراب مضر ثابت ہوئی۔ یورپ اور امریکہ کی دنیا میں جب تک نوٹ نہ کی ہوئی ہو یاد سے تقریر نہیں کر سکتے۔ پہلے تیاری کرتے ہیں پھر پرچے پر مضمون لکھتے ہیں۔ اور سامنے میز پر رکھتے ہیں یورپ اور امریکہ کی قوت متخیلہ زبردست ہے لیکن حافظہ کمزور ہے ایک تو زنلیات قسم کی ہوتی ہیں وہ نہ بلکہ علمی مضامین کو لیں۔ علماء کرام اسلام شراب نہیں پیتے انہیں تیاری کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اعوذ باللہ اور بسم اللہ سے شروع کیا۔ اور عرش کا پرنالہ جڑ گیا۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ صاحب فرماتے ہیں ایک دن ایک جلسہ تھا ایک گاؤں جلال آباد میں۔ ان کے مواعظ کی یہ حالت تھی کہ ایک ایک آیت پر ہفتوں تک تقریر فرماتے رہتے۔ علم کے سمندر تھے۔ فرمایا جب سٹیج کی طرف جانے لگا میرے دل میں خیال آیا اشرف علی اچھی تقریر کرتا ہے اور بات بھی سچی تھی۔ خطبہ مسنونہ نحمدہ ونستعینہ پڑھا لوگوں کا بہت ہجوم تھا آیت پڑھی مضمون کوئی ذہن میں نہ آیا دس منٹ خاموش بیٹھے رہے انتظار کیا پھر خیال کیا کہ کوئی پرانا مضمون بیان کیا جائے۔ وہ بھی یاد نہ آیا۔ آدھ گھنٹہ اسی خاموشی میں گذر گیا اس کے بعد کہا دعا کرو طبیعت نہیں پھر کبھی وعظ کریں گے تنبیہ تھی خدا تعالیٰ نے فرمایا تو ہے کون وعظ کرنے والا میں اوپر سے برساتا ہوں تو وعظ کرتا ہے۔

درس۔۱۱

۸۔۱۲۔۱۹۶۳

شرحِ صدر

اس سے پہلے صدر کا بیان تھا۔ یہ اصلاح کے متعلق اہم مسئلہ ہے۔ اصلاح کے متعلق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حدیثِ مبارک حضرت نعمان بن بشیر سے صحیح بخاری و صحیح مسلم میں روایت ہے۔ لمبی حدیث شریف ہے جس کے آخری الفاظ یہ ہیں **ان فی الجسد لمضغة اذا صلحت صلح الجسد کله، واذافسدت فسد الجسد کله و هی القلب** انسان کے اندر سب سے بڑا جوہر دل ہے۔ اس پر سارے انسان کا سدھار اور بگاڑ منحصر ہے۔ آج دل بگڑ گیا ہے تمام واعظ اور کتابیں بیکار ہیں اور ارشادِ گرامی ہے حضور پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا کہ انسان نرا (صرف) انسان نہیں ہے بلکہ ایک حد تک حیوان بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نظامِ کائنات ایسا رکھا ہے کہ ایک کے بعد دو اور دو کے بعد تین اور تین کے بعد چار۔ دوسرے میں پہلے کی صفات ہیں تیسرے میں پہلے اور دوسرے کی صفات ہیں اور چوتھے میں پہلے تینوں کی صفات ہیں۔ کائنات کی تخلیق بھی اسی طرح فرمائی ہے کچھ بے جان چیزیں تخلیق فرمائی ہیں جیسے زمین اور پہاڑ جن میں وجود ہے۔ اور نشو ونما نہیں۔ زمین اور پہاڑ آغازِ پیدائش سے جیسے ہیں ویسے ہی ہیں۔ درخت کی طرح بڑھتے نہیں۔ اسی طرح سورج اور آسمان وجود ہے۔ نشو ونما نہیں ترقی نہیں۔ درخت پہلے چھوٹا ہوتا ہے پھر بڑا ہو جاتا ہے زمین، چاند، سورج ویسے ہی رہ جاتے ہیں۔ نباتات میں وجود کے علاوہ نشو ونما ہے لیکن ان میں احساس اور اپنے ارادے سے ہٹنا چلنا نہیں۔ ان

میں حس وحرکت نہیں۔ درخت ایک جگہ سے دوسری جگہ نہیں جاسکتا۔ تیسری قسم کی مخلوقات گائے، بھینس، بکری وغیرہ سابق مخلوقات کی ساری صفتیں ان میں موجود ہیں۔ وجود اور نشوونما ان میں موجود ہیں اور اسی طرح جانور رفتہ رفتہ بڑھتا ہے۔ ۱۔ وجود، ۲۔ نشوونما، ۳۔ اور تیسری صفت حس وحرکت ارادی بھی ہے۔ ان تین مخلوقوں کے بعد ایک چوتھی مخلوق سب کی سردار جس میں تمام مخلوقوں کی جامعیت رکھی ہے۔ حضرت انسان جس میں جمادات کی طرح وجود ہے نباتات کی طرح نشوونما ہے۔ حیوانات کی حس وحرکت بھی ہے اگر صرف اتنا ہو تو حیوان ہے۔ نیند، کھانا، پینا، حرکت کرنا، مادہ سے نر کا جفتی کرنا۔ اگر اتنی ہی چیزیں ہوں تو وہ جانور ہے مگر اس میں اللہ تعالیٰ نے ایک ملکیت کی صفت بھی رکھی ہے حیوانیت کے ساتھ ساتھ ملکیت بھی۔ رواجی دل مابین پستان کے نیچے عرفی سینے میں دل ہے اس کے اندر اللہ تعالیٰ نے ایک نور ڈالا ہے جسے صوفیاء کرام کی اصطلاح میں لطیفہء ربانی بھی کہتے ہیں گوشت والا دل تو حیوانوں میں بھی ہے لیکن وہ لطیفہء نور جو مرکز ہے اللہ تعالیٰ کی محبت، آخرت کی محبت، جنت کی محبت، دوزخ سے بچاؤ کی ترکیب وغیرہ سب اسی میں ہیں۔ سورۃ ق۔ **ذالک لمن کان له قلبه اَو القی السمع وهو شهید** سنے گا سب کچھ دل میں جگہ دے گا وہ ہمہ تن گوش ہو جائے گا یعنی کان ڈالے دے گا۔ بعینہ اسی طرح جیسے ایک قتل کے مقدمہ میں ماخوذ مجرم جو جج کے سامنے پیش ہوتا ہے سراسیمہ یا سرتاپا گوش بنا ہوتا ہے کہ خدا جانے جج صاحب کے منہ سے کیا حکم نکلے۔ ایک ملکیت ہے جس میں انسان کا دوسری مخلوق سے فرق ہے زمانہء حاضر میں کہا جاتا ہے ترقی ہے یہ نہیں سوچا جاتا کہ ترقی حیوانی ہے یا روحانی؟ صرف جسم کی لذت میں ترقی ہے۔ یہ نور یا لطیفہء نورانی ہر بچے کے دل میں ہوتا ہے جیسے حضور پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا ہے **کل مولود یولد علی الفطرة** کوئی اسے ترقی دیتا ہے کوئی اسے لٹاتا ہے فطری طور پر ہر آدمی یہ نور پیدا ہونے کے ساتھ

لے آتا ہے۔ ماں باپ اور ماحول کے اثر سے نور بجھ جاتا ہے ہمارے اعمال کا اس نور پر اثر پڑتا ہے جتنی نیکی کرے گا یہ نور بڑھتا جائے گا۔ نور کی قسمیں ہیں۔ جیسے دنیاوی نور چراغ، بجلی، سورج سب میں فرق ہے جوں جوں نیکی کرتا ہے نور ترقی کرتا ہے اور بڑھتا جاتا ہے۔ سارے جسم پر اس کا اثر ہوتا ہے اور جو گناہ کرتا ہے اسی نور پر اثر پڑتا ہے گناہ کرنے سے دل پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے اور پھر بار بار کرنے سے بالکل سیاہ ہو جاتا ہے۔ ارشاد ہے **اذا اذنب العبد نقطت فی قلبه نقطة سودا** جب دوسرا گناہ کرتا ہے تو دوسرا نقطہ پڑ جاتا ہے حتیٰ کہ سارے کا سارا ایسے ہو جاتا ہے جیسے لوٹا۔ جسے گرم کرنے کے لیے چولہے پر رکھا جاتا ہے مسلسل رکھا جائے تو اس کا نچلا حصہ بالکل سیاہ ہو جاتا ہے اسی طرح نور پر نیکی کا دارومدار ہے۔ یہ نور ایمان کی زندگی ہے جب نور ہے تو ایمان موجود ہے جیسے تیل کا تعلق روشنی کے ساتھ۔ ایمان شعلہ ہے۔ اس نور کا نور اگر باقی ہے تو ایمان باقی ہے اور ترقی ہے یہ ہے ملکیت اس کی ضد صفت ہے نفس، صوفیاء کرام کہتے ہیں کہ نفس کے معنی ہیں روحِ حیوانی قلبی اثرات سارے بدن میں ہیں۔ اس کی تخت گاہ یا مقامِ رہائش یا کرسی دل ہے ناف سے نیچے متصل نفس کا مقام ہے جو کہ خواہش پیٹ اور خواہش جماع کا سنگم ہے یا مقامِ اتصال ہے۔ اس نفس اور اس قلب میں حیوانی اور ملکیت دونوں طاقتوں کی ٹکر اور مقابلہ ہوتا ہے ملکیت جب نیکی پر آمادہ کرتی ہے تو نفس اس کو روکتا ہے اور ٹکر لگاتا ہے اس کا مقابلہ کرتا ہے اسی وجہ سے انسان کا مقام ملائکہ سے اونچا ہے ملائکہ میں صرف ملکیت ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا **واذقلنا للملائکة اسجد و** دراصل یہ سجدہ حضرت آدمؑ کی تعظیم کے لیے نہ تھا۔ بلکہ انسانیت کو سمجھانا تھا کہ آدمؑ نیک انسان تھے۔ نفس دشمن کے مقابلہ کے باجود نیک انسان نیکی کرتا ہے یہ صفت انسانیت کی ملائکہ سے فوقیت رکھتی ہے بہ نسبت ملائکہ کے۔ جن کے لیے گناہ کا کوئی محرک ہی نہیں انہیں گناہ کا امکان بھی نہیں۔ انسان کا مقام اس

لیے بلند ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ نفس چونکہ بدن کا حصہ ہے اس لیے نفس کا حق بھی بتایا ہے اور اس کے ضرر سے بھی بچایا ہے ایک حد تک۔ چنانچہ ہندوؤں کا جوگ پن نہیں۔ اسلام میں ہے کہ نفس کو مارا جائے۔ حضرت عبداللہؓ ابن عمرؓو حضرت ابن عاصؓ کو نیکی کا شوق اٹھا تو انہوں نے عہد کیا کہ رات بھر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہا کریں گے اور نیند ہرگز نہیں کریں گے اور عمر بھر روزہ رکھا کریں گے اور نکاح نہیں کریں گے۔ تینوں امور نفس کی لذت سے تعلق رکھتے ہیں اس کی اطلاع حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو ملی۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیسے بات ہے انہوں نے عرض کیا کہ واقعی ہم نے اسی طرح کا عہد کیا ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا خبردار ہرگز ایسا نہ کرنا تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے، **ولنفسک علیک حق** یہ فلسفہء انسانیت نبی امی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بتایا۔ آج کالج اور یونیورسٹیاں لاکھوں کروڑوں ہیں مگر یہ بات کسی نے سوائے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے نہیں بتائی۔ نفس پاکیزہ اور سلجھا ہوا نہیں۔ اس لیے ملائکہ کا مقام کم ہے شرافت اور کرامت کا انحصار اسی نفس پر ہے نفس کے حق ضائع نہ کرو۔ اسے نیند دو آرام دو۔ اسے اچھی طرح کھلاؤ، پلاؤ بھوکا پیاسا نہ رکھو، لیکن یہ بھی ساتھ ہی بتلا دیا کہ **ان اعلی عدو نفسک التی بین جنبک** تیرے اندر ایک دشمن ہے جو سب سے بڑا ہے۔ اس کی عداوت پر بھی اطلاع دیدی کسی نے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ صاحب سے پوچھا شیطان بڑا دشمن ہے کہ نفس۔ فرمایا نفس کہ شیطان کو شیطان کے نفس نے خراب کیا۔ **ان النفس لا مارة بالسوء فاما من خاف مقام ربه ونهی النفس عن الهویٰ فان الجنته هی الماویٰ** نفس بُری چیز ہے معلوم ہوا کہ انسانی وجود میدان جنگ ہے۔ اس لڑائی کی وجہ سے اسلام نے مجاہدہ کی تلقین کی ہے انسان دنیا میں اس لیے آیا ہے کہ مشقت اور تکلیف اٹھائے۔ ہر نیکی میں نفس مقابلہ کرے گا۔ اس

کی تبلیغ اس قدر موثر انداز میں ہے کہ نفس دل میں آپ کی آرزو کے مطابق خیال ڈالتا جائے گا۔ نفس نیکی کا مقابلہ کرتا ہے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کی پابندی میں رکاوٹ ڈالتا ہے گناہ کی ترغیب دیتا ہے اور ایسا سرسبز نقشہ دکھاتا ہے کہ آپ پگھل پگھل جاتے ہیں کہ گناہ کرنا چاہیے۔ دین اور آخرت مشقت اور تکلیف کے بغیر کیسے حاصل ہو کہ دنیا بھی بغیر مشقت اور تکلیف کے بغیر کیسے حاصل ہو کہ دنیا بھی بغیر مشقت کے حاصل نہیں ہوتی۔ شریعت احکام تکلیفہ کا نام ہے اور انسان مکلّف ہے پابندیء شرع کا۔ اور نفس چاہتا ہے آزاد رہے اور شرع کہتی ہے۔ پابند رہے۔ اس مقابلہ میں تکلیف ہوتی ہے اور رہتی ہے اس تکلیف کا نام ہے ایمان، دنیا میں دیکھ لیں کسی عہدہ یا ملازمت کے لیے پہلے تعلیم یا تربیت حاصل کرنا پھر امیدواری کرنی پڑتی ہے پھر ملازمت ہوتی ہے ایک ماہ کرنے کے بعد تنخواہ ملتی ہے کتنی مشکل دیکھنی نصیب ہوتی ہے اسی طرح زمین۔ ہل چلاتا ہے پھر زمین ہموار کرتا ہے۔ پھر پانی دیتا ہے ہل ڈالتا ہے بیج ڈالتا ہے رکھوالی کرتا ہے۔ پھر کھیت پکنے پر کاٹتا ہے بیلوں سے روندواتا ہے صاف کرتا ہے پھر پسواتا ہے چھلنی سے صاف کرتا ہے آٹا گوندھتا ہے پھر پکواتا ہے پھر کھانا تیار ہوتا ہے اتنے مراحل طے کرنے کے بعد کہیں کھانا نصیب ہوتا ہے ہر کام کو مکمل کرنے کے لیے کتنی تکالیف برداشت کرنی پڑتی ہیں جنگ میں سینہ توپ کے آگے رکھا جاتا ہے اور یہ بھی صرف تنخواہ کی خاطر تو کیا جنت اور آخرت کی نعمتیں بغیر تکالیف اٹھائے مل جائیں۔ یہاں تکالیف اٹھاؤ اور آخرت کی نعمتیں حاصل کرو مجاہدہ ہے نفس کا دو غلطیاں ہوتی ہیں دین کے لیے مسلمان عادی نہیں رہے۔ پہلے لوگ دین کے لیے بڑی تکلیفیں اٹھاتے تھے۔ جنگِ یرموک میں ایک شخص کے بازو پر تلوار لگی تو وہ کٹ کر لٹک رہی تھی تو وہ کافروں سے جنگ میں رکاوٹ دے رہی تھی چنانچہ اسے پیر کے نیچے دیا اور توڑ کر بازو سے الگ کر کے پھینک دیا اور پھر جنگ میں مصروف ہو گیا اور جہاد کرتا رہا۔ ہر تکلیف کا

مقابلہ کرنا پڑتا ہے حفت الجنة بالمکارہ و حفت النار باللذات ایک دفعہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیلؑ کو حکم دیا کہ جا کر دوزخ کا معائنہ کر آؤ جب دیکھ آئے تو پوچھا کیا دیکھا؟ عرض کی اگر اس کی اطلاع لوگوں کو مل جائے تو ایک شخص بھی اس میں نہ جاوے۔ یعنی اس سے اتنے خائف ہوں کہ ایک شخص بھی بُرائی نہ کرے اس طرح پھر جنت کو دکھلوایا پھر پوچھا تو عرض کی اگر اس کی لوگوں کو پوری طرح خبر ہو جاؤ تو ایک شخص بھی اس سے محروم نہ رہے اس کی لذت اس کی نعمتوں اور آرام کو معلوم کر کے ہر شخص ایک نیک ہو جائے کہ سب اسی میں آ ویں۔ نقشہ بدل دیا۔ خواہشات کا نقشہ دوزخ کے ساتھ جوڑا اور تکلیف کا نقشہ جنت کے ساتھ۔ پھر جبرائیلؑ نے کہا کہ دوزخ کے اردگرد جو خواہشات کی چیزیں ہیں سب اکٹھی کر دی گئی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ سے کوئی بھی نہیں بچے گا۔ اسی طرح جنت کے راستے میں اتنی تکالیفیں رکھ دی گئیں ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص بھی جنت میں نہ پہنچے گا۔ ہمارے اور دوزخ کے درمیان ایک مرغوبات کا چمن ہے جنت اور ہمارے درمیان ایک تکالیف کا فاصلہ ہے۔ نفس آرام چاہتا ہے بس مقابلہ ہوتا ہے حیوانیت اور ملکیت کا اس مقابلہ میں جو جیتا اسی کا بیڑا پار۔ بیہقی کی حدیث حضرت فضیلہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے۔ المجاھد من جاھد نفسہ فی طاعتہ اللہ یعنی مجاہد صرف وہی ہے یعنی مجاہد کامل کون ہے جہاد میں ہزاروں سر کاٹنے والا نہیں۔ جہاد کرنے والا نہیں۔ بلکہ وہ جو اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرے۔ اللہ کی بندگی کے لیے جہاد کرے۔ شریعت کی بات پر عمل کرے جنگ کے میدان کا جہاد چھوٹا جہاد ہے نفس کا جہاد یا نفس کے ساتھ مقابلہ کرنا جہادِ اکبر ہے جو مسلسل ہے پیدا ہونے سے قبر تک کرنا پڑے گا اس میں مبتدی اور منتہی دونوں غلطیاں کرتے ہیں بعض اسے مانتے نہیں والذین جاھدو فینا لنھدینھم سبلنا وان اللہ لمع المحسنین نفس سے ڈرنا نہیں چاہیے

ہمت کر کے مقابلہ کرنا چاہیے پھر اس کی اللہ تعالیٰ امداد کرتا ہے انسان خود اس طرح اپنا شوق اپنی رغبت لگائے پھر کامیابی اللہ تعالیٰ دے گا۔ کتاب وسنت نے بتلایا مومن کے لیے نفس کا مقابلہ کامیابی کی کنجی ہے مبتدی تو شروع سے مجاہدہ نہیں کرتا۔ بعض کچھ بعیت کے بعد کچھ اذکار کرے یا چلہ کاٹنے کے بعد کہتے ہیں کہ بس اب بزرگوں کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ بزرگوں کی صحبت اور ان کی رشد وہدایت کی مرتے دم تک ضرورت ہوتی ہے جس نے مجاہدہ کا کام شروع ہی نہیں کیا۔ اس کی مثال اس گھوڑے کی ہے جس پر سواری نہیں کی گئی۔ اس کو سدھارنے کی ضرورت ہے جس نے مجاہدہ کیا ہوا اس کی مثال سدھائے ہوئے گھوڑے کی ہے۔ اس پر بھی نظر رکھنے کی ضرورت ہے کیونکہ گھوڑا آخر جانور ہے کسی وقت بگڑ جائے اس لیے اگر آغازِ کار ہے تو خوب محنت کرنی چاہیے تاکہ نفس اللہ کے فرمان کے تابع ہو جائے اور اگر کئی مجاہدے کئے ہیں اور کئی چلے کاٹے ہوئے ہیں اس کا تب بھی خیال رکھنا چاہیے۔ کہ آخر جانور ہے کسی وقت بھی بگڑ جائے۔ شرح صدر کا مقام اگر انسان حاصل کرنا چاہے اور نفس کو تابع کرنے کے لیے مجاہدہ کرنا چاہے تو سب سے پہلے نفس مال کی پھر جاہ کی رغبت دیتا ہے حب مال اور حب جاہ یہ نفس کے دو جال ہیں حصولِ مال سے شریعت منع نہیں کرتی۔ مال مقصود ہے زکوٰۃ، حج اور صدقات وغیرہ شریعت نے اصل چیز کو ضروری قرار دیا ہے اور مخالف اثرات کو مٹایا۔ حب مال سے سود کی لالچ ہوتی ہے۔ رشوت کی لالچ ہوتی ہے حرام وحلال کی پروا نہ کرنا۔ ظالم کو ظلم سے بعض نہ رکھنا۔ چور کو چوری سے نہ روکنا۔ ڈاکو کو ڈاکہ زنی سے نہ ہٹانا۔ ہمارا نظام اسی لیے درہم برہم ہوتا ہے کہ یہ سب مظاہرے ہیں حب مال کے جس سے بڑا بننے کی خواہش ہوتی ہے حب مال سے زیادہ خطرناک حب جاہ ہے یا حب اثر۔ مال کی بھی محبت ہوتی ہے اور اثر بڑھانے کی بھی۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے کسی نے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے الغیبة اشد من الزناء

غیبت زنا سے بُری ہے غیبت کہتے ہیں کہ پسِ پشت کسی کی بُرائی کرنا اور بُرائی بھی ایسی جو اس میں ہو اور اگر وہ بُرائی اس میں نہ ہو تو وہ غیبت نہ ہوگی بلکہ بہتان ہوگا جو غیبت سے بھی بڑھ کر ہے۔ حاجی صاحبؒ نے فوراً جواب دیا۔ زنا سے غیبت اس لیے بُری ہے کہ زنا گناہ ہے قوت باہ کا، قوت مردمی کا، گویا زنا باہی گناہ ہے اور غیبت انسان اس لیے کرتا ہے کہ دوسرے کو گرا کر اور اپنے آپ کو بڑھائے چڑھائے لہذا زنا ہے معصیت باہ اور غیبت ہے معصیت جاہ جو زیادہ لطیف ہے اور زیادہ دیر سے نکلتی ہے اس جذبہ کو جڑ سے اکھاڑنے کے لیے وقت لگتا ہے مال اور جاہ یہ دو بنیادی چیزیں ہیں۔ اس کے لیے بزرگان دین نے ایک مراقبہ ترتیب دیا ہے (شرح صدر کے لیے) مراقبہ فناء و بقاء فرصت کا وقت نکال کر چاہے دس منٹ ہو دن کی نسبت رات بہتر ہے اور روشنی نہ ہو کیونکہ روحانی ترقی اس وقت ہوتی ہے جب دن کی روشنی نہ ہو کیونکہ توجہ تقسیم ہو جاتی ہے بزرگان دین کہتے ہیں روشنی بجھائے اور روح بقبلہ ہو کر بیٹھ جائے قلب کی طرف متوجہ ہو اور مراقبہ کرے۔ **کل من علیها فان** اور **ما عندکم ینفد و ما عند الله باق** دنیا میں جو کچھ ہے مٹنے کے لیے ہے اور اگر وہ چیز رہ جائے تو آپ خود مٹ جائیں گے۔ یا سب چیزیں مٹ جائیں گی یا آپ مٹ جائیں گے یا مر جائیں گے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ دوامی ہے گو فناء دنیا اور بقاء آخرت یہ تصور کرے زبان سے کچھ نہ کہے۔ قلب پر توجہ کرے اور یہی تصور رکھے فنا دنیا اور بقائے آخرت کم از کم دس منٹ مراقبہ کرے اس کی وجہ سے نفس کمزور پڑ جائے گا یہ نفس پر ظاہر کر دے گا کہ وہ وقت قریب ہے عنقریب آنے والا ہے جبکہ مٹ جائے گا۔ اس لیے آخرت کی شہرت کیوں نہ حاصل کرو۔ جس کو زوال نہیں۔ دنیاوی زندگی تو ایسے ہی ہے جس کا کچھ یقین نہیں۔ چلتے چلتے سائیکل پر، ریل گاڑی میں، کہیں بھی موت آ جاتی ہے جان نکل جاتی ہے دوسری چیز نفس کا غلبہ اس لیے ہوتا ہے کہ اللہ کے ساتھ ہماری محبت کم ہوتی ہے

جہاں محبت کا غلبہ ہو نفس شکست نہیں دے سکتا عورت کے ساتھ محبت ہو اس کا اتنا اثر ہوتا ہے کہ جو کام کہے اس کے مقابلے میں نفس کی بات نہیں مانی جاتی ہر ذلت اور خواری کو برداشت کیا جاتا ہے لیکن محبوب کی بات مانی جاتی ہے۔ اس کے لیے مراقبہ نعمت ومابکم من نعمة فمن الله جو نعمت ہے سب اللہ کی ہے انسان تو محض ایک اپنی کا قطرہ تھا اور تھا بھی ایسی جگہ پر جہاں کسی کا ہاتھ نہیں پہنچتا تھا یعنی رحم میں۔ اندر ہی اندر غذا کا انتظام کیا۔ پھر پیدائش کے بعد دودھ کا انتظام کیا۔ پھر دنیا کا دسترخوان اتنا وسیع بنایا۔ ہم لوگ ایسے غافل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں نہیں سمجھتے۔ بچے ہوں صحت ہو۔ سب اللہ کی نعمتیں ہیں مراقبہ کے لیے رات ہو، روشنی نہ ہو، تخلیہ ہو نفس بُرائی سے خالی ہو۔ رات کو بہتر ہے تہجد کے وقت نہ تو عشاء کے بعد۔ تعداد اصحابؓ بدر تین سو تیرہ (۳۱۳) لا الہ اللہ پڑھے۔ الا اللہ پر زور دے اور اللہ کی محبت کو دل میں داخل کرے زور سے کہے کہ اس کے کان سُنیں نہ کہ لوگوں کو بے آرام کرے تو نمبر ا۔ مراقبہ فناء و بقاء، ۲۔ مراقبہ نعمت، ۳۔ کلمہ شریف کا ذکر ۳۱۳ دفعہ روزانہ کرے اصلاح نفس اور شرح صدر کے لیے یہ خاص نسخہ ہے۔

فہرست

تقریظ

حضرۃ شاہ نفیس الحسینی مدظلہ

الحمدللہ وحدہ والصلواۃ والسلام علی من لانبی بعدہ،

مخدوم العلماء حضرت علامہ مولانا سید شمس الحق افغانی عارف ربانی رحمتہ اللہ علیہ کی ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ برصغیر کے چوٹی کے علماء کرام میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

خاتم المحدثین حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ کے سر برآوردہ تلامذہ میں ہونے کا انہیں فخر حاصل ہے۔ حضرت مولانا افغانی کی ایک اور خصوصیت جو انہیں معاصر علماء کرام میں ممتاز کرتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ آپ جدید و قدیم علوم سے کامل طور پر بہرہ ور تھے۔ مذہب اور سائنس میں تطبیق کا انہیں ایک خاص ملکہ حاصل تھا۔ ان کی شخصیت اپنے وقت میں مرجع علماء رہی۔ ان کی تدریس کا زمانہ بھی خاصا وسیع ہے۔ دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ اسلامیہ ڈابھیل جیسے اداروں میں انہوں نے تدریس کی خدمات انجام دیں۔ آخر زمانہ میں وہ جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں اولاً شیخ التفسیر و بعدہ، رئیس الجامعہ کے منصب پر فائز تھے۔ اس منصب کو ان کے علم و فضل نے چار چاند لگائے۔ قیام بہاولپور کے زمانے میں ان کا چشمہ علوم قرآنی موجیں مارتا رہا۔

حضرت افغانی نے شروع میں مدرسہ فاروقیہ تجوید القرآن کی مسجد میں اور بعد میں حکومت کی خواہش پر بہاولپور کی شاہی مسجد میں ۱۹۶۳ء سے لے کر ۱۹۷۳ء تک باقاعدگی سے قرآن پاک کا درس دیا۔ اس عرصہ دس سال میں آپ نے صرف تعوذ، تسمیہ، سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ کے چار رکوع پر دروس بیان فرمائے۔ (آپ نے یہ دینی خدمت بغیر کسی معاوضہ کے ادا کی)۔ اہل علم کی ایک بہت بڑی تعداد اس سے مستفیض ہوتی رہی۔ سعادت مند تلامذہ نے ان کی اچھوتی تحقیقات کے نکات اپنے سینوں میں محفوظ کئے۔ ان حاضرباش علماء میں (جناب مولانا) عبدالغنی کو ایک خاص امتیاز حاصل ہے کہ انہوں نے اپنے محبوب استاد کے دروس قرآنی کو لفظ لفظ محفوظ کرلیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم و عمر میں برکت عطا فرمائے کہ اب وہ حضرت افغانی کے علوم قرآنی کو زیور طباعت سے آراستہ کرکے افادۂ عام کے لئے منصۂ شہود پر لے آئے ہیں اور جگہ جگہ عنوانات قائم کرکے دروس کی افادیت کو دوبالا کر دیا ہے۔ (مولانا) عبدالغنی صاحب کتابت و طباعت کا بھی بہترین ذوق رکھتے ہیں۔ پیش نظر کتاب اس کا منہ بولتا نمونہ ہے۔ کتاب کے تمام مصارف بھی انہوں نے خود ہی برداشت کئے ہیں۔ ایک خطیر رقم انہوں نے اس کتاب پر خرچ کی ہے۔ ایسا کام ایک بے پناہ جذبۂ محبت ہی سے کیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ (مولانا صاحب کی) اس خدمت کو قبول فرمائے اور تاحیات انہیں خدماتِ دینی انجام دینے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

نفیس الحسینی

(۳/۱۷ اکریم پارک راوی روڈ لاہور)

انظر شاہ ابن الانور استاذ تفسیر و حدیث
بیت الحکمت دیوبند

برادرم محترم جناب مولانا عبد الغنی صاحب

تحیہ مسنونہ

میں سفر میں تھا کہ آپکا گرامی نامہ پہونچا واپسی پر شرف مطالعہ نصیب ہوا، آپ نے بھی کمال کر دیا۔ حسن ظن کی بھی ایک حد ہوتی ہے اور پھر مجھ ایسے بے بضاعت و کوتاہ قلم سے حضرت علامہ افغانی علیہ الرحمتہ کے تفسیری افادات پر "تحیتہ الکتاب" لکھنے کی فرمائش ایک زنگی کو رومی قرار دینے کے مترادف ہے، بھلا خاک نشین ان شخصیتوں سے متعلق کیا لکھے جو آسمان علم پر مہر نیم روز بنکر چمکے اور جن کی رحلت اپنے پیچھے تاریکیاں چھوڑ گئی تاہم گونا گوں جن روابط کا آپ نے ذکر فرمایا انکا تقاضہ تھا کہ تعمیل ارشاد کر دوں بھاگم بھاگ چند صفحات سیاہ کر دیئے اگر آپکی "جناب علم و کمال" میں کسی حد تک قابل قبول ٹھرے تو میری سعادت ہو گی ناپسندیدہ ہونے کی صورت میں لاہور جامعہ اشرفیہ میں مولانا اکرم صاحب

کشمیری مدیر "الحسن" کو بھیج دیجئے کہ وہ ایک کم سواد کی ٹوٹی پھوٹی تحریروں کو بھی چھاپ دیتے ہیں۔ یہ عجیب اتفاق ہے کی بھاولپور دو بار جانا ہوا لیکن آپکی زیارت سے محرومی رہی، حرماں نصیب تو ہمیشہ ہی رہا ھوں ایک صاحب جانے والے مل گئے ان ہی کو پوسٹ کرنے کے لئے دے رہا ہوں خدا کرے کہ آپکو مل جانے وصول یابی کی اطلاع ضرور دیجئے تاکہ تردد دور ہو۔

السلام علیکم و علی من لدیکم

والسلام علیکم وعلی من لدیکم

مقدمہ

حضرت علامہ سید محمد انظر شاہ صاحب کشمیری مدظلہم (دیوبند)

مشہور ہے "کلام الملوک، ملوک الکلام" کہ بادشاہوں کا کلام، کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے بشرطیکہ بادشاہ اکبر بادشاہ نہ ہو جسکی علم و فن سے ناواقفیت شہرہ آفاق ہے اگرچہ مجلس علماء میں نشست و برخاست سے اس نے بڑی حد تک کم سوادی کی تلافی کر لی تھی تاہم جہالت اسے کن کن تاریک گوشوں میں دھکیلتی رہی اور کیسی کیسی اندھی گلیوں میں وہ داخل ہوا جہاں سے نکلنے کیلئے نہ کوئی راستہ تھا نہ گلی، رود کوثر نامی تصنیف میں اگرچہ اکبر کے دامن پر موجود بہت سے دھبوں کو دھونیکی کوشش کیگئی ہے تاہم فکرو نظر و دلائل واستدلال کی راہ سے ہٹ کر حقائق کو معلوم کرنیکا ایک ذریعہ صحیح کشف و وجدان بھی ہے اگرچہ اسکو نہ ماننے والے عجمی تصوف کی ایک شاخ قرار دیکر ردوقدح کے ہتھیاروں سے مسلح کھڑے دکھائی دینگے تو آپ انکار و تردید کی اس تیرہ و تار فضا کو فراست مومن کا عنوان دیجئیے جسکا اعلان و اظہار خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، چنانچہ عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب نقشبندیؒ

جو دارالعلوم کے دارالافتاء کے سربراہ اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے برادر بزرگوار تھے، اپنے وقت میں نقشبندیت کے امام، جنکی معرفت آگہی کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ خانقاہ سراجیہ کندیاں کے اب سے پہلے معلم شاہراہِ طریقت و استاذ راہ معرفت حضرت مولانا عبداللہ صاحب مرحوم انہیں مفتی صاحب سے بیعت تھے مفتی صاحب مرحوم کی فراستِ ایمانی پر اکابر دیوبند کا عام اتفاق تھا، جس میں خود جبل العلم علامہ کشمیری علیہ الرحمۃ بھی ہیں یہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک بار اکبر بادشاہ کے مقبرہ پر پہونچے اور ایک سیکنڈ کے توقف کے بغیر یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے کہ "ظلمت ہی ظلمت ہے" رود کوثر کے مصنف کو فراستِ ایمانی کا یہ فیصلہ شاید مطمئن نہ کرسکے لیکن معلوم ہے کہ یہ تیز رفتار کائنات ابھی ایسے قلوب و دماغ سے خالی نہیں ہوئی جنکے لیئے مفتی صاحب کا یہ ارشاد دلیل قوی اور برہانِ قاطع ہے اور تعجب کیوں ہے جو اسلام کے اجالے کو کفر کی اندھیری سے مغلوب کررہا تھا اور اسی گیتی میں نور کے بجائے ظلمت کیجانب لپک رہا تھا اگر برزخ و آخرت میں اسکے حصہ میں ظلمت ہی لگادی گئی تو داورِ حقیقی کا انصاف تو اسی کا متقاضی ہے قال لم حشرتنی اعمی الخ

ہاں بادشاہ محی الدین اورنگزیب عالمگیر انار اللہ برہانہ جیسا ہو جنکا ظاہر و باطن علم و عرفان کی جلوہ گاہ تھا دل نورِ ایمان سے منور اور

دماغ علوم شریعت کا مخزن ایسے بادشاہوں کا کلام واقعتاً کلاموں کا بادشاہ ہے پھر اس مقولہ کو آپ شہنشاہیت کے دائرہ میں کیوں محدود رکھنا چاہتے ہیں، سلطنت علم کے بھی تاجدار گزرے ہیں جنہوں نے تختِ علم و ہنر پر بیٹھکر علم کی فرمانروائی کی ہے اور چونکہ اس گوشہ میں چھوٹے بڑے ممتاز و مشہور علم کی پہاڑیاں، علوم کے جبال گزرے ہیں تو وہ بھی اپنے اپنے علم کیمطابق کوئی راجہ کوئی مہاراجہ تو کوئی نواب تو کوئی بادشاہ کی حیثیت سے علم و آگہی کی تاریخ میں اپنا روشن نام جلی و اجلٰی القاب کے ساتھ چھوڑ گئے ہیں۔ ابن تیمیہ رحمتہ اللہ علیہ کا کلام اپنے شایان شان ہے، ابن دقیق العید رحمتہ اللہ علیہ کی گفتار انکے بلند مقام کے حسب حال ہے۔ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ اپنے مقام سے بولتے ہیں۔اور بدر عینی رحمتہ اللہ علیہ اپنے منصب سے، ذرا آگے بڑھئیے چاروں آئمہ کی ژرف نگاہی بتاتی ہے کہ کوئی خسرو علم ہے تو کوئی خاقانِ فنون، یہ فرق مراتب ہر جگہ نظر آئیگا اور اسی فیتہ سے ناپ کر شخصیتوں کے بارےمیں شاہ و شنشہاہ کا فرق کیا جائے گا، بہرحال قرآن کریم خدا تعالٰی کا کلام ہے اہل ایمان تو اس پر یقین و ایقان رکھتے ہیں۔کہنا تو یہ ہے کہ

جنھوں نے نزول قرآن کے دور میں آپ پر نازل وحی کا انکار کرتے ہوئے نبوت ورسالت کے انکار کی راہ ہموار کی تھی زبانیں توانکی جو چاہے کہہ رہی تھیں مگر وہ تاثرات جو جستہ جستہ مخالف حلقہ کے نقل ہو کر ہم تک پہونچے ان سے واضح ہے کہ قرآن کے کلام اللہ ہونے کا یقین ان کے بھی رگ و پے میں سرایت کر چکا تھا پھر عصر حاضر میں جو طبقہ عربی بلاغت و فصاحت پر واقف کارانہ نظر رکھتا ہے وہ بھی قرآن حکیم کے اسلوب اور بدیع انداز کو دیکھ کر اسے آسمانی والہامی صحیفہ تسلیم کرنے پر خود کو مجبور پا رہا ہے قرآن کریم کی اثر آفرینیوں کے حیرت انگیز مدہوش واقعات تاریخ میں موجود ہیں، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہی کو لے لیجیئے، انکی جلالت و جلادت کے مسلسل واقعات جو ہم تک پہونچے ان کے پیش نظر کیا کوئی مرعوب کن شخصیت کوئی شمشیر برہنہ۔کوئی نیزہ یا برچھی عمر رضی اللہ عنہ کو متاثر کر سکتی تھی؟ یہ قرآن ہی تھا جس نے ابن خطاب رضی اللہ عنہ کے قلبی عالم میں انقلاب برپا کر کے قالب کو منکر کے بجائے مُقر، مشرک کے بجائے موحد بنا ڈالا، اور جس دل و دماغ میں محمد بن عبداللہ البطحائی کو نمٹانے کا منصوبہ پک رہا تھا قرآن ہی نے

اس دل و دماغ کو نفرتوں کے بجائے محبتوں، عداوت کے بجائے الفت اور جاں نثاری و فدائیت کی ادائیں سکھائیں اور خدا جانے یہ قرآن کتنی زندگیوں میں انقلاب برپا کر چکا اور کتنے وہ نہاخانہ باطن ہیں جو کفر کی تاریکیوں سے اٹے ہوئے تھے دیکھتے ہی دیکھتے نورِ ایمان سے بیت المعمور ہو گئے، یہ بات توضمناً قلم پر آ گئی عرض یہ کر رہا تھا کہ جب یہ احکم الحٰکمین کا کلام ہے جو شئونِ مختلفہ کا مرکز اور جسکی شان۔ کل یوم ھو فی شان۔ ہے اگر وہ اپنی شان کیمطابق کلام کرتا تو کیا وہ کسی کی گرفت میں آتا الم ۔ حم ۔ عسق ۔ کھیعص ۔ ان مقطعات کو کوئی رازیؔ، کوئی زمخشریؔ، زمخشری کوئی سیوطی، کوئی ابوحیانؔ حل کر سکا؟ مجھے ایک واقعہ بار بار یاد آتا ہے یہ میرے استاذ مولانا قاری اصغر علی صاحب مرحوم جو حضرت علامہ کشمیری کے شاگرد تھے اور بعد میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے معتمد، کا سنایا ہوا ہے، جس سال وہ دورہ حدیث میں تھے ریاست رامپور کے ایک حاذق عالم جو ابن تیمیہ کے غالی معتقد تھے انکی سیاسی دلچسپیاں ریاست برداشت نہ کر سکی اور جلاوطن کر دیئے گئے چند سال عرب ممالک میں گزارنیکے بعد ہندوستان آئے اور پھرتے

پھرا تے دارالعلوم دیو بند پہونچ گئے، اتفاقاً درسِ بخاری شریف میں شرکت کی خود امام کشمیری رحمتہ اللہ علیہ ابن تیمیہ رحمتہ اللہ علیہ کے مداحین میں تھے، چنانچہ فرماتے کہ ابن تیمیہ رحمتہ اللہ علیہ کی رفعتِ علم کو دیکھنے کیلئے سر اٹھاتا ہوں تو ٹوپی گر جاتی ہے رفعتِ علم نظر نہیں آتی یہ بھی ارشاد ہے کہ شریعت مصطفوی آئینہ کی طرح ابن تیمیہ رحمتہ اللہ علیہ کے ہاتھ میں ہے تاہم ابن تیمیہ رحمتہ اللہ علیہ کی خامیوں پر بھی نظر تھی فرمایا کہ "عربیت میں کچے ہیں منطق میں غیر حاذق ہیں حدتِ مزاج کی بناء پر اپنی ہی کہتے ہیں دوسروں کی نہیں سنتے" سوء اتفاق جس دن یہ رامپوری عالم درسِ بخاری میں پہنچے کشمیری الامام رحمتہ اللہ علیہ "استواء علی العرش" کے مسئلہ پر ابن تیمیہ و ابن قیم رحمتہ اللہ علیہ کے خیالات پر شدید احتساب کر رہے تھے رامپوری عالم ابن تیمیہ رحمتہ اللہ علیہ کی عقیدت میں غلو رکھتے تھے یہ نقد و جرح ان کے لئے وجہ اشتعال بن گیا دفاع میں سرگرم ہو گئے، ادھر سے جواب، جواب الجواب، مزید مستزاد بحث تین دن پر جا پہونچی، تیسرے دن کشمیری الامام رحمتہ اللہ علیہ نے دریافت کیا کہ ابن تیمیہ کے اصول استنباط کیا ہیں؟ وہ

سات ہی بتا سکے، علامہ کشمیری نے دس کا اور اضافہ کرکے ہر اصل و قاعدہ کا اضمحلال نمایاں کیا، استاذِ مرحوم فرماتے کہ تیسرے دن جب حضرت شاہصاحب کا علم و فن آبشار کی طرح بہہ رہا تھا تو رامپوری عالم اپنی نشت سے اٹھے اور صف تلامذہ کو چیرتے ہوئے حضرت علامہ رحمتہ اللہ علیہ کے رو برو ہو گئے اور بولے "خدارا کچھ کلام اتر کر کیجئے میں ہی آپ کی بات نہیں سمجھ رہا ہوں یہ طلبہ تو کیا خاک سمجھیں گے" سیدنا الامام رحمتہ اللہ علیہ نے مسکرا کر فرمایا "مولوی صاحب! بہت اتر کر کلام کرتا ہوں کون کہاں تک اترے"۔ اس واقعہ کی روشنی میں فیصلہ چنداں دشوار نہیں کہ خدا تعالی اگر اپنی شان کیمطابق کلام کرتا تو عام و خاص تو درکنار امت کے چیدہ چیدہ رجالِ کار بھی ایک حرف کی بھی گرہ کشائی پر قادر نہ ہوتے یہ تو اس کا فضل و رحمت ہے کہ مخاطبین کی سطح سے قریب ہو کر کلام فرمایا ایسا نہ ہوتا تو پورا قرآن ہی مقطعات بن جاتا۔

راقم الحروف تو یہ سمجھتا ہے بلکہ یہی صحیح ہے کہ قرآن فہمی کا جس حد تک دروازہ کھلا یہ اسی وقت ہے جبکہ بلند شان والے نے مخاطبین کی رعایت سے نازل ہو کر کلام فرمایا ولقد یسرنا القرآن "

یسّرنا پر ذرا غور کیجئے اور اسکی گہرائی و گیرائی میں اترنے کی کوشش کیجئے کہ کرنے والے نے آسان کیا ہے بذاتِ خود آسان نہیں ویسے بھی محقق مفسرین نے لکھا ہے کہ تسہیل و تیسیر صرف ذکر کی حد تک ہے یعنی قرآن کے مضامین سے نصیحت کا اخذ و اقتباس آسان ہے۔

اعجازِ قرآن ہی کے مسئلہ کو لیجئے کم از کم مسلمانوں کا تو یہی عقیدہ ہے اور ہونا بھی چاہیئے کہ قرآن معجزہ ہے لیکن اسکا اعجاز کس اعتبار سے ہے، آیا لفظی درو بست، ان منتخب الفاظ سے معانی کا آبشار، قرآن کا بدیع اسلوب، قرآن کی تاثیر واثر آفرینی، اسکا ایجازواختصار اسکی اخبارات بالغیب، ماضی میں پیش آمدہ واقعات کی حکایت، اعجاز قرآن کو متعین کرنے کے لئے مباحث کا ایک انبار ہے اور اس اعتراف کے باوجود کہ

لم یدرا اعجاز القرآن الا الا عرجان احد هما من
زمخشرو ثانیهما من جرجان

یعنی زمخشریؒ صاحب کشاف اور عبد القاہرؒ گورگانی مؤلف دلائل الاعجاز و اسرار البلاغہ تاہم یہ دونوں اعجازِ قرآن کے مبحث میں اساسی شخصیت ہونیکے باوجود جب اعجاز قرآن کے مرکزی نقطہ کو متعین نہ

کر سکے تو بلاغت کے میدان کے ایک شہسوار نے گھبرا کر کہدیا کہ یہ بھی اعجاز قرآن ہے کہ آجتک اسکا اعجاز متعین نہ ہو سکا امام کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اسی مشہور مقولہ کی حکایت فرماتے ہوئے نعرہ زن ہوئے و انا ثالثھما و انا من ھندوستان" بخاری کتاب التفسیر میں انکا اعلان متعلقہ اعجازِ قرآن عروج پر پہونچکر قرآن کے اعجاز سے نقاب کشائی کرتا مگر بات وہی ہے، کہ قرآن کی معجز بیانی ابتک واضح نہ ہو سکی۔

"ربط" کا مسئلہ لیجئے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی گئیں زمخشری، رازی وغیرہ، روابط کے بیان میں اہتمام سے کام لیتے ہیں حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے سبق الغایات نامی تالیف تیار کی مگر یہ مسئلہ بھی الجھ کر رہ گیا اور دو نقطہ نظر سامنے آ گئے (۱) قرآن مربوط نہیں۔ (۲) قرآن مربوط ہے، چھوٹا منہ بڑی بات، چالیس سالہ مدتِ تدریس میں کم از کم تیس سال تو خاکسار کے ایسے گزرے کہ بلا واسطہ قرآن و قرآنیات درس کا اہم موضوع رہا اور آخری یہ دہائی بالواسطہ قرآن ہی سے متعلق درس و تدریس میں گزر رہی ہے میری مہمل کاوشوں کا حاصل یہ ہے کہ قرآن مربوط ہے

زعم باطل نہیں تحدیث نعمت کے طور پر عرض ہے کہ قرآن کو ابتداء سے انتہا تک آغاز سے تا انجام مربوط دکھا سکتا ہوں مگر یہ لاینحل اسوجہ سے ہو جاتا ہے کہ مثلاً مبتدا کیساتھ فوراً خبر کی تلاش میں سرگرمی دکھائی جاتی ہے حالانکہ قرآن کا اپنا مستقل اسلوب ہے وہ امام ہے مقتدی نہیں، اپنا اسلوب خود لیکر آیا ہے نزولی عہد کے مروج اسالیب کی کلیتہً ہمنوائی نہیں کرتا اسے یوں سمجھیئے کہ سورہ بقرہ کے اوائل میں موضوع "بحث الکتاب" ہے اجمالی دعوی ذالک الکتاب لاریب فیہ۔ ہے ذیلاً "الغیب" کا ذکر آگیا تو اسکی اہمیت بتائی گئی کہ وہ ایمان کا ایک شعبہ ہے تقسیم در تقسیم کے طور پر الغیب پر ایمان رکھنے والے، عالم غیب سے جاری احکام پر عمل کرنے والے الذین یقیمون الصلوۃ الخ منکرین غیب الذین کفروا الخ ادھر میں لٹکے ہوئے یعنی منافقین ان سے فارغ ہو کر پھر وہی مسئلہ "الکتاب" کا وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا الخ دیکھا معنوی مبتدا کی خبر کہاں نکلی، سورہ آل عمران کے اوائل میں پھر الکتاب زیر بحث ہے الم اللہ لاالہ الاھو الحی القیوم الخ یہاں اگرچہ ایک خاص پس منظر کے تحت یعنی وفد نجران کی آمد۔ الوہیت عیسی و عبدیت

عیسیٰ کی بحثیں کلمہ القھا الی مریم کی آڑ لیکر فکر کی کجی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جو کچھ کہا جارہا تھا اسی کی تردید میں "الکتاب" کو ہر دو حصوں یعنی متشابہات و محکمات میں تقسیم کیا گیا۔ اور خاص طور پر تورات کا ذکر آیا کہ اسکے مندرجات سے مہمل دعاوی کی عمارت کھڑی کیجارہی تھی تو اس مشاغبہ میں "الفرقان" نے حق و باطل، صحیح و غلط کے مابین، حد فاصل کھڑی کردی کہ یہ سب کچھ ہے تاہم مضمون وہی "الکتاب" کا سامنے ہے۔

دوسری مثال لیجئے: سبحن اللہ و الحمد للہ ہم قرین پاکیزہ کلمات ہیں اب ذرا دیکھئے "سورۃ اسراء" کا آغاز سبحان سے ہے ارشاد ہے سبحن الذی اسریٰ بعبدہ الخ ابتداء میں اس اسم کا انتخاب اسلئے ہے کہ مختصر وقفہ میں معراج کا طول وطویل سفر خدا تعالیٰ کی بے پناہ قدرتوں سے باہر نہ سمجھا جائے ضعف و کمزوری عیب ہے جس سے وہ قادر و مقتدر پاک و بری ہے۔ اب غور کیجئے اس لفظ کے انتخاب اور موقعہ کی برجستہ مناسبت پر سورۃ کہف کا آغاز جو سورۃ اسراء سے متصل ہے الحمد للہ الذی انزل علی عبدہ الکتاب سے ہے النبی الاجل کے شایان شان یہ تھا کہ آپکو اوپر اٹھا کر سب کچھ دکھایا

بتانے جسکا تذکرہ اسراء میں گزرا، دنیا سے تعلق رکھنے والوں کے
حسب حال یہ ہے کہ کم از کم عجائبات سنا دیئے جائیں، یہی وجہ ہے
کہ الکھف میں اصحاب کھف کا واقعہ، ذوالقرنین کے حیرت انگیز
اذکار، موسیٰ علیہ السلام و خضر علیہ السلام کی ملاقات خضر علیہ السلام کے اقدامات، اسکے
نتیجہ میں تخریب و تعمیر کا فلسفہ، ہر آبادی کے بعد ویرانی، سرو
سامانی کے بعد بے سروسامانی دکھا دی گئی سنادی گئی، اور لیجئے
"اسراء" کے آخیر میں ہجرت کیلئے اشارتاً و کنایتہً اطلاع دیتے ہوئے
اس مہم کو سر کرنے کیلئے اسی سے استعانت کی راہ سوجھائی گئی تھی
جو واقعی معین ہے استعانت کا انداز بشکل دعا تعلیم کیا گیا رَبِّ
ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق "مدخل صدق" سے مراد مدینہ
ہے اور "مخرج صدق" سے مراد مکہ معظمہ، اس تعبیر نے اسکو بھی
نمایاں کر دیا کہ مدینہ آپ کی تشریف آوری سے پہلے ہی "مدخل
صدق" ہے جب ہی تو ہجرت کے بعد بطور مستقر اسکا انتخاب ہوا اور
آپ اگرچہ مکہ کی ترکِ سکونت کر چکے مگر وہ بدستور "مخرج صدق"
ہے اگرچہ آپکے وجود باجود کے ہوتے ہوئے اتنا ضرور تھا کہ وہاں
منکر ساکنین پر عذاب نہ آئے جیسا کہ ارشاد ہے ماکان اللہ لیعذبھم

وانت فیہم اور آپکی ہجرت کے بعد عذاب آئے یا آیا، اس سے مکہ کے "مخرجِ صدق" پر کوئی اثر نہیں پڑتا ایک حدیث میں ہے کہ دین مکہ سے سانپ کی طرح نکلا گھوم پھر کر بالآخر مدینہ پہونچ جائے گا الامام کشمیری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "حیرت تھی کہ دین ایسی پاکیزہ و مصفی چیز کو سانپ جیسے موذی و مہلک جانور سے کیوں تشبیہ دی؟ پھر علمائے حیوانات کی وضاحت نظر سے گزری کہ سانپ کا حافظہ بےحد تیز ہوتا ہے اپنی بمبی (بل) سے نکل کر میلوں ادھر ادھر ہو جاتا ہے پھر اپنی بمبی میں لوٹ آتا ہے"۔ ایک حدیث میں مکہ معظمہ کا بھی ذکر ہے کہ دین مکہ سے نکلا اور وہیں لوٹ آئیگا، بات صاف ہے کہ "مخرج صدق" مکہ ہے، جہاں سے دین نکلا اور "مدخلِ صدق" مدینہ ہے جہاں قرب قیامت میں سمٹکر رہ جائیگا، یہ گفتگو تو ذیلاً آ گئی بات تو یہ چل رہی تھی کہ سورہ اسراء کے خاتمہ پر ہجرت کا اشارہ دیدیا گیا تھا سورہ کہف میں مقاصد سفر متعین کر دیئے گئے کہ حفاظت ایمان کیلئے ہو، جیسا کہ اصحاب کہف نے کیا، طلب علم کیلئے ہو، جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے کیا، عادلانہ حکمرانی کیلئے ذوالقرنین کا سفر اسی لئے ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی

ہجرت ان تینوں مقاصد پر حاوی ہے مکہ کی زمین پر جب متاع ایمان کا تحفظ دوبھر کر دیا گیا۔ تو ہجرت تحفظ ایمان ہی کیلئے تھی، مدینہ پہونچتے ہی صُفّہ کی درسگاہ اور طلبہ کا ہجوم اشاعت علم کا ذریعہ بن گیا، آنیوالے تحصیل کر رہے تھے معلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فیضان علم کر رہا تھا، یہیں پر فداہ ابی وامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عادلانہ نظامِ حکومت قائم کیا جسکی برکات و ثمرات خلافتِ راشدہ تک پہونچیں، اور یہ بھی تو دیکھئے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفر معراج کیا جو روحی تھا قرآن کی مسافت اوپر سے نیچے ہے جو نزول ہے اور لیجئے ابتداء سورہ کہف میں ارشاد ہے انا جعلنا ما علی الارض زینۃ الخ تخلیق کائنات سے "لیبلوھم ایھم احسن عملا" یعنی صرف عمل مقصود نہیں بلکہ حسن عمل درکار ہے دوش بدوش یہ بھی ہے وانا لجاعلون ما علی الارض صعیدا جرزاً کہ ہری بھری اور تمہاری اس شاداب دنیا کو چٹیل میدان بنا دیں گے دعوی ہے اور کوئی دعوی بلا دلیل نہیں ہوتا دلیل کے طور پر اس مغرور رئیس کا قصہ سنا دیا گیا جو اپنے باغ کی وسعتوں اور دلفریب مناظر پر مغرور ہو کر کہہ رہا تھا ما اظن ان تبید ھذہ ابداً کہ خزاں اس تک راہ نہیں پا سکتی مگر کیا ہوا سب کچھ برباد فاصبح یقلب کفیہ کفِ افسوس ہی ملتا رہ

گیا، جو یہ منظر دنیا ہی میں دکھا سکتا ہے کیا وہ اسپر قادر نہیں کہ پوری کائنات ہی کو درہم برہم کر دے، گویا کہ دعوی مع الدلیل آ گیا، پھر یہ بھی بتا دیا گیا کہ تخریب و تعمیر کے فلسفہ میں ان گنت حکمتیں ہیں، چنانچہ خضر علیہ السلام نے کشتی توڑ دی تخریب تھی، معصوم بچہ کی زندگی کو خاک آشنا کر دیا مظاہرہ تخریب تھا، شکستہ عمارت کو درست کر دیا، منظر تعمیر تھا، تو دنیا کو جب بنایا وہ بھی ایک مصلحت تھی اور جب اس خوبصورت و زیبا عمارت کو برابر زمین کیا جائیگا تو وہاں بھی حکمت ہو گی خوب کہا ہے ڈاکٹر اقبال مرحوم نے

وداع غنچہ میں ہے رازِ آفرینش گل
فنا فنا ہے یا مئے زندگی کی مستی ہے

اور یہ بھی تو ہے کہ نئی تعمیر کیلئے پرانے آثار مٹانا پڑتے ہیں رومی کہتے ہیں،

گفت رومی، ہر بناء کہنہ کہ آباداں کنند
می فدانی اول آں آباد را ویراں کنند

تو جب تک اس دنیا کا موجودہ نقشہ برہم نہیں کیا جائیگا صبح آخرت کیسے نمودار ہو گی؟ یاد رہے کہ اسی سورۃ میں مؤمنِ مسکین کی

جس تنبیہ کا ذکر آیا ہے کہ مغرور رئیس کو اسکے باغ کی سر سبزی اور شادابی زہت و نکہت کے انبار پر بجائے کبر و غرور کے، تمام دولتوں اور نعمتوں کو منعم حقیقی سے وابستہ کرتے ہوئے "ماشاء اللہ" کا کلمہ کہنے کی تاکید کی، تھی گویا کہ کلمہ کی تاثیر واثر انگیزیوں پر اطلاع ہے۔ پھر دیکھئے اسی سورۃ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ولاتقولن لشایٔ الخ کا انتباہ کیا گیا پس منظر وہی ہے کہ آپ نے کیے ہوئے سوالات کی جوابدہی کیلئے بطور خود وقت متعین کر دیا تھا اور "انشاء اللہ" استعمال نہیں کیا تھا یہ تو ملحوظ ہو گا کہ "غداً" سے صرف کل آیند مراد نہیں آنیوالا لحہ مراد ہے خواہ وہ فوراً ہی آئے یا تاخیر سے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ اسی سورہ کہف میں ذوالقرنین کی اس دیوار کا تذکرہ ہے جو یاجوجی ماجوجی غارتگروں سے بچاؤ کیلئے کھڑی کی گئی،۔ حدیث میں ہے کہ اسے توڑنے کی مسلسل کوششیں ناکام ہو رہی ہیں، قرب قیامت میں وقت متعین پر وہ یہ کہکر شکست و وریخت کے کام کو چھوڑ دینگے "کل انشاء اللہ یہ دیوار توڑ دیجائیگی" اور اس کی برکت سے واقعی وہ ریزہ ریزہ ہو جائیگی، الامام کشمیری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ " ان شاء اللہ کی برکات واثر و تاثیر اسوقت

سامنے آئینگی جب اسے کلام کے آخیر میں استعمال کیا جائے" یہ ربط کی وہ کوشش ہے، جو سورہ کہف کو بطور مثال پیش کرتے ہوئے قرآن کے مربوط ہونیکا راقم الحروف یقین رکھتا ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے۔ اور خود حدیث و آثار صحابہ سے مؤید کہ قیامت آجائیگی لیکن کسی کا یہ دعوی قابل قبول نہ ہو گا کہ قرآن فہمی کے تمام مراحل طے کر لیے گئے،۔ ابھی بہت سے دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں جنھیں اتھاہ علم برابر اٹھاتا رہیگا جو کچھ کہا گیا اور کہا جائیگا اگر وہ اسلام کی بنیادی تعلیمات اور مسلم عقائد و افکار سے متصادم نہیں تو اسے تفسیر بالرائے کہنے کا کوئی جواز نہیں۔ معلوم ہے کہ تفسیر بالرائے اور اسکی تفسیر و تشریح میں قیل و قال کا زبردست مشاغبہ ہے لیکن سطور بالا میں جو عرض کر چکا ہوں کہ نت نئے مضامین جو قرآن میں پیدا کیے گئے اور پیدا کیے جائیں گے اگر وہ اسلامی معتقدات و مسلمات سے مزاحمت نہیں کرتے تو بقول بغوی رحمتہ اللہ علیہ انھیں تفسیر بالرائے نہیں کہا جا سکتا اور یہی صحیح ہے، علوم کے بحر ذخار خشک ہو جائیں گے عقولِ انسانی دنگ ہو کر رہ جائیں گی، تفسیر کے انبار لگا دیئے جائینگے، قرآنیات سے متعلق

لائبریریاں کھڑی کر دی جائینگی لیکن قرآن کو سمجھنے اور سمجھانے کا دعوی، ازل سے ابد تک کیے ہوئے باطل مزعومات میں سب سے بڑا ہیچ پوچ دعوی ہو گا، الامام کشمیری رحمتہ اللہ علیہ تو فرماتے تھے کہ تفسیرِ قرآن کا مطلب اس سے زیادہ نہیں کہ ہر شخص اپنی سطح کے مطابق قرآن کے مرغزار سے لطف اندوز ہو رہا ہے، عامی اپنے انداز میں، خواص اور اخص الخواص اپنے بلند و بالا معیار کیمطابق، یہ بھی فرماتے کہ "کلام یا تو بہت ہی بلند و بالا ہو گا یا ارزل و اسفل، یہ کلام الٰہی کی شان ہے کہ وہ نہ معیار سے فروتر ہوا اور نہ اسکے بلند قامت معیار تک رسائی" ہے۔

سرزمین بھاولپور ماضی میں اسلامی ریاست رہی، ایک ریاست میں نشیب و فراز، تعمیر و تخریب، قدر افزائی، علم نوازی، عروج و زوال، ترقی و تنزل، جو کچھ ہو سکتا ہے چشم فلک نے یہاں سب کچھ دیکھا ہے، مگر اسی زمین پر ایک وہ تاریخی واقعہ پیش آیا جس نے بھاولپور کو تاریخ عالم میں منفرد حیثیت دی، یعنی کفر و ایمان، حق و باطل کی آخری معرکہ آرائی اسی رزم گاہ میں پیش آئی، وہی قادیانیت کا مشہور مقدمہ جسمیں "ختم نبوت" کی حفاظت

کرنیوالوں میں ایک نمایاں شخصیت علامہ انور شاہ کشمیری رحمتہ اللہ علیہ کی سامنے آئی، اپنے چند روزہ اس بیان میں جو عدالت میں قادیانیت کے کفر اور قادیانیوں کو کافر قرار دینے کیلئے دیا جا رہا تھا قادیانی تزدیر و تلبیس کے تاروپود بکھیر دیئے اور عدالت کو قادیانیوں کی تکفیر کا فیصلہ کرنے کیلئے پر شکوہ علمی دلائل اور پروقار براہین سے کفر و ایمان کی حقیقت سمجھائی، پاکستان میں ختم نبوت کے تحفظ کی موجودہ گاڑی جو لائن پر دوڑ رہی ہے اگرچہ وہ یہ فراموش کر رہی ہے کہ لائین کس نے بچھائی تھی؟ تاہم تاریخ اپنے سینہ میں اس معمار و مؤسس کی کوششوں و کاوشوں کو محفوظ کر چکی اب اگر کوئی بھولتا ہے یا بھول جانا چاہتا ہے تو خیال یہی ہے کہ ایک سراپا اخلاص نے جس سوز و تپش سے یہ منزل طے کی تھی ذوالمنن اس پر اجر غیر ممنون عطا کرتا ہی رہیگا، پھر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پہنا ور دریا میدان کے سینہ پر خود ہی موجزنی کرتا ہے، روانی تھمتی ہے توفیض بخش موجیں اپنے اثرات چھوڑ جاتی ہیں، چند روزہ ریاست بہاولپور کے اس قیام میں کشمیری علیہ الرحمتہ نے قادیانیت کے استیصال کیلئے علم و فن، دین و دانش کے جو گہرے نقوش چھوڑے ہیں خدا

تعالےنے اسکا سلسلہ اسطرح باقی رکھا کہ آپکے ایک نامور اور باختصاص شاگرد حضرت مولانا سید شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ المغفور بھاولپور میں سالہا سال مقیم رہ کر اپنے منفرد، ممتاز استاذ کے علوم کے ترجمان ثابت ہوئے، حضرت مرحوم سے شعور میں تو شفاہی ملاقات کا کبھی موقعہ نہیں ملا البتہ اپنی کم سنی میں جب وہ دارالعلوم میں بحثیت استاذ تشریف فرما تھے، شرفِ زیارت حاصل کرچکا ہوں، جسم وجثہ، قدوقامت، خدوخال، صورت وشباہت، ابتک حافظہ میں محفوظ ہے اور یہ بھی عجیب سانحہ ہے کہ مرحوم کی حیات طیبہ میں پاکستان کے کئی اسفار ہوئے، لیکن بھاولپور میں قیام کی بنا پر لاہور وکراچی کا مسافر زیارت وملاقات کی سعادتوں سے محروم رہا، تاہم ان کی علم وفن میں انفرادیت و تام امتیاز کی بتواتر خبریں کانوں میں پڑتی رہیں۔

مولانا سلطان الحق صاحب القاسمی ناظم کتبخانہ دارالعلوم دیوبند جو ستر سالہ دارالعلوم کی تاریخ کے امین تھے اور اپنے فہم وذکاء کی بناء پر اشخاص ورجال کی علمی دسترس پر بھرپور نظر رکھتے بارہا ان سے سنا کہ حضرت افغانی رحمۃ اللہ علیہ ان عبقری اشخاص میں تھے جنہیں

طلبہ کے بجائے اساتذہ کے استفادہ کیلئے مامور کرنا چاہیئے تھا۔

عم محترم مولانا سیف اللہ شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سابق استاذِ دار العلوم دیو بند نے یہ بھی سنایا کہ جب یہ افغانی رحمۃ اللہ علیہ طالب علمی کیلئے تشریف لائے تو حضرت علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ان بھائی سے فرمایا کہ" یہ طالبعلم علم جفر ورمل خوب جانتا ہے ان سے پڑھ لو کسی وقت کام آئیگا"

مرحوم قلات ریاست میں وزیر علوم و معارف الشرعیہ بھی رہے اور ڈابھیل میں اپنے استاذ کے جانشیں بھی، یہ انتخاب خود اس بات کی علامت ہے کہ دانش و بینش میں یہ فاضل روز گار فخرِ روز گار سمجھا جاتا، انہیں کے دروسِ قرآن کو برادر محترم مولانا عبد الغنی (صاحب) بھاولپور میں ترتیب دے رہے ہیں اگرچہ اس تالیف کی زیارت سے محروم ہوں تاہم مکہ مدینہ زادھما اللہ شرفا کے تقدس و عظمت سے کون مسلمان آگاہ نہیں، خود ان مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کی ہو یا نہیں اگر قلب و دماغ کسی کی عظمت سے متاثر ہیں اور دنیا نے اس کی ہمہ جہت شخصیت پر اعتماد کیا ہے تو بن دیکھے بھی قلم اٹھایا جا سکتا ہے۔ ایمان و ایمانیات کا بہت بڑا حصہ تو

غیب ہی سے تعلق رکھتا ہے۔ پھر ایسا بھی نہیں کہ حضرت مرحوم کے فیضان علم سے یکسر محرومی رہی ہو، بعض تالیفات جو علم ریز قلم نے تیار کیں، نظر سے گزریں اور ان کے مطالعہ نے دل و دماغ پر منفرد عظمتوں کا بوجھ ڈالا ہے، حیرت اس پر ہے کہ مولانا عبدالغنی صاحب زید کرمہ نے اس بے بضاعت کا افتتاحیہ کیلئے انتخاب کیا، کیا صرف اس لئے کہ حضرت افغانی رحمتہ اللہ علیہ حضرت علامہ کشمیریؒ کے علم کے خوشہ چین تھے اور مجھ حقیر کو الامام کشمیری رحمتہ اللہ علیہ سے ایسی نسبت ہے جو مرحوم کیلئے باعثِ ناز نہیں بلکہ شرمساریوں کا عبرت انگیز باب کھولنے والی ہے، میرا حال تو وہ ہے وہ جامی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا اور صحیح

بندہ عشق شدی، ترک نسب کن جامی

کہ اندریں راہ فلاں ابن فلاں چیز ے نیست

تعمیل ارشاد کے طور پر بھاگتے دوڑتے چند صفحات سیاہ کر دیئے، اس ہیچ افروز تحریر سے "غنی" یقینا غنی ہے۔ خدا تعالیٰ سے کیا بعید ہے کہ وہ اکابر کی بہترین یادگار اصاغر کے حسن ظن کو ایک اصغر القوم کیلئے وسیلہ نجات بنا دے اور "الکتاب" سے متعلق

یہ ناقص تاثرات زادراہ ہوں ۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز

وانا احقر الافقر محمد انظر شاہ المسعودی

خادم التدریس بدارالعلوم وقف دیوبند

یکم جمادی الاول ۱۴۱۳ء بروز ہفتہ

سیّد محمّد داؤد جان صاحب افغانی مدظلہم

حضرت افغانی رحمتہ اللہ علیہ کے چھوٹے صاحبزادہ صاحب حضرت سید محمد داؤد جان صاحب افغانی مدظلہ نے خطبات افغانی رحمتہ اللہ علیہ کتاب میں طباعت کیلئے علمی واقعات اور گھریلو حالات پر مبنی چند صفحات کا مضمون بھیجا تھا جو تاخیر سے پہنچا۔ اس مضمون کو تفصیلاً تو "خطبات افغانی رحمتہ اللہ علیہ" کے آنیوالے نئے ایڈیشن میں شائع کرونگا جس کی کمپیوٹر پر مزید چند نئے خطبات کیساتھ کتابت شروع ہے۔ مگر کچھ واقعات برکت کے طور پر اس کتاب میں درج کرتے ہیں۔

۱۔ اس وقت میں یہ عرض کرتا ہوں کہ حضرت قبلہ گاہی رحمتہ اللہ علیہ ایک طرف تو میدانِ علم کے شہسوار مانے جاتے تھے لیکن دوسری طرف گھریلو زندگی میں اس قدر سادہ واقع ہوئے تھے کہ ہم لوگ اس سادگی کو دیکھکر دنگ رہ جاتے تھے۔ ہم نے یہ کبھی نہیں دیکھا کہ انہوں نے کھانے پینے کی کسی چیز میں کوئی عیب نکالا ہو بلکہ معمولی معمولی کھانوں کی بہت تعریف کیا کرتے

تھے۔ تیز مرچ کھانیکی وجہ سے آپکو پیچش کی شکایت ہو جاتی تھی اگر کبھی غلطی سے سالن میں مرچ زیادہ پڑ گئی تو آپ رحمتہ اللہ علیہ مرچ کا ذکر کئے بغیر دوودھ کی فرمائش کرتے اگر دودھ موجود نہ ہوتا تو فرماتے صرف روٹی بھی کافی ہے۔ والدہ محترمہ رحمتہ اللہ علیہا جو سادگی میں حضرت قبلہ گاھی کی پوری تصویر تھیں فرمایا کرتی تھیں کہ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی یہ عادت بہت پرانی ہے کہ کھانے پینے کی چیزوں کے معاملے میں آپ رحمتہ اللہ علیہ نے کبھی تنبیہ نہیں فرمائی۔

۲۔ کتب بینی۔ گھر میں جب بھی تشریف فرما ہوتے تو کتابوں کے ڈھیر کیساتھ ہوتے۔ اتنے انہماک سے مطالعہ فرماتے کہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوتے۔ کبھی کبھی آپکو دورانِ مطالعہ مسکراتے دیکھا ہے۔ وجہ دریافت کی تو فرمایا ہمارے بزرگوں نے عجیب عجیب علمی نکتے بیان فرمائے ہیں۔

۳۔ فرمایا ایک مرتبہ حضرت مدنی رحمتہ اللہ علیہ کے ہاں رات ٹھرا۔ تہجد کے وقت حضرت مدنی رحمتہ اللہ علیہ میرے لئے لوٹا بھر لائے حالانکہ دوسرے خدام موجود تھے۔ میں نے عرض کی آپ نے کیوں تکلیف کی۔ فرمایا مہمان کا اکرام بھی ہے۔ میں

نے عرض کی لیکن آپکے اکرام سے مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔ فرمایا مجھے کسی کی تکلیف سے کیا غرض۔ مجھے تو سنت پر عمل کرنا ہے۔

۴۔ فرمایا ایک مرتبہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ اور کئی دوسرے علماء کرام اکھٹے بیھٹے یہ بحث فرما رہے تھے کہ کتاب (خلاصتہ الحساب) پڑھانے کیلئے کس استاد صاحب کو دیجائے۔ اتنے میں حضرت مدنی رحمتہ اللہ علیہ تشریف لانے فرمایا کہ یہ کتاب کماحقہ یا میں پڑھا سکتا ہوں یا پھر حضرت افغانی صاحب رحمتہ اللہ علیہ پڑھا سکتے ہیں لیکن ہم دونوں مصروف ہیں۔ آگے آپکی مرضی۔

۵۔ خدا کی دین تھی کہ علامہ افغانی رحمتہ اللہ علیہ کو علامہ کشمیری رحمتہ اللہ علیہ جیسا استاد مل گیا۔ علامہ افغانی رحمتہ اللہ علیہ کو علامہ کشمیری رحمتہ اللہ علیہ سے حد درجہ محبت تھی اور اپنے استاد کے حوالے سے عجیب علمی و روحانی باتیں اپنی مجالس میں بیان کرتے تھے۔ بقول علامہ افغانی رحمتہ اللہ علیہ ایک دفعہ علامہ کشمیری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ افغانی (رحمتہ اللہ علیہ) تم میرے علوم کو صرف یاد کرتے نہیں بلکہ گھول کر پی لیتے ہو اور وہ علوم

تمہارے وجود کا حصہ بن جاتے ہیں۔ میں نے کہا حضرت یہ تو آپ کی تفہیم (سمجھانے) کا کمال ہے کہ اپنے علوم کس قدر مہارت کیساتھ اپنے شاگردوں کے اذہان میں محفوظ کرا رہے ہیں۔

۶۔ فرمایا جب میں قلات میں وزیر معارف الشرعیہ تھا تو میں نے حکم جاری کیا کہ (ذکری قبیلہ) کے فرد کی شہادت مسلمانوں کے خلاف قابل قبول نہیں۔ (ذکری قبیلہ مسلمان نہیں) صرف بلوچستان میں ہیں۔ چنانچہ اس قبیلہ کے سرکردہ لوگ مل کر اس وقت کے پاکستان کے وزیر قانون مسٹر اے۔ کے بروہی صاحب کے پاس گئے۔ کہ ہماری حق تلفی ہوئی ہے۔

چنانچہ اے۔ کے بروہی صاحب نے لکھا کہ اسلام میں مساوات ہے آپ اپنے فیصلے پر نظر ثانی فرمائیں۔ میں نے مختصر جواب لکھا کہ نظر ثانی کا مطلب ترکِ اسلام ہے اور میں اس کے لئے تیار نہیں۔

مسٹر اے۔ کے بروہی صاحب نے دوبارہ لکھا کہ شہادۃ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے اس میں مسلم اور غیر مسلم کی تعریف کا کیا مطلب۔

میں نے جواب لکھا کہ شہادۃ ایک اہم اور کلیدی عہدہ ہے۔

کہ شہادۃ ہی کی روشنی میں تمام فیصلے ہوتے ہیں۔ چنانچہ شہادت کیلئے صاحب ایمان و صاحب کردار ہونا اس لئے شرط ہے کہ کوئی (نہ دیکھے کو دیکھے اور دیکھے کو نہ دیکھے) نہ بنا دے۔

مسٹر بروہی صاحب نے تیسرا خط لکھا کہ تشفی ہو گئی ہے۔ لیکن اسلامی لٹریچر میں کہیں یہ بات درج ہے کہ شہادت بھی عہدہ ہے یا حکومت کی ایک شاخ ؟

چنانچہ میں نے جواباً تحریر کیا کہ فقہ کی مشہور کتاب (ھدایہ) میں درج ہے۔

لِاَنَّ الشَّهَادَةَ من بابِ الولاَيَة۔

یعنی شہادۃ حکومت کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے۔

مزید تحریر کیا کہ اسلامی ملک کا وزیر قانون اگر اتنی مشہور کتاب کے مندرجات سے لاعلمی کا اظہار کرے تو اسمیں ہمارا کیا قصور ہے؟

پیش لفظ

حضرت علامہ سید شمس الحق افغانی نوّر اللہ مرقدہٗ

نام و نسب

آپ حضرت سید جلال الدین حیدر رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ہیں۔ جن کا سلسلہ حسینی اعجاز الحق قدوسی کی کتاب "صوفیاءِ پنجاب" صفحہ ۵۵۱ پر درج ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے سید شمس الحق رحمۃ اللہ علیہ بن سید غلام حیدر رحمۃ اللہ علیہ بن سید خان عالم رحمۃ اللہ علیہ بن سید سعد اللہ رحمۃ اللہ علیہ۔ آخر الذکر شہید معرکہِ بالاکوٹ ہیں۔ آپکے والد بزرگوار حضرت مولانا عبد الحلیم لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور دادا بزرگوار حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ بریلی کے خلیفہ ہیں۔ سرحد و افغانستان میں نفاذِ شریعت کے ضمن میں جن مشاہیر کا نام درج ہے ان میں آپکے دادا بزرگوار کا اسم گرامی بھی ہے۔ سیرت احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ مؤلفہ (غلام رسول مہر)

ولادت آپکی ولادت صوبہ سرحد۔ پشاور مقام قصبہ ترنگ زئی میں ہوئی۔ آپکی زندگی میں جو کتب طبع ہوئی ہیں ان میں ولادت مختلف درج ہے۔ میری تحقیق ان سے کچھ مختلف ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب میں ماہ اگست ۱۹۶۲ء میں حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے دراقدس پر زیارت کیلئے حاضر ہوا تو آپ نے ازراہ کرم میری والدہ

مرحومہ (جو اس وقت بقید حیات تھیں) اور حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ سے دست بیعت بھی تھیں ان کی صحت کے بارے میں پوچھا تو میں نے ان کی کمزوری اور بڑھاپے کا ذکر کیا۔ تو حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ان کی عمر کتنی ہے میں نے تقریباً ۷۲ برس بتلائی تو آپ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا (عبدالغنی ہم تو پھر سو سے تجاوز میں جا رہے ہیں) تو حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ کی وفات غالباً ۱۶ اگست ۱۹۸۳ء میں ہوئی ہے تو اس موقعہ پر سید عبدالرشید شاہ صاحب مہتمم مدرسہ فاروقیہ تجوید القران بہاول پور والوں سے معلوم ہوا کہ حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ کی عمر سو برس سے زائد بنتی ہے۔ یہ شاہ صاحب دنیاوی امور میں حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ کے معتمد مشیر تھے۔ تو ان کے بیان سے حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان مناسبت رکھتا ہے کہ (ہم تو پھر سو سے تجاوز میں جا رہے ہیں) (مگر صاحبزادہ محمد داؤد جان افغانی صاحب نے اصل پیدائش ۱۸۹۸ء فرمائی ہے)

تحصیل علم

سب سے اول اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا سید غلام حیدر رحمتہ اللہ علیہ سے ابتدائی و وسطانی کتب علمیہ کی تعلیم حاصل کی (آپکے والد بزرگوار رحمتہ اللہ علیہ کی عمر ۱۰۹ برس تھی۔ اور آپ

حضرت اخوند صاحب حضرتؒ مولانا عبدالغفور سواتی رحمتہ اللہ علیہ کے سلسہ قادریہ میں خلیفہ تھے) بعدازاں سرحد و افغانستان کے مشاہیر علماء کرام سے تمام علوم نقلیہ و عقلیہ کی تکمیل فرمائی ۱۹۲۰ء یا ۱۹۲۱ء میں سرچشمۂ علوم و معارف دارالعلوم دیو بند میں شیخ العصر حضرت علامہ مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری رحمتہ اللہ علیہ سے دورہ حدیث شریف کی تکمیل کی ۱۹۲۲ میں حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے۔ ادائیگی حج کے بعد تقریباً دس ماہ حجاز مقدس میں قیام کیا اور مختلف کتب خانوں سے نایاب کتابوں سے جواہر علم حاصل کئے۔ (جن کتابوں کے حوالہ جات آپ اکثر قرآن پاک کا درس دیتے ہوئے یہ فرما کر دیتے کہ یہ کتاب صرف عرب کے فلاں علاقہ میں ہے۔ میں اس سے بات کر رہا ہوں۔) (حضرت افغانی رحمتہ اللہ علیہ شاید پہلے اور واحد طالبعلم تھے جنہیں دارالعلوم دیو بند کے مدرسہ کے خرچہ پر فریضۂ حج ادا کرایا گیا) ایک خبر-----

تبلیغ ومناظرہ

ابھی آپ رحمتہ اللہ علیہ نے طب کا امتحان نہیں دیا تھا اور باقی کتابوں سے فارغ ہو چکے تھے۔ یعنی طالبعلمی کا زمانہ تھا مگر آپکو خدا داد علمی قابلیت کی وجہ سے شیخ العصر حضرت علامہ سید انور شاہ

صاحب کشمیری رحمتہ اللہ علیہ نے شدھی تحریک کو کچلنے کیلئے آپ کو ۵۰ جید علماء کرام کا امیر وفد بنا کر راجپوتانہ روانہ کیا جس سے آپ کامیاب اور سرخرو ہو کر لوٹے۔ مناظرہ کا مرکز محلہ ڈھولی کھاد میں قائم کیا گیا۔

آپ رحمتہ اللہ علیہ کا مزاج اور طرز بیان مناظرانہ تھا تو آپ نے وعظ و تقریر اور مناظروں کے ذریعہ ہر باطل طاغوتی تحریک کو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کچلا۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ کے ہندوؤں اور عیسائی پادریوں سے کافی مناظرے ہوتے ہیں جن میں بحمداللہ دشمنانِ اسلام نے بری طرح شکست کھائی خصوصاً شردھانند کی تحریک میں تو بڑے بڑے سرکردہ پنڈتوں کو بری طرح شکست دی جس کی وجہ سے ہندوؤں کی کافی تعداد حلقۂ اسلام میں داخل ہوئی۔ اس تحریک میں کچھ پنڈت بھی مشرف بہ اسلام ہوئے۔

بیعت و ارشاد

دراصل حضرت جی رحمتہ اللہ چھپے ہوئے ولی کامل تھے۔ (خطباتِ افغانی رحمتہ اللہ علیہ) صفحہ ۳۱۹۔ آپ کو صوفیاء کرام کے چار سلاسل حق میں سے تین سلسلوں میں بیعت و ارشاد کی اجازت حاصل تھی۔ ا۔ سلسلہ عالیہ قادریہ جو پیران پیر حضرت شاہ عبد القادر

جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے وابستہ ہے میں اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا سید غلام حیدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور خلیفہ صاحب حضرت مولانا غلام محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ دین پور شریف والوں سے خلافت حاصل کی۔ (خطبات افغانی رحمۃ اللہ علیہ) ص:۲۹۲) اور سلسلہ نقشبندیہ میں بموقعہ حج بیت اللہ شریف حرم پاک میں حضرت مولانا علاؤالدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اور خلیفہ مجاز بنے۔ یہ سلسلہ حضرت بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ نقشبندیہ سے وابستہ ہے۔

سلسلہ برہانیہ چشتیہ میں جو حضرت معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سے وابستہ ہے آپنے طریقت کی منازل حکیم الامت حضرت مولانا، اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے طے کیں ان کی وفات کے بعد ان کے بڑے خلیفہ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ (لاہور) والوں سے خلیفہ مجاز ہوئے۔

(خطبات افغانی رحمۃ اللہ علیہ، ص:۲۹۳)

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے علوم شریعت کی تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ طالبانِ طریقت کو بھی بہت فیض پہنچایا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قیامِ بہاولپور کے دوران لوگوں کی اتنی اصلاح کی کہ علماء کرام اور عربی مدارس کے طلباء کے علاوہ انگریزی تعلیم یافتہ اور

بڑے بڑے گریجوئیٹ اور دانشور شکل و صورت میں علماء کرام معلوم ہوتے ہیں۔ ذکر اللہ کی وجہ سے جن کے چہرے منور ہیں اس وقت ان میں سے جو لوگ بقید حیات ہیں وہ ہر مجلس میں اپنے زہد وتقویٰ کی وجہ سے نمایاں معلوم ہوتے ہیں ان پر حضرت افغانی رحمتہ اللہ علیہ کی چھاپ نمایاں ہے۔ اور یہ حضرات ماشاء اللہ حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ کی صحبت کیوجہ سے غلط آمدنی (رشوت) سے پرہیز کرتے ہیں۔ اور جب بھی یہ صاجبان ملتے ہیں ان سے ملاقات ہوتی ہے تو حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ کا نام لیکر آبدیدہ ہوجاتے ہیں۔

حضرت جی ۱۹۷۳ء میں بہاولپور سے تشریف لیگئے تھے مگر آج بھی بحمد اللہ عرصہ تقریباً بیس سال بعد لوگوں کے دلوں میں آپکی روحانیت کے اثرات اتم موجود ہیں۔

یہاں ایک واقعہ ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہم لوگ والی بال کھیلتے تھے ہمارے کلب کا نام شہباز کلب تھا اور کھیل میں ہم لوگ ملک بھر میں اکثر پہلی یا دوسری پوزیشن پر آتے تھے۔

۱۹۶۲ء میں عام و خاص باغ ملتان میں ٹورنامنٹ منعقد ہوا اس میں ہم نے شرکت کی اس موقعہ پر ہم سے ملک بھر کی ایک کے سوا سب ٹیموں نے شکست کھائی چونکہ سارے حضرت جی رحمتہ

اللہ علیہ کے شرکاءِ درس تھے اور چند ایک ان سے دست بیعت بھی تھے دراصل تھے سبھی گریجوئیٹ مگر شکل و صورت علماءِ کرام والی تھی۔ ماشاء اللہ نہ گھٹنے ننگے اور نہ ٹخنوں سے نیچے کپڑا باریش حضرات شلواریں پہن کر مسلسل تین دن جیتتے رہے تو ملتان میں مشہور ہو گیا کہ کوئی مولویوں کی ٹیم آئی ہے جو سبھی ٹیموں سے جیت رہی ہے۔ چنانچہ یہ افواہ سن کر کچھ علماء کرام جو سن رسیدہ اور نورانی چہرے والے دور آموں کے درختوں کے نیچے کھڑے ہو کر کسٹم کراچی کی ٹیم سے ہمارا سمی فائنل دیکھ رہے تھے وہ میچ بھی ہم نے جیتا تو میچ سے فارغ ہو کر میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تقریباً تین چار بزرگ تھے اور چند ایک طلباء ساتھ تھے ان سے مصافحہ کیا تو ایک بزرگ فرمانے لگے مولانا صاحبان ہم نے آپکے کھیل کا چرچا سنا ہے تو ہم دیکھنے آئے ہیں۔ ماشاء اللہ آپ لوگ کہاں سے آئے ہیں۔ میں نے عرض کیا بہاولپور سے۔ بس اتنا کہنا تھا کہ وہ تو سب کچھ بھول گئے نہ ہمارا اور نہ ہمارے کھیل کا ذکر کیا۔ فوراً فرماتے ہیں کہ میاں (ہماری آپکے پاس ایک امانت ہے) عرض کی کون! فرمایا حضرت افغانی رحمتہ اللہ علیہ اور اس وقت آنسو ان کے آنکھوں سے ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔ میں نے عرض کی حضرت یہ ہمارے کوئی

علماء کرام کھلاڑی نہیں ہیں یہ سب گریجونیٹ صاحبان ہیں یہ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے شرکاء درس اور متعلقین میں سے ہیں۔ تو وہ بزرگ حضرت ایک سرد آہ بھر کر یوں فرماتے ہوئے روانہ ہوگئے (کاش کہ ہماری حکومت اس ہستی سے کوئی کام لے لیتی) یہ بزرگان وطالبان علم مدرسہ قاسم العلوم کے اساتذہ کرام تھے۔

مبشراتِ غیبیہ

حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ کو کئی مرتبہ نیک خوابوں سے نوازا گیا جن میں سے چند ایک خواب درج ذیل ہیں۔ جب آریہ سماج کی تحریک ارتداد کے مقابلہ کیلئے دارالعلوم دیوبند کی طرف سے بھیجا گیا تو چونکہ یہ مناظرہ کا پہلا موقعہ تھا تو کچھ پریشانی ہوئی۔ خواب میں مٹی کی ایک مسجد دکھائی گئی جس کے ممبر کے پاس ایک بوڑھے بزرگ بیٹھے تھے ان بزرگوں نے فرمایا مجھے اٹھا کر ممبر پر بٹھا دو۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے کوشش کی مگر وہ بوڑھے بزرگ باوجود اس کے کہ وہ کمزور اور نحیف تھے نہ اٹھائے گئے۔ آخر بسم اللہ پڑھکر اٹھایا تو بہت مشکل سے انھیں اٹھا کر منبر پر بٹھا دیا ان بزرگوں سے اسم گرامی پوچھا گیا تو انہوں نے جواباً فرمایا۔ (محمد قاسم رحمتہ اللہ علیہ) یہ خواب تحریر کر کے دیوبند بھیجا گیا۔

ج۔ تو جواب آیا کہ تحریک میں کامیابی کی بشارت ہے۔ وہ بزرگ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ بوجھل اور وزنی اس لئے تھے کہ ان کا علم زیادہ بوجھل اور وزن دار تھا آپ نے انھیں اٹھا لیا تو معلوم ہوا کہ آپکو ان کا علم نصیب ہو گا۔ (دوران درس ایک مرتبہ حضرت افغانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے علم کا اندازہ یوں قائم کرو کہ آپ کی کتاب (تقریر دلپذیر) اردو میں تصنیف ہے اگر حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ زندہ ہوتے تو مجھے چند مقام سمجھنا باقی ہیں)

(۲)۔۔ اسی تحریک کے دوران کچھ عرصہ بعد دوسرا خواب دیکھا۔ کہ ایک بزرگ کے ہمراہ ہند کے کنارے جا رہے ہیں اس بزرگ نے ایک قبہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ دیکھو یہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مبارک ہے آگے گئے تو کافی تعداد میں لوگ جمع ہیں تو اجتماع کی وجہ معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ آج حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر ہے۔ تو ان کی تقریر سننے کیلئے ریت پر بیٹھ گئے۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ منبر پر سے نیچے اترے اور لوگوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے میرے پاس آئے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ آؤ تقریر کرو۔ اس پر میں نے عرض

کی کہ پہلے تو مجھے عربی میں تقریر کرنے کی مشق نہیں ہے دوسرا آپکے سامنے تقریر کرنا سوءِ ادب ہے۔ مگر حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے حکماً فرمایا نہیں ۔ تقریر کرنی ہو گی۔ تو حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ممبر پر بیٹھ گیا اتنے میں بارش شروع ہو گئی اور حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ تشریف لے گئے۔ یہ خواب بھی تحریر کر کے دیوبند بھیج دیا گیا۔

ج۔۔ کہ حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کا ایسی مسند پیش کرنا دلیل ہے کہ آپکو ان سے علم کا ورثہ بھی نصیب ہو گا۔ یہ بھی کامیابی کی بشارت ہے۔

(۳)۔۔ تیسرا خواب یہ ہے کہ جب آپ قلات میں وزیر معارف الشرعیہ تھے۔ تو سرکاری دورہ کے سلسلہ میں کراچی تشریف لائے۔ تو وہاں اتفاق سے تبلیغی جماعت کا اجتماع تھا جماعت کے بزرگ حاضر ہوئے اور اجتماع میں بیان کرنیکی درخواست کی حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ کو ان دنوں بخار وغیرہ کی تکلیف تھی مگر بیان کیلئے تشریف لے گئے۔ (سورۃ والعصر پر) بیان تھا۔ واپس آ کر رات کو سوئے تو خواب دیکھا کہ ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی جنھوں نے ہاتھ پکڑا اور آسمان کی طرف اڑا کر چلے گئے

مختلف مقامات وغیرہ دکھاتے رہے اور فرماتے یہ جنتیوں کے گھر ہیں۔ اس طرح صبح صادق تک جنت کی سیر ہوتی رہی۔ تو حضرت افغانی رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس دن کے بعد یہ یقین زیادہ مضبوط ہو گیا ہے کہ تبلیغی جماعت کا راستہ مقبول اور جنت کے داخل ہونے کا سبب ہے۔

تصنیف وتالیف

حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ نے مختلف امراض اور کافی مصروفیات کے باوجود تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ کافی کتابیں طبع ہو چکی ہیں جن کا نام ذیل میں درج کرونگا اور کافی کتابیں ابھی طباعت کے لئے موجود پڑی ہیں۔ ان میں وقت کی ضرورت کی اہم کتاب (شرح ترمذی شریف) اور مفردات القرآن وغیرہ پڑی ہیں۔ اب ہم تصنیف و تالیف کی طرف آتے ہیں۔ تو کتب کے نام سے پہلے ایک بات عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ بصد افسوس تحریر ہے کہ حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ نے عرصہ چالیس برس کی محنت سے قرآن پاک کی تفسیر قلمبند فرمائی تھی۔ چونکہ آپ شیخ الاسلام محقق اور بین الاقوامی شخصیت تھے غیر مسلموں کی آنکھوں اور ذہن میں چبھتے تھے۔ دشمنان اسلام آپ سے غافل نہیں تھے۔ ڈاکو ہمیشہ دولت پر پڑتا ہے۔ تو انہوں نے موقعہ

پا کر گاڑی میں سے سفر کے دوران تفسیر کے مسودہ سے بھرا ہوا بکس چوری کر لیا۔ اور یوں امت محمدیہ ایک نایاب علمی ذخیرہ سے محروم ہوئی۔ (ایسی چیزیں دوبارہ نہیں لکھی جا سکتیں) اب بحمداللہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے قرآن کے علوم پر مبنی جو کتابیں طبع ہو چکی ہیں شاید ان سب میں ہماری شائع کردہ کتاب (دروس القرآن الحکیم) ہو جو سب سے ضخیم اور اہم ثابت ہو گی۔ جس کا تفصیلی ذکر آگے بیان کرونگا۔

تدریس

چونکہ اس عنوان کا ہماری کتاب سے تعلق ہے تو ترتیب کو توڑتے ہوئے اسے آخر میں لایا گیا۔

حضرت افغانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی خداداد قابلیت کی وجہ سے دیوبند سے فارغ التحصیل ہوتے ہی وہیں دارالعلوم دیوبند میں مدرس

مقرر ہوئے۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں بڑے اساتذہ کرام میں شمار ہونے لگے۔ ایک دن آپنے واقعہ سنایا کہ جس دن میرے استاد شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمتہ اللہ علیہ تحریک قیام پاکستان میں عملاً شریک ہوئے تو میرے کمرے میں تشریف لائے مجھے میرے کندھے سے پکڑ کر اپنے کمرہ میں لائے اور اپنی مسند پر بٹھا کر فرمایا: "افغانی (رحمتہ اللہ علیہ)۔ تم میرے اسباق پڑھاؤ میں ایک کام کو جارہا ہوں۔"

تو حضرت افغانی رحمتہ اللہ علیہ نے تعلیم و تدریس کا سلسلہ ۱۹۲۳ء سے لیکر ۱۹۷۳ء تک باقاعدہ مختلف درسگاہوں میں سرانجام دیا۔ درمیان میں (کل دس سال سات ماہ) ریاست قلات کے وزیر معارف الشرعیہ رہے۔ جس سے مستعفی ہوئے۔ کیوں؟ جب ریاست قلات کو پاکستان میں ضم کیا گیا تو حکومت پاکستان نے کچھ لوگ مقرر کیے جو حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ کے فیصلے پر نظر ثانی کرتے یعنی آپ کے فیصلہ پر سپریم کورٹ میں اپیل کا حق دیا گیا۔ آپ نے اسی وقت استعفاء دیکر یہ لکھا کہ انہیں کیا حق حاصل ہے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر نظرثانی کریں۔ ہمارے نزدیک تو پی۔ایچ۔ڈی لندن حمار لایعقل

سے بھی بد تر ہوتے ہیں۔

مختلف درسگاہیں

مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ کراچی، مدرسہ ارشاد العلوم ضلع لاڑکانہ سندھ، مدرسہ قاسم العلوم لاہور، مدرسہ دارالرشاد جھنڈہ ضلع نوابشاہ، مدرسہ دارالفیوض ہاشمیہ سجاول سندھ، ان مذکورہ مدارس میں بحیثیت صدر المدرسین کام کیا۔

دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت شیخ التفسیر علم کی خدمت کی۔ اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (سورت) میں بحیثیت شیخ الحدیث تدریسی خدمات انجام دیں۔

(جب شیخ العصر حضرت علامہ سید انور شاہ صاحب کشمیری رحمتہ اللہ علیہ کی وفات ہوئی تو احتراماً ان کے کمرے کو بند کر دیا گیا تھا جو کسی صدر مدرس کیلئے نہیں کھولا گیا تھا۔ مگر جب حضرت افغانی رحمتہ اللہ علیہ نے وہاں تدریسی خدمات انجام دیں تو ان کیلئے وہ کمرہ کھول دیا گیا۔) از حضرت مولانا مفتی محمد صادق صاحب رحمتہ اللہ علیہ نائب الشیخ۔ جامعہ عباسیہ بہاولپور۔

(جب میں ڈابھیل میں تدریسی خدمات انجام دینے لگا تو میرے لئے میرے استاد محترم حضرت کشمیری صاحب رحمتہ اللہ

علیہ کا کمرہ کھولدیا گیا مگر میں نے احتراماً اس کمرہ میں بیٹھنے سے معذرت کرلی اور ساتھ والے کمرے میں تدریسی خدمات سرانجام دیتا رہا۔) از حضرت علامہ مولانا سید شمس الحق صاحب افغانی نور اللہ مرقدہ۔

بعد ازاں آپ اکیڈمی علوم اسلامیہ کوئٹہ میں صدر مدرس مقرر ہوئے جب اس اکیڈمی کو ۱۹۶۳ء میں جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں تبدیل کیا گیا تو آپ بہاولپور تشریف لائے یہاں آپنے عرصہ تقریباً دس سال قرآن وحدیث کی خدمت کی اور چند کتابیں تصنیف بھی فرمائیں۔ یہاں آپ بحیثیت شیخ التفسیر مقرر ہوئے بعد میں رئیس الجامعہ بنائے گئے۔ جب آپ جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں تشریف لائے تو شہر میں آپکی آمد کا چرچا شروع ہو گیا کہ اس وقت ہمارے شہر میں دنیا کے سب سے بڑے عالم تشریف لائے ہیں۔ لوگ آپکی زیارت کیلئے بیتاب ہو گئے تو بعد نماز عصر تا مغرب روزانہ آپکے مکان پر لوگ پابندی سے حاضر ہو جاتے کمرہ بالکل بھر جاتا۔ آپ لوگوں کو مذہبی و علمی باتیں سناتے اور لوگوں کے سوالات کے جوابات فرماتے۔ اسی طرح جامعہ اسلامیہ میں آپکے درس بیضاوی شریف کے اوقات میں طلباء کے علاوہ عوام الناس سے

کمرہ بھر جاتا۔ ان حضرات میں علماء کرام ۔ دانشور انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ و معززین شہری اور بعض اوقات سرکاری دفاتروں سے آفیسران صاحبان اور دیگر ملازمین بھی حاضر ہوتے۔ علماء کرام کو تو حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ اپنے ساتھ بٹھاتے باقی سب حضرات طلباء سے پیچھے بیھٹتے (دیو بند میں بھی یہی طریقہ ہے) سابق وزیر تعلیم یسین وٹو صاحب بھی آئے اور طلباء سے پیچھے بیھٹے ۔ رفتہ رفتہ چرچا اتنا بڑھا کہ پورے شہر میں حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ کی خداداد علمی قابلیت کی باتیں ہونے لگیں۔ آپکے علوم و معارف سے عوام الناس کو فائدہ پہنچانے کیلئے حضرت مولانا مفتی محمد صادق صاحب رحمتہ اللہ علیہ۔ قاضی محمد عظیم الدین علوی صاحب رحمتہ اللہ علیہ۔ سید عبدالرشید شاہ صاحب و دیگر معززین حضرات حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور درس قرآن شریف شروع کرنے کی عرض کی جو آپ نے قبول فرمائی۔

(حضرت مولانا مفتی محمد صادق صاحب رحمتہ اللہ علیہ وہ بزرگ ہیں جنکی محنت اور کاوشوں سے محترم جناب الحاج نواب سر صادق محمد خاں عباسی پنجم صاحب نوراللہ مرقدہ کی خواہش پر ۲۵ جون ۱۹۲۵ء کو جامعہ عباسیہ جیسی عظیم دینی درسگاہ قیام میں آئی جو بعد

میں جامعہ اسلامیہ اور حال اسلامیہ یونیورسٹی ہے۔ اور آپ بہاولپور کے مشہور مقدمہ مرزائیت کے منتظم اعلیٰ بھی تھے)

شروع میں درس مدرسہ فاروقیہ تجوید القرآن میں بیان کیا جاتا کیونکہ یہ مسجد حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ کے گھر کے قریب تھی۔ اور بعد میں حکومت کی خواہش پر بہاولپور کی شاہی مسجد میں درس بیان کیا جاتا جب حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ نے پہلا درس بیان فرمایا تو ایسا بیان تو پہلے کسی نے سنا نہ تھا عجیب سماں تھا۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ جیسے اللہ تعالیٰ کی رحمت برس رہی ہو جو عرصہ دس برس برستی رہی۔ تو پہلا درس سنتے ہی لوگوں نے گھروں کی کنڈیاں بجا بجا کر کہا کہ لوگو آؤ مسجد میں اللہ تعالیٰ کی رحمت برس رہی ہے اس سے فیضاب ہو جاؤ۔

حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ کے بیان کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے قاری صاحب سورۃ فاتحہ تلاوت کرتے اور فاتحہ کے بیان ختم ہونیکے بعد سورۃ بقرہ کا ایک رکوع تلاوت کرتے جسے حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ وجد کی کیفیت میں سنتے ایسے محسوس ہوتا جیسے مضامین حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے دل پر وارد ہو رہے ہیں۔ تلاوت کے بعد ہم لکھنے والوں سے پوچھتے کیا بیان چل رہا تھا یا کیا مضمون چل رہا

تھا؟ بس ہم ابھی عرض کر ہی رہے ہوتے کہ آپ بلاتوقف اور بلاسوچے بیان شروع فرما دیتے۔ تو ہفتہ میں دو دن ہر جمعہ اور ہر اتوار بعد از نماز صبح ایک گھنٹہ سے زائد بیان ہوتا۔

ہر آنیوالے درس میں نئی بات اور نیا مسئلہ بیان فرماتے۔ شرکاء درس کافی متاثر ہوتے اور پھر آنیوالے درس تک پورے شہر میں تقریباً ہر جگہ یہی چرچا ہوتا کہ حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ نے یوں فرمایا۔ اور بعض اوقات درس میں حضرت رحمتہ اللہ علیہ پر ورود کی کیفیت بھی پائی جاتی تھی۔ یعنی اس وقت معلوم ہوتا کہ یہ بات ابھی قلب پر وارد ہو کر زبان پر بیان ہو رہی ہے۔ جس کا ذکر آپ رحمتہ اللہ علیہ خود بھی بعض اوقات دوران درس فرماتے تھے۔ کہ یہ بات ابھی وارد ہوئی ہے۔ تقریباً ہر مکتب فکر کا آدمی شریک ہوتا۔ اور مستورات بھی کافی تعداد میں پابندی سے شریک ہوتی تھیں (پردہ کا انتظام تھا) بعد میں تو لوگ ملتان، رحیم یار خان، بہاولنگر وغیرہ سے پابندی سے درس سننے آتے تھے۔ بریلوی حضرات اور کچھ شیعہ بھی درس میں شریک ہوتے تھے۔ بریلوی حضرات میں سے خصوصاً باہر کے پیر صاحبان کبھی کبھی تشریف لاتے تھے۔ تو یوں آپ رحمتہ اللہ علیہ نے عرصہ تقریباً دس سال میں سورۃ فاتحہ مکمل اور

سورۃ بقرہ کے چار رکوع کے درس بیان فرمانے۔ جو بحمد اللہ قلمبند ہیں۔ جنکی عام کتابی بسائز کی تقریباً پانچ سو صفحات کی آٹھ جلدیں بن رہی ہیں۔

دو جلدیں سورۃ فاتحہ کی۔ پہلی جلد میں تعوذ و تسمیہ کی تشریح میں ۵۳ دروس ہیں اور جبکہ دوسری میں ۵۲ دروس ہیں اور اسی طرح سورۃ بقرہ کے صرف پہلے دو رکوع کی دو جلدیں بن رہی ہیں۔ جنمیں فی جلد ۴۹۔ ۴۹ دروس ہیں۔ یہ چار جلدیں تو کمپیوٹر پر کتابت بھی ہو چکی ہیں۔ باقی زیر کتابت ہیں۔ چونکہ خرچہ بہت زیادہ ہے۔ میں اتنی رقم کا کفیل نہیں بن سکتا تو مشورہ سے یہ طے کیا گیا کہ ایک ایک جلد طبع ہو جب ایک فروخت ہو جائے تو پھر دوسری طبع کرائی جائے اسی طرح یکے بعد دیگرے یہ امانت مکمل طور پر لوگوں تک پہنچ جائے۔

سرورق سے لیکر مکمل کتابت رئیس الخطاطین شیخ الکاملین

پیر طریقت حضرت سید انور حسین نفیس صاحب دامت برکاتہم کی ہے۔ کیونکہ ساری کتابت جنابوالہ کے خط کے کمپیوٹر سے کرائی گئی ہے۔ نیز میں یہ بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ حضرت سید نفیس صاحب مد ظلہم نے ان کتابوں کی کتابت سے لیکر طباعت۔ جلد بندی و فروخت تک اتنی کرم نوازی فرمائی ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ نہایت شفقت اور مہربانی سے رہنمائی فرمائی اور میری ہر الٹی سیدھی بات بعینہ اسی انداز میں سنی جس طرح حضرت افغانی رحمۃ اللہ علیہ بڑی وسعت قلبی سے سنتے تھے۔ تو حضرت سید نفیس صاحب مد ظلہم کہیں پریس اور کہیں جلد بندی وغیرہ والوں کو اپنی کتاب فرما کر ہدایات فرما رہے ہیں کہ اس کتاب میں کسی قسم کا نقص نہ رہے۔ مجھے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک شیخ کی کتاب دوسرے شیخ طباعت کرا رہے ہیں اور ہم تو مفت کے (عبد الغنی) چھپ گئے۔ بس بھائی یہ بزرگانِ دین کا روحانی تعلق ہے۔

جب خطبات افغانی رحمۃ اللہ علیہ۔ طباعت ہو کر آپکے سامنے پیش کی گئی تو آپ نے کتب خانہ والے صاحبان کو اسکی فروخت کے متعلق فرمایا تو آپ کے ایک قریبی متعلقین میں سے ایک کتب خانہ والے صاحب میرے برخورداروں کو صرف اتنا کہہ بیٹھے کہ بیٹے خطبات اتنی فروخت نہیں ہوتیں۔

بس اس پر حضرت سید نفیس صاحب مد ظلہم نے ایک جملہ

فرمایا جو اپنی نفاست کی بنا پر آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔
(کہ میاں یہ وہ خطبات نہیں جن کا آپ ذکر کر رہے ہیں۔
یہ اس شخص کے خطبات ہیں جن پر سے آپکے علماء کرام مطالعہ کر کے آگے بیان کریں گے)

اس جملے سے ہماری ساری تھکاوٹ اتر گئی۔ خدا تعالیٰ حضرت سید نفیس صاحب دامت برکاتہم کو سلامت رکھے۔ آمین

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ایک بزرگ نے کسی دوسرے شہر سے ایک خواب تحریر کر کے حضرت افغانی رحمتہ اللہ علیہ کیخدمت میں بھیجا۔ یہ بزرگ غالباً حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کے خلیفہ تھے تو حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ نے دورانِ درس یوں فرمایا کہ خواب نہیں بتلاتا اسکی تعبیر بتلا دیتا ہوں۔ فرمایا یہ درس اللہ تعالیٰ کو مقبول ہے تو درس کے اختتام پر جو شخص جائز دعا مانگے گا اللہ رب العزۃ قبول فرماویں گے۔ تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایسے ہی پایا گیا۔

تو میری گزارش یہ ہے کہ آپ حضرات اس کتاب کو روزانہ منزل کے طور پر پابندی سے پڑھیں ایک تو علمی ذخیرہ بڑھے گا دوسرا تزکیۂ قلب ہو گا۔ اور پھر روزانہ اختتام پر جائز دعا مانگیں انشاء اللہ العزیز فیضیاب ہو نگے۔ کیونکہ بزرگوں کے فرمان اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں جو ہر وقت قائم رہتے ہیں۔

بہاولپور سے تشریف لیجانے کے بعد مردان کے نوابصاحب کی خواہش پر ان کے مدرسہ میں صدر المدرسین کے عہدہ پر کچھ عرصہ کام کیا بعد ازاں بڑھاپے اور کمزوری کیوجہ سے یہ عہدہ چھوڑ دیا اور مستقل گھر پر سکونت اختیار کرلی۔

اسی دوران شاہ خالد صاحب رحمتہ اللہ علیہ خادم الحرمین شریفین نے عالم اسلام کے چیدہ چیدہ علماء کرام سے جن میں مولانا مودودی صاحب رحمتہ اللہ علیہ بھی تھے غالباً بلاسود بینکاری نظام دریافت فرمایا۔ توشاہ خالد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ کا نظام پسند آیا۔ سنا گیا تھا کہ انہوں نے ایک بینک بلاسود نظام قائم کیا ہے جو کامیاب جا رہا ہے۔ تو اس واقعہ کی بناء پر شاہ خالد صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے آپکو مدینہ یونیورسٹی میں تعلیم دینے کی دعوت دی جو آپ رحمتہ اللہ علیہ نے بڑھاپے اور کبر سنی کیوجہ سے معذرت کرلی۔ اور ساتھ ہی شاہ خالد صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ایک لاکھ (ریال) یا روپے کا ڈرافٹ بصورت ہدیہ سعودیہ کے سفیر صاحب کے ہاتھ بھیجا جسے حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ نے ذرا سخت لہجے میں یہ فرما کر لینے سے انکار کر دیا کہ شاہ خالد صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے کہو کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین پیسوں سے خرید نا چاہتے ہیں؟

ڈرافٹ واپس جانیکے بعد شاہ خالد صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے

دوبارہ سفیر صاحب کو بھیجا کہ ہمیں آپکی طبیعت کا پتہ نہیں تھا اس فعل سے آپکو جو قلبی تکلیف ہوئی ہے میں اس سے معذرت خواہ ہوں۔

یہ ہے شمسِ حق جسے غروب نہیں۔ کیونکہ یہ روحانی شمس ہے اور روح حیات ہے۔ جو بعد از قیامت جنت میں ابدالاباد طلوع رہیگا۔

اس بارے میں حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے مکان پر قرآن شریف کے فضائل بیان کرتے ہوئے یوں فرمایا۔ کہ جس شخص کو جتنا حصہ قرآن شریف کا حفظ ہو گا وہ پڑھتا چلا جائیگا اور جنت میں سیڑھیاں چڑھتا چلا جائیگا۔ جہاں اس کی تلاوت ختم ہو گی وہ اس کا مقام ہو گا۔ اور جسے ترجمہ آتا ہو گا وہ تلاوت ختم ہونے والے مقام سے ترجمہ شروع کردیگا اور سیڑھیاں چڑھتا چلا جائیگا جہاں اس کا ترجمہ ختم ہو گا وہ اس کا مقام ہو گا۔اور جس شخص کو معانی کے ساتھ تفسیر آتی ہو گی وہ وہاں سے تفسیر شروع کر دے گا جہاں اسکی تفسیر ختم ہو گی وہاں اس کا مقام ہو گا۔ کیا اس صورت میں یہ شمسِ حق طلوع نہ رہیگا؟

اللہ رب العزۃ ہمارے حضرت جی علامہ سید شمس الحق افغانی نور اللہ مرقدہ کو اپنی خاص رحمتوں سے نوازے اور ہم سب متعلقین کو ان کے روحانی فیض سے فیضیاب فرمائے۔ اللھم آمین۔

یہ ذکر کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ تین بزرگ جو اس وقت اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ ڈاکٹر جمیل الرحمان صاحب رحمتہ اللہ علیہ، ڈاکٹر محمد نیاز صاحب رحمتہ اللہ علیہ، منشی محمد حسن صاحب رحمتہ اللہ علیہ چغتائی یہ تینوں حضرات صاحبان متشرع اور متقی پرہیز گار تھے بڑی پابندی سے دروس قلمبند کرتے تھے اور مکان پر بھی پابندی سے حاضر ہوتے تھے۔ جو دروس میرے پاس قلمبند نہیں تھے وہ ان بزرگوں کی کاپیوں سے نقل کئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کو اپنی خاص رحمت سے نوازے اور یہ ان کیلئے صدقہ جاریہ بنے۔ آمین۔

والدینؒ

آخر میں میں اپنے والدین رحمتہ اللہ علیہ کا ذکر کرتا ہوں جنکی محنت و کاوش سے اور جنکی دعاؤں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھ جیسے نالائق سے یہ علمی خدمت لی۔ میرے والد صاحب حضرت مولانا محمد علی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ابتدائی تعلیم چشتیاں شریف میں خانقاہ حضرت خواجہ نور محمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ مہاروی پر (غالباً ۱۹۱۱ میں) حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے حاصل کی بعد ازاں دیو بند اور سہارنپور کی عظیم درسگاہوں میں تعلیم حاصل کی۔ آپ اپنی تعلیم اور بیعت کے سلسلہ کو اخفاء میں رکھتے تھے (شاید شیخ العصر حضرت سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمتہ اللہ کے شاگرد تھے)۔ آپ نے عرصہ چالیس برس

تک شاہی مسجد بہاولپور میں قرآن و حدیث کا درس دیا تھا۔ آپکو جامعہ عباسیہ بہاولپور میں شیخ التفسیر کا عہدہ پیش کیا گیا مگر آپ نے حکومت کی ملازمت سے انکار کر دیا۔ یونانی ادویات کی معمولی سی دکان پر گزر بسر تھا۔ دکان اور گھر پر کچھ طالبعلم کتابیں پڑھنے آتے تھے۔ آپ سرائیکی زبان میں نہایت اصلاحی انداز میں قرآن وحدیث کا درس بیان فرماتے تھے۔ جب مولانا تمیز الدین رحمتہ اللہ علیہ سپیکر مشرقی پاکستان والے بہاولپور میں تشریف لائے تو انہوں نے درس کے بعد کہا مولانا! آپ اردو میں درس کیوں نہیں دیتے؟ حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ مولانا، جہاں رہنا ہو گا وہاں کی زبان اپنانا ہو گی۔ (اس جملے میں گہرائی ہے) قیام پاکستان کے بعد مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی صاحب رحمتہ اللہ علیہ تشریف لائے انہوں نے درس سنا تو بہت متاثر ہوئے۔ جب بعداز فراغت درس حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو دکان پر دیکھا تو فرمایا کہ ان جیسے حضرات کو دکان پر نہیں بیٹھنا چاہیئے بلکہ کوئی کام کرنا چاہیئے۔ آپ مجھے ہر بزرگ اور ہر عالم کی خدمت میں لیجایا کرتے تھے۔ ان کے پوچھنے پر فرماتے یہ آپ کا غلام زادہ ہے۔ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھیلوی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے مجھے ایک روپیہ عنایت فرمایا کہ والد صاحب نے کہا کہ

ایک بزرگ عالم دین نے عطا کیا ہے اس کے چنے لیکر مجھے کھلائے کہ شاید اسکی برکت سے علم نصیب ہو۔ اسی طرح مختصر کرتے ہوئے مجھے حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی نور اللہ مرقدہ کا جنازہ بھی بخوبی یاد ہے۔ اس وقت میری عمر کوئی چار یا پانچ سال بنتی تھی۔

حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ۲۲ اپریل ۱۹۶۲ء میں وفات پائی۔ جنازہ کی نماز حضرت مولانا مفتی واحد بخش صاحب رحمتہ اللہ علیہ (احمد پور شرقیہ) والوں نے پڑھائی یہ حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ مثالی جنازہ ہوا تھا۔ آپ کا مزار قبرستان حضرت ملوک شاہصاحب رحمتہ اللہ علیہ میں ہے۔

میری والدہ صاحبہ مرحومہ ایک علمی گھرانہ میں پیدا ہوئیں۔ انھیں قرآن پاک حفظ تھا۔ نظم مکمل پڑھی اور پڑھا سکتی تھیں۔ عربی کی تعلیم کافیہ تک تھی ہر وقت علمی گفتگو ہوتی۔ حضرت شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ کے اشعار اور رباعیاں و حکایتیں موقعہ پر سناتیں۔ میرے نانا بزرگوار حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب رحمتہ اللہ علیہ (امام النحو) کہلاتے تھے۔ آپ حضرت مولانا سلطان محمود صاحب مظفر گڑھ والوں کے شاگرد تھے جو حضرت مولانا مرید غوث رحمتہ اللہ

علیہ کے شاگرد تھے۔ حضرت مولانا مرید غوث صاحب رحمتہ اللہ علیہ، حضرت خواجہ اللہ بخش صاحب تونسوی رحمتہ اللہ علیہ کے بھی استاد تھے۔ میرے نانا صاحب رحمتہ اللہ علیہ بھی انہی خواجہ صاحب سے دستِ بیعت تھے۔ میری والدہ صاحبہ مرحومہ اور قاضی احسان احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ شجاع آبادی (خطیب پاکستان نے) کافیہ تک حضرت نانا صاحب مولانا اللہ وسایا صاحب سے اکٹھے تعلیم حاصل کی۔ قاضی صاحب رحمتہ اللہ علیہ خصوصی مواقع پر ہمارے ہاں تشریف لایا کرتے تھے اور میری والدہ صاحبہ کو بہن بول کر پکارا کرتے تھے۔

آپ گھریلو کام بھی سارا خود کرتیں اور ساتھ صحت کے عالم میں تقریباً ۳۰-تیس بچیاں ہر وقت آپکے پاس قرآن پڑھتیں اور بعض فارسی نظم بھی پڑھتیں تھیں۔ دکان کیلئے یونانی مرکبات و عرقیات و مشروبات بھی تیار کرتی تھیں۔ میں نے بھی مرکبات کا کام اپنی والدہ صاحبہ رحمتہ اللہ علیہا سے سیکھا ہے۔ اور گھر کا کتب خانہ بڑی محبت اور محنت سے صاف کیا کرتی تھیں۔

ان تمام امور کے علاوہ رمضان شریف میں روزہ کی حالت میں روزانہ ۲۱ پارے منزل تلاوت فرماتی تھیں اور میرے والد

بزرگوار رحمتہ اللہ علیہ چونکہ حافظ نہیں تھے۔ تو رمضان شریف میں آپکی روزانہ ۱۵ پارے منزل ہوا کرتی تھی۔

میری والدہ صاحبہ رحمتہ اللہ علیہا کی حضرت افغانی رحتمہ اللہ علیہ سے دوسری بیعت تھی۔ حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ کے گھر کیلئے گوشت اور دودھ وغیرہ کی خرید کی خدمت میرے سپرد تھی۔ تو والدہ صاحبہ رحمتہ اللہ علیہا نے گوشت کیلئے پلیٹیں اور دودھ کیلئے جگ نیا خرید کر رکھا ہوا تھا۔ ہمیں ان کے استعمال کی اجازت نہیں تھی فرماتی تھیں کہ حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ متقی و پرہیز گار شخصیت ہیں تمہیں ان کے برتن استعمال کرنے کی اجازت نہیں۔ وہ پلیٹیں اور جگ تو خود دھویا کرتی تھیں اور باقی برتن پڑھنے والی بچیاں دھویا کرتی تھیں۔ میں روزانہ وقتِ مقرر پر رف کاپی سے اصل کاپی پر حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ کے دروس نقل کرتا تھا تو آپ میرے کمرے میں کئی بار تشریف لاتیں کہ تم یہ کام کرتے ہو مجھے ازحد خوشی ہوتی ہے۔ اور جب کبھی کسی کام کیوجہ سے ناغہ ہو جاتا تو افسوس کی کیفیت میں فرماتیں کہ تم نے آج درس ناغہ کر دیا۔ اور جب کبھی ہفتہ عشرہ مرض کی وجہ سے درس لکھنا بند ہو جاتا تو یوں فرماتیں کہ یا اللہ میرے بیٹے کو شفاء دے میں اسے درس لکھتا دیکھوں۔ اور آپ اکثر فرمایا کرتی تھیں کہ عبدالغنی، اللہ تعالیٰ نے حضرت افغانی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو ہمارے لئے بہاولپور بھیجا تھا

اگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ تشریف نہ لاتے تو تم گدھے ہوتے۔ اور آپ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کا درس سننے جاتیں تو فرماتی تھیں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے جبرائیل علیہ السلام زمین پر اتر آئے ہوں۔

۲۹ اکتوبر ۱۹۹۰ء کو صبح تقریباً ۹ بجے فرماتی ہیں کہ دنیا میں اس سے اچھا کام اور کوئی نہیں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے دروس کی طباعت ہو جائے۔ میں نے عرض کی کہ اتنی رقم اپنے ہاں کہاں۔ تو تھوڑی سی رقم دیکر فرمایا مسودہ اٹھاؤ اور کاتب صاحب کو دے آؤ اللہ تعالیٰ کارساز ہے۔ میں مسودہ اور رقم لیکر کاتب صاحب کو دے آیا اسی دن آپ نے مغرب کی نماز کی ادائیگی کیلئے مصلے پر قدم رکھا اور اللہ تعالیٰ کا بلاوا آگیا۔ ادھر آذانیں ہو رہی تھیں اور ادھر میری والدہ صاحبہ اللہ کو پیاری ہو رہی تھیں۔ ہم دونوں بھائی میں اور بڑے بھائی حافظ علامہ عبدالجلیل صاحب والدہ صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا کو بقیہ سانسوں کیساتھ اللہ کو سپرد کر کے مسجد چلے گئے واپس لوٹے تو آپ کی وفات ہو چکی تھی۔ اناللہ و انا الیہ راجعون۔ یہ میرے والدین رحمۃ اللہ علیہما کی محنت و کاوش اور دعاء کا نتیجہ ہے کہ مجھ جیسے نالائق کے توسط سے اتنے بڑے شیخ کے علوم آپ تک پہنچ گئے۔

حضرت افغانی رحمۃ اللہ علیہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ

جب کام لینے پر آتا ہے تو علم کا کام جاہل سے اور نیکی کا کام برے سے لیتا ہے۔ میں بھی اسی مقولہ عالیہ کا مصداق ہوں۔ اللہ تعالیٰ میرے حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ اور میرے والدین رحمتہ اللہ علیہما کو غریق رحمت فرماوے اور انہیں جنت میں مقام عظیم عطا فرماوے اور یہ کتابیں ان کے لئے صدقہ جاریہ فرماوے۔ اللھم آمین۔

نوٹ:۔ قارئین کرام کی خدمت میں التماس ہے کہ مجھے اپنی کم علمی وکم فہمی کا پورا احساس ہے۔ تو املاء اور ترتیب میں یا دیگر کوئی غلطی اور کوتاہی نظر آئے تو وہ اس ناچیز کی کم علمی پر محمول کیجائے اور اس کی نشاندہی کر کے اطلاع دیجائے تاکہ دوسرے ایڈیشن میں اس کی تصحیح کردیجائے۔

نیز اہل علم کی تعمیری تنقید کو بہ صد شکریہ قبول کیا جائے گا۔

احقر:

عبدالغنی عفا اللہ عنہ

درس نمبر: ۱
۱۳ دسمبر ۱۹۶۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعوّذ کی تفسیر

آج اعوذ باللہ کی تفسیر شروع ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔ فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ جب تو قرآن پڑھے شیطان مردود سے پناہ مانگا کرے۔ اس لیے قرآن پاک کی تلاوت کرنے سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا حکم خداوندی ہے۔ اور مسنون امر ہے نماز میں بھی اس کا عمل ہے۔ سبحانک اللھم سے پہلے اعوذ باللہ پھر بسم اللہ اور پھر سورہ فاتحہ شریف پڑھی جاتی ہے۔ اسی لیے قرآن پاک کا آغاز بھی اعوذ باللہ سے کیا۔ اگرچہ اعوذ باللہ قرآن شریف میں لکھی ہوئی نہیں ہے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور مسنون طریقہ بھی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے اعوذ باللہ کی تفسیر کی جائے۔ سوال ہوتا ہے کہ اعوذ باللہ کو لکھا کیوں نہیں گیا۔ حالانکہ اس کے پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس میں کیا حکمت یا راز ہے کہ اس کا پڑھنا تو اللہ تعالیٰ کا مقصود ہے اور لکھا نہیں۔ گویا مامور ہے مکتوب نہیں، اگر اس کو لکھا جاتا تو اس کا اصل

مقام بسم اللہ سے پہلے ہوتا۔ یہ تحقیق بھی آ جاتی ہے اعوذ باللہ کا مقصد ضرر سے بچانا ہے۔ اور بسم اللہ کا مقصد فائدہ حاصل کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون اور قاعدہ یہ ہے کہ ضرر سے بچنا فائدہ حاصل کرنے سے زیادہ اہم اور ضروری ہے مثلاً ایک آدمی کپڑا بیچے ایک گاہک اس کے پاس کپڑا خرید نے کے لئے آتا ہے اگر اسے مطلوبہ کپڑا دیدے تو اسے یقیناً پانچ دس یا بیس روپے کا نفع ہو گا۔ لیکن عین اسی وقت اسے ایک آدمی آ کر کہتا ہے کہ تمہارے مکان کو آگ لگ گئی ہے اب آگ کو بجھانا نہایت ضروری ہے۔ فائدہ کی فکر ہے ضرر سے بچنے سے یا ضرر کی مدافعت کے ساتھ۔ گاہک کو چھوڑ کر آگ سے مکان کو بچانے کی کوشش کرے گا۔ فائدہ کی کمائی اتنی مقصود نہیں جتنا ضرر سے بچانا مقصود اور مطلوب ہے۔ اعوذ باللہ اگر پہلے لکھا جائے تو ایسی مقدس اور پاکیزہ اللہ کی کلام کا شروع شیطان کے نام سے ہو موزوں نہیں۔ اس لئے پاک مقدس کتاب کا آغاز پاک اور مقدس نام بسم اللہ سے آغاز ہے۔ اس لئے حکم تو ہوا کہ زبان سے کہہ دو لیکن قرآن کا جزو نہیں بنایا گیا۔ پاک کتاب کا آغاز پاک چیز سے ہونا چاہیے۔ مختصراً اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم میں تین چار لفظ ایسے ہیں جنکی پہلے تشریح ہونی چاہیے۔ تَعوّذ۔ تَلَوّذ اعوذ اور اَلُوذُ بالمقابل الفاظ ہیں۔ اعوذ کے معنی کسی ضرر سے بچنا اور اور اَلُوذُ کے معنی فائدہ کی امید رکھنا۔ اعوذ کسی خطرناک موذی یا مہلک چیز سے

بچنے کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ اللہ۔ یہاں اللہ سے مراد وہ ذات ہے جس میں تمام کمالات ہوں اور جملہ عیوب اور نقصانات سے پاک ہو۔ عاجزی اور نقصان سے پاک۔ کوئی عیب نہ ہو تمام کمالات موجود ہوں۔ نیز اس کی ذات پاک کھلی ہو۔ ایسا خوبصورت اور باقاعدہ جہان بغیر جامع الکمالات ذات کے کیسے وجود میں آ سکتا ہے؟ حضرت امام غزالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات نفس بدیہی ہے۔ اس کی ذات محتاج دلیل نہیں ہے جیسے برتن کا موجود ہونا دلیل ہے کمہار کے ہونے کی۔ موٹر کا موجود ہونا دلیل ہے موٹر ساز کی۔ اسی طرح سائیکل دلیل ہے، سائیکل ساز ہونے کی۔ گویا ہر صنعت اپنے صانع پر دلالت کرتی ہے۔ تو یہ جہان اللہ تعالیٰ کی صناعی اور خالقیت کی روشن اور واضح دلیل ہے۔ جہان موجود ہے تو اللہ کی ذات اس کی صانع ضرور موجود ہے۔ اس کی ذات اقدس میں تمام کمالات موجود اور تمام عیوب اور نقصان سے پاک۔ اس کی ذات کا موجود ہونا اتنا واضح اور کھلا ہے کہ اتنا دن کا ہونا نہیں ہے۔ اس کی ذات عقلوں کی پرواز سے بالاتر ہے اتنا پوشیدہ بھی ہے۔ اکبر الہ آبادی

کیوں خدائے پاک میں بحثوں کی اتنی دھوم ہے
ہست میں شبہ نہیں چیست نامعلوم ہے

ہے ضرور مگر یہ معلوم نہیں کیسا ہے اور کیا ہے۔ ہمارے

اپنے اندر جان موجود ہے۔ اس کے متعلق ہمیں معلوم نہیں کہ کیا چیز ہے امریکہ جو سب سے زیادہ سائنس دان اور ترقی یافتہ ملک ہے۔ خلاء کی پرواز تک میں ماہر ہے۔ چاند پر پہنچنے کی سوچ رہا ہے۔ وہی بھی نہیں بتا سکتا کہ جان یا روح کیا چیز ہے۔ شیطان۔ شیطان ایک لفظ ہے۔ جس کا مفہوم علم الاشتقاق کے قانون کے لحاظ سے شیطٰن ۔ ش، ی، ط، ن کے معنی ہے بُعد یا دوری تمام بھلائیوں اور نیکی سے دوری۔ بُعد عَن الجنّتِ اور بُعد عَن الملاَ الاَعلیٰ، کے لئے لفظ شیطٰن ہے۔ شیطنت کے معنی ہیں غصہ سے جلنا۔ انسان کے لئے شیطان اتنا خطرناک ہے اور دشمن ہے کہ اسے اس قدر غصہ ہے کہ قریب ہے غصہ سے جل جائے۔ شَاطَ الرَجل اِذَا حترَقَ غَضباً، غصہ سے جلنے کو شیطان ہونا کہتے ہیں۔ ابوعبیدہ جو لغت عربی کے امام ہیں۔ اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم، سے ایک خاص شیطان مراد لیتے ہیں۔ جو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ سے انکاری ہوا۔ وَالشیطٰن یُطلق عَلیٰ کل مُفسُدٍ منَ الجنّ وَ الانسِ وَ الحَیوانِ، اور عام اصطلاح میں شیطان کا اطلاق ہر شریر مفسد پر ہوتا ہے۔ خواہ وہ جن ہو یا انسان یا حیوان۔ حیوانوں میں سانپ بچھو وغیرہ پر اطلاق ہوتا ہے۔ اس ایک شیطان پر بند نہیں ایسے بھی کہا جاتا ہے۔ خود قرآن پاک کی اصطلاح میں بھی اِنّ الشیٰطینَ لیُوحُون الیٰ اَولیاءِ ھِم، اور۔ شیاطینَ الانسِ وَ الجنّ، فرمایا ہے پھر فرمایا، طَلعُھا کانّہٗ رئُوسُ الشیٰطین۔ کھجور کے خوشے کی

بدشکلی کو شیطان کے سر سے تشبیہ دیگئی ہے۔ وہاں شیطان سے مراد سانپ کا سر ہے۔ ابو عبیدہ نے صحیح فرمایا کہ ہر شریر انسان مفسد انسان شیطان کہلاتا ہے۔ موذی جانور کاٹنے والا کتا۔ سانپ، بچھو سب شیطان کہلاتے ہیں۔

۴۔ رجیم رجام پتھر کا نام ہے۔ پھتروں سے مارنے کو رجم کہتے ہیں۔ رجیم ہر وہ شخص جو پتھروں سے مارنے کے قابل ہو یا مردود ہو۔ رجیم کا معنی پتھراؤ کیا ہوا۔ شیطان کو ملاء الاعلی سے پتھراؤ ہوتا ہے۔ فَاتبعہ شہابٌ ثَاقِبٌ لایسمَعونَ الیٰ المَلاءِ الاَعلیٰ مادی دنیا کو شیطٰن کے وجود میں شک ہے اس کی موجود گی۔ اس کی خصوصیات پر بحث آگے چل کر آئے گی۔ اس کی اہمیت، اس سے بچاؤ کے لئے سب سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا شیطان کے وجود میں حکمت الٰہی ہے۔ جس کا جب ذکر سرگودھا میں کیا گیا تو تعلیم یافتہ یا بالفاظ دیگر مغرب زدہ طبقہ ایسا قائل ہوا کہ کہنے لگا کہ ہم ہوں نہ ہوں شیطان کا وجود بڑا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہر کام خیر ہے۔ لیکن نادانوں کو شر نظر آتا ہے شیطان کے وجود کے سلسلے میں سائنس اور سائنسدان بھک گئے ہیں۔ دنیا میں ان کا تعلق مادیات سے ہے۔ مذہب کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ نہیں جانتے۔ پچاس سے زیادہ فلسفی دنیا کے مشہور ایسے ہیں جن کے دستخط (مولانا افغانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے میرے پاس موجود ہیں۔) جو اس امر کا اعتراف

کرتے ہیں کہ ہم مذہب کے متعلق نہیں جانتے اس لئے شیطان کے وجود سے لاعلمی ایک چیز ہے۔ اور یہ ثابت کرنا یا دعویٰ کرنا کہ اس کا وجود نہیں ہے۔ علیحدہ بات ہے۔ سائنس دان اور فلاسفر یہ تو کہتے ہیں کہ اس کے متعلق ہم نہیں جانتے۔ لیکن یہ نہیں کہہ سکتے یا دعویٰ نہیں کرسکتے کہ اس کا نہ ہونا تحقیق سے ثابت ہے۔ اس طرح مذہبی امور میں اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کے متعلق ، فرشتوں کے متعلق، روح کے متعلق، دوزخ اور جنت کے متعلق عقائد کیا ہیں۔ یہ تمام روحانیات سائنس کے مشینی تجربات میں نہیں آسکتے۔ کیونکہ ہر ایک چیز کے لئے ایک دائرہ کار ہے۔ سائنس دانوں کا بھی ایک دائرہ کار ہے۔ جو چیزیں مادی ہیں۔ ان کی مشینی تجربات کے دائرہ یا زد میں آجاتی ہیں، تو وہ ان کے متعلق تھوڑی بہت معلومات بہم پہنچا سکتے ہیں۔ لیکن جو چیزیں ان کے دائرہ تجربات سے بیرون ہیں ان کے متعلق وہ کوئی معلومات فراہم نہیں کرسکتے۔ لیکن یہ بھی دعویٰ نہیں کرسکتے کہ ہم اپنی ناقص تحقیقات سے ان کا عدم وجود ثابت کر چکے ہیں یا کرسکتے ہیں۔ مثال کے طور پر مچھلی کا دائرہ پانی ہے خشکی پر نہیں چل سکتی۔ اور گوہ کا دائرہ خشکی ہے پانی میں نہیں تیر سکتی۔ مخلوقات کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے ان کی جولانی اور حرکتوں کے مراکز مقرر فرما دیئے ہیں۔ سائنس اور علمی تحقیقات کا دائرہ دنیا اور اس کی چیزیں جو کثیف ہیں۔ لیکن

باریک اور روحانی چیزیں جو کثیف، مادی نہیں ہیں ان کا دائرہ عمل و علم اور تجس اور تحقیقات سے ایسے باہر ہے جیسے مچھلی کے لیے خشکی اور گوہ کے لیے پانی۔ مثال، زبان سے چکھا جاتا ہے سنا نہیں جاتا، کان سے سن سکتے ہیں چکھ نہیں سکتے۔ آنکھ سے سنا نہیں جاسکتا دیکھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک چیز پر پابندیاں عائد کی ہیں۔ دائرہ فکر انسانی مادیات تک محدود ہے۔ روحانیات خدا تعالیٰ نے اپنے اور اپنے پیغمبروں کے لئے مخصوص فرما دیئے ہیں۔ ڈارون کی تھیوری جس کو پہلے بہت سراہا جاتا تھا۔ اب اس پر مذاق اڑایا جاتا ہے یہ انسانی تخیلات کی حقیقت ہے۔ عبادت کے متعلق پہلے یہ نظریہ تھا کہ شروع شروع میں انسان بندوں کی عبادت کرتے تھے اور پھر بعد میں خدا کی عبادت شروع کی یہ بھی غلط ثابت ہو گیا ہے۔ قدیم نسخے صحف آسمانی تورات، زبور، انجیل میں اور سب انبیاء علیہم السلام شروع سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے تبلیغ کرتے اور تعلیم دیتے رہے ہیں۔ مذہب کے کیا کہنے ہیں۔ پھر یہاں ایک مرزائیوں کا مقدمہ ہوا تھا اس میں حضرت مولانا سید انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ پیش ہونے تھے۔ جس کا جج محمد اکبر مرحوم تھا۔ انہوں نے لکھا ہے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت ایمان جس کی قیمت جنت ہے اور جنت وہ جس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لَمَوْضِعُ سَوْطٍ خَيْرٌ مِنَ

الدنیا و ما فیہا، ایک چابک کے برابر جگہ بہشت میں دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ ایمان ایسی کیا چیز ہے؟ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمتہ کا جواب اس بارے میں بہت تسلی بخش ہے۔ فرمایا کہ ایمان اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتبار پر بات ماننا۔ امنت باللہ ------ ورسلہ۔ عقل اور آنکھ کے اعتبار پر تو ابوجہل بھی مانتا تھا عقل کے ذریعہ تو کافر بھی مانتے تھے۔ عقل و حواس کے ذریعے سے ماننے کی اللہ کے نزدیک کوڑی برابر بھی قیمت نہیں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے پر ماننا بڑی قیمتی چیز ہے۔ جیسے حضرت ابابکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مانا۔ ابوجہل نے آپ کو جا کر کہا کہ لو تمہارے دوست نے ایک عجیب اور ناممکن بات کہی ہے۔ کہ رات کے تھوڑے حصے میں بیت المقدس اور اسکے بعد آسمانوں کی۔

جنت اور دوزخ کی سیر کی ہے تو آپ نے فرمایا تجھے اس بات کا یقین ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے اس نے کہا "ہاں میں نے خود ان کی زبانی سنا ہے" تو حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ "اگر آپ ﷺ نے اسی طرح فرمایا ہے تو بیشک ٹھیک ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل سچ اور صحیح فرمایا ہے۔ دیدہ آنکھ سے دیکھنے والی، سائنس کے دائرہ میں آنے والی، نادیدہ، غیب، عقل اور حس کے تجربہ سے باہر اللہ تعالیٰ دونوں

دیدہ، نادیدہ کو جانتا ہے۔ سائنس دان صرف اول الذکر سے کچھ تھوڑا سا جانتے ہیں۔ اور جو نہیں جانتے وہ بہت ہے۔ اللہ تعالیٰ عالم الغیب و الشہادۃ ہے دماغ کے اثرات لکھے قلب کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ ایک تو گوشت کا لوتھڑا جو بائیں جانب پستان کے نیچے ہے۔ اس کے علاوہ ایک نور ہے۔ جس سے علم اور یقین کی شعاعیں نکلتی ہیں۔ وہ دل سے پھوٹتی ہیں۔ ہمارے علاقہ مالاکنڈ میں بجلی ساز مشین ہے۔ فرنٹیئر کے علاقہ میں وہاں سے بجلی دور دور تک پھیلا دی گئی ہے۔ بجلی کے بلب یا قمقموں کو دیکھنے والا اگر یہ کہے کہ اصل چیز بجلی خود وہی بلب یا قمقمے ہیں تو غلط ہے۔ اصل چیز تو مشین ہے بجلی ساز جو مالاکنڈ میں ہے، اگر وہ بند ہو جائے تو قمقمے خود بخود بند ہو جائیں۔ اسی طرح ادراک علوم و معارف بھی بجلی ہے۔ قرآن پاک کو نور کہا گیا ہے۔ مشین اس کی قلب ہے، اس مشین سے مختلف بلب یا قمقمے روشن ہوتے ہیں۔ ایک بلب دماغ ہے اور ایک قلب ہے، ایک آنکھ ہے ایک کان ہے ایک حس کا احساس اسی سے سارے بدن میں ہے مشین کام کرے تو بلبوں میں روشنیاں نظر آتی ہیں اگر آدمی مر جائے اور جان نکل جائے تو ختم نہ دماغ کام کرے نہ آنکھ، نہ کان، نہ دوسرے اعضاء سب بے کار۔ بڑا ماہر سیاست، بڑا سائنس دان بس روح نکلا سارا کارخانہ اجڑ گیا۔ معلوم ہوا اصلی راز غیبی چیزوں میں سے جو نظر نہیں آتیں جان ہے۔ آئندہ

قرآن کے مقاصد و مطالب سمجھنے کے لئے آسانی ہو۔ شیطان جو نظر نہیں آتا۔ اس لئے بحث ہے کہ ہے یا نہیں؟ مادیات کے علوم والے کہتے ہیں کہ نہیں ہے۔ سائنسدانوں نے یہ سخت بے انصافی کی ہے جب سے انسانی تاریخ چلی ہے جب سے شیطان کا وجود مسلم ہے۔ پرانے اس کا ذکر کرتے ہیں۔ عہد قدیم کی بڑی کتاب انجیل و توراث جس پر عیسائیوں اور یہودیوں کا عمل رہا ہے۔ اور ہے باب صفر تکوین میں آدم علیہ السلام اور شیطان کا ذکر ہو بہو اسی طرح موجود ہے جس طرح قرآن پاک میں ہے۔ عقلی تجربے میں یہ آنے والی نہیں ہے ایسی ہستی کا وجود تو آثار سے ماننا پڑتا ہے، دھوپ سے سورج کے وجود کا یقین ہوتا ہے، اثر کو دیکھ کر چیز کا یقین کرنا پڑتا ہے۔ احوال کو دیکھ کر اس کا یقین ہوتا ہے۔ اس طرح شیطان کا اثر معلوم کر کے اس کے وجود میں شک نہیں رہتا۔ بسا اوقات نیک آدمی بشرطیکہ نیک ہو جس کا نفس مطمئنہ ہو نفس امارہ نہ ہو۔ اپنے خلوت خانہ میں قرآن پاک اور ذکر الٰہی میں مشغول ہوتا ہے اچانک دل میں گناہ کا خیال آ جاتا ہے۔ نیکوں کے سردار تھے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فیضیاب ہوئے دنیا کے تمام اولیاء اور اتقیاء جمع ہوں تو صحابیؓ کے رتبہ کو نہیں پہنچ سکتے۔ صحابہ کرامؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا

کہ بعض اوقات ایسے خیالات آتے ہیں کہ زبان پر نہیں لائے جا سکتے۔ ان کے اظہار سے ہمیں یہ بہتر ہوتا ہے کہ ہم جل کر کوئلہ ہو جائیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قال او قد وجدتموہ قالوا نعم قال ذاک[1] کیا واقعی تم نے ایسے خیالات محسوس کئے ہیں یہ تو عین ایمان ہے۔ صحابہ کرامؓ کے دل میں ایسے خیالات اور وسوسے یا وساوس کفریہ یا شرکیہ کا آنا۔ نیک لوگوں کے دلوں میں یہ خیال کہاں سے آتے ہیں جو برے تھے۔ ہر مُسَبَّبْ کے لئے سبب کا ہونا ضروری ہے۔ نفس یا کوئی اور چیز ان کے پیدا ہونے کا سبب ہے۔ نفس نے نہیں پیدا کئے کیونکہ انہوں نے ان خیالات کو برا جانا یہاں تک کہ جل جانا اور کوئلہ ہو جانا بہتر سمجھا ان کا برا جاننا دلیل ہے اس بات کی کہ نفس پاک ہے۔ نفس کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ جو ابرار کو یہ خیال آتے ہیں نفس کو پسند نہیں اس لئے اس نے نہیں ڈالے ان کا موجب اندرونی سرچشمہ نہیں ہے بلکہ بیرونی سرچشمہ ان خیالات یا وساوس کا موجب ہے اسی کا نام ہے شیطان۔ شیطان اس طاقت کا نام ہے جو انسان کے دل میں برے وسوسے ڈالے اگر دھوپ سے سورج اور دھوئیں سے آگ کا یقین ہو جاتا ہے تو وسوسہ اور برے خیالات سے اس کے ڈالنے والے کا یقین کر لو۔ حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ خطرناک چیز ہے جو وسوسے ڈالتا ہے۔ تین مثالیں دیں۔ ۱۔ اصل

[1] صریح الایمان۔

دل ایک نور ہے اور ظاہری دل ایک برتن ہے جو قلب کی شکل ہے۔ پہلے قلعے گول شکل کے بنائے جاتے تھے۔ دل بھی بمنزلے ایک قلعہ کے ہے اور اس قلعہ میں گھسنے کے لئے کئی دروازے ہیں۔ ۳ دروازے ہیں باب الشہوت، خواہشات کا دروازہ ۲۔ باب الغضب، غصہ کا دروازہ، ۳۔ باب الشبہات۔ شبہات کا دروازہ اللہ تعالیٰ کی باتوں میں شک کرنا باب الشہوت ہم لوگ تو بے کار وقت صائع کرتے ہیں۔ جیسے سینما میں اور دوسرے ایسے فضول کھیلوں میں لیکن شیطان بے کار نہیں ہے۔ جب موقع دیکھتا ہے کہ ایک انسان کسی عورت کے ساتھ اکیلا ہے وہاں باب الشہوت سے اس پر حملہ کر دیتا ہے جنسی اختلاط اور بے حیائی پر اکساتا اور آمادہ کرتا ہے۔ یورپ کو دیکھ لیں بے حیائی، عریانی، جنسی بے راہ روی، اختلاط، جتنا بھی یورپ کا بگاڑ اور مرد وزن کا آزادانہ اختلاط ہے اس کو دیکھ کر کروڑوں شیطانوں کا یقین ہوتا ہے۔ اثر کو دیکھ کر اصل کا یقین ہو جاتا ہے جو اس باب الشہوت سے دل کے قلعہ میں گھس کر انسان کو سبز باغ دکھاتا اور پھسلاتا ہے ایسی عمدہ تصویر کھینچتا ہے کہ انسان پانی پانی ہو جاتا ہے اور پھسل جاتا ہے۔

۲۔ باب الغضب۔ غصہ کی حالت میں انسان کی ہئیت دیکھنے کے قابل ہوتی ہے دانت پیستا ہے وہی انسان جو اچھا بھلا ہوش و حواس والا سمجھدار انسان ہوتا ہے وہی آنکھیں نکالتا ہے، گالیاں بکتا

ہے منہ سے جھاگ نکالتا ہے۔ جب کسی ناگوار چیز کا احساس ہوتا ہے تو شیطان باب الغضب کے راستہ سے دل کے قلعہ میں داخل ہو جاتا ہے اس کے دل میں عزت اور آبرو کی غیرت کا سوال پیدا کرتا ہے۔ قتل کو ایسا خوشنما بنا دیتا ہے کہ انسان کے بس میں نہیں ہوتا اس لئے غضب کو اکساتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسے برے خیالات شیطان کیوجہ سے ہوتے ہیں اور شیطان اسی وقت حملہ کرتا ہے جب نقد ایمان موجود ہو جیسے چور اور ڈاکو چوری اور ڈاکہ اس وقت کرتا ہے جب اسے معلوم ہو کہ یہاں مال موجود ہے۔ اس لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا صحابہ کرامؓ کو ذَاکَ الْاِیْمَان یا ذَاکَ صَرِیْحُ الْاِیْمَان۔ وسوسہ سے ایمان نہیں بگڑتا ایمان اسی وقت بگڑتا ہے جب وسوسہ پر عمل کیا جائے۔ شیطان نے جب دل کے صندوق پر وسوسہ ڈالا کامیاب ہو نہ ہو۔ ڈاکہ وہاں ڈالا جاتا ہے جہاں دولت ہو۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ان وساوس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دولت ایمان دل میں موجود ہے۔ لیس الشدید بالصرعۃ انما الشدید من یملک النفس عند الغضب، صرف پچھاڑنے والے کا نام کامل نہیں بلکہ کامل وہ ہے جو غصہ کے وقت نفس کو قابو میں رکھے روحانی پہلوانی اسی کو کہتے ہیں۔ دوسری مثال: امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے دی ہے دل ایک تالاب یا حوض ہے جس میں پانی کسی ندی یا دریا سے

آتا ہو۔ اسی طرح قلب انسانی تالاب اور شیطانی وساوس پانی کیطرح مختلف طریقوں سے حوض میں جا پڑتے ہیں۔

یہ تیسری مثال۔ دل کی مثال ایسی ہے جیسے شیشہ ہو اور وساوس جیسے تصویر ہو۔ وساوس کو شیطان دل کے شیشہ کے سامنے کرتا ہے تاکہ انسان پر ان کا اثر پڑے اور وہ متاثر ہو جائے شیطان کا وسوسہ کچھ نہیں کر سکتا۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمتہ اللہ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت وسوسے ہوتے ہیں فرمایا وسوسے لیے پھرتے رہو۔ وسوسوں پر عمل کرنا برا ہے۔ فرمایا انسان کا دل ایک شاہی سڑک ہے اس پر نیک و بد نے گزرنا ہے بھنگی چمار، اچھا برا صدر اور سپاہی غرضیکہ ہر ایک نے گزرنا ہے اسی طرح ملکی خیالات بھی گذریں گے اور شیطانی خیالات بھی لیکن عمل ان پر کرو جو ملکی خیالات ہیں اور شیطانی سے کنارہ کرو۔

درس نمبر: ۲
۱۵ دسمبر ۱۹۶۳ء بروز اتوار

شیطانی مقاصد

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم کی تشریح میں شیطان کے متعلق اس کے وجود پر بحث ہوئی اگرچہ یہ مسئلہ عقلی نہیں تاہم عقلی دلیل بھی بیان کی گئی۔ اس کا وجود اس کی گمراہیاں تمام آسمانی کتابوں میں مذکور ہیں نہ صرف عقل سے بلکہ نقل سے اور وہ بھی تمام مذاہب کی نقل سے ثابت ہے۔ شریعت کی روشنی میں بیان کیا جاتا ہے سب سے بعد میں اس کو بیان کیا جائے گا۔ سوال ہوتا ہے کہ ایسے خبیث کو اللہ تعالیٰ نے کیوں پیدا کیا؟ یہ بھی سب سے آخر میں بیان کیا جائے گا۔ پہلے شیطانی تدابیر کا بیان ہوگا کہ انسان کو گمراہ کرنے کیلئے شیطان کن تدابیر کو اختیار کرتا ہے۔ ساتھ یہ بھی بیان کیا جائے گا کہ شیطان کا مقصد کیا ہے۔ تدابیر شیطانی کا مسئلہ تفصیل کا محتاج ہے اس لئے اس سے پہلے مقاصد شیطانی بیان کئے جاتے ہیں۔ اس کے دو مقاصد ہیں:-

(۱)۔ پہلا مقصد انسانوں کے جدامجد یعنی حضرت آدم علیہ

السلام سے بنیادی دشمنی ہے۔ شیطان کا بڑا مقصد انسان سے انتقام لینا ہے جس انسان کے بزرگ کی وجہ سے بلندی سے پستی پر آ گرا اور لعنت کا مورد ہوا۔ باپ سے دشمنی اور بیٹوں اور پوتوں سے انتقام لینا انسانوں کے باپ کیوجہ سے اس کی تباہی ہوئی۔ آدم علیہ السلام کی پوری اولاد سے انتقام لینا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے انتقام لینے کے لئے مہلت بھی دیدی۔ جب اس نے استدعا کی اَنظِرنی اِلیٰ یَومِ یُبعثونَ فرمایا قَالَ انکَ مِنَ المنظرِینَ اِلیٰ یَومِ الوَقتِ المعُلوم

(۲)۔ دوسرا مقصد ہے معبودیت انسان کو جو کچھ ملتا ہے اسی سے ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ معبود ہے اور انسان عبد اور عابد ہے ایاک نعبدو ایاک نستعین انسان کی سب سے بڑی دولت اللہ کی معبودیت ہے اس کو وہ چھیننا چاہتا ہے کہ اللہ معبود نہو بلکہ شیطان معبود ہو اسی وجہ سے قرآن مجید میں حکم صادر ہوا یٰبنی آدم الّا تعبُدوا الشیطٰن یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے پرستش صرف میرا حق ہے مجھ سے چھین کر مت دو جو تمہارا آبائی دشمن ہے۔ انتقام اور اخاذ معبودیت دو مقاصد ہوئے اسی لئے قرآن پاک میں بار بار تاکید آئی ہے کہ شیطان کی عبادت نہ کرو۔ معمولی سے معمولی چیزوں کے بت بنا کر لوگوں نے ان کی عبادت کی ہے۔ لیکن شیطان کا کبھی کسی نے بت نہیں بنایا نہ اس کی اس طرح عبادت کی ہے۔ معلوم

ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم ماننے کی بجائے شیطان کا کہنا ماننا بھی اس کی عبادت کرنے کے مترادف ہے۔ایک ہوتا ہے مقصد دوسرا اس سے دلچسپی۔ مقصد اگر علم دین حاصل کرنے کا ہو لیکن اس کے ساتھ دلچسپی نہ ہو کچھ بھی نہیں بنتا۔ شیطان کے سامنے ایک مقصد ہے۔ اغوائے شیطانی اس کے ساتھ وہ انتہائی دلچسپی اور چستی کا اظہار کرتا ہے ایک سیکنڈ کیلئے سستی نہیں کرتا اگر شیطان میں گمراہ کرنے کا کمال نہوتا تو اس عہدے پر نہ آتا اس لئے وہ ماہر اعظم ہے اس فن میں۔ دلچسپی کے اعتبار سے یہ بڑی دلچسپی ہے۔ حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے شیطان کے مقاصد اور تدابیر کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے اور پھر لکھا ہے کہ احیاءالعلوم کو ختم کرنے کے بعد شیطانی مقاصد پر ایک علیحدہ تصنیف ضبط تحریر میں لاؤں گا۔ جس کا نام بھی انہوں نے تجویز فرما دیا تھا (تلبیس شیطان) لیکن افسوس کہ حضرت امام صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا انتقال ہو گیا اور وہ کتاب نہ لکھی جا سکی۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اِنَّ الشَّیطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ (فَاتَّخِذُوْہُ عَدُوًّا) عدو کے ساتھ لفظ مبین آیا ہے انسان میں قدرتی طور پر دشمنی کا مادہ ہے یہ مادہ فطری ہے۔ اس کے صرف کی جگہ قہر و غضب کے مادہ کا جو کچھ بھی ہے اس کا صحیح مصرف شیطن ہے۔ یعنی جتنا غصہ اور جس قدر دشمنی انسان سے ممکن ہو وہ ساری کی ساری شیطان کیخلاف استعمال ہونی چاہیئے۔ اس

عداوت کے سلسلہ میں حضرت امام ہمام امام الامۃ غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ وہ ایسا دشمن ہے کہ اِنّہ لا یقبلُ الرشوۃَ والتملقَ بد ترین دشمن ہے اِدفع بالتی ھِیَ اَحسَنُ۔ ایسا بد ترین دشمن ہے کہ نہ رشوت قبول کرتا ہے نہ تملق یعنی خوشامد۔ ۲۴ گھنٹے خوشامد کرو۔ تو پھر بھی نہیں مانتا راضی نہیں ہوتا۔ جیسے سانپ اور بچھو سے زہر۔ سورج سے دھوپ اور آگ سے گرمی دور نہیں ہوتی یعنی قدرتی خاصیتیں ہیں۔ اسی طرح شیطان سے بھی انسان دشمنی دور نہیں ہوتی۔

۲۔ تدابیر شیطان: انسان کا دشمن ہے اور پورے داؤ پیچ سے بخوبی واقف ہے اور اناڑی اور انجان نہیں۔ حضرت آدم علیہ اسلام کے وقت سے بہکاتا چلا آتا ہے اسکام میں ہزاروں سال گزرے مہارت تامہ میں کوئی کسر رہ گئی ہو گی؟

تدابیر۔ سر چشمہ ہدایت سے یعنی قرآن پاک سے روکنا۔ قرآن پاک سر چشمہ ھدایت ہے۔ ایمان کی روشنی قرآن سے قلب میں پہنچتی ہے۔ جیسے بجلی کی بڑی مشین ہو اور وہ تمام علاقوں کو بجلی تقسیم کرتی ہو تو جتنے بلب یا قمقمے ہوں ان کو بجھانا چاہیں تو ان کا تعلق اس مشین سے توڑ دیں یعنی کنکشن ٹوٹتے ہی وہ بجھ جائیں گے بعینہ ایسے قرآن ایمانی بجلی اور نور کی مشین (سر چشمہ) ہے اور مسلمانوں کو اس سے جو شوق اور محبت ہے وہ تار ہے یا کنکشن ہے

بس تار کٹی اور بجلی بند ہو گئی گویا مسلمانوں کا اِنقِطَاع عَنِ القُرآن شیطان کا سب سے بڑا مقصد ہے۔اب دیکھتے ہیں کہ کالجوں میں پڑھنے والوں کا ہجوم ہے یا علم دین میں پڑھنے والوں کا۔ تو معلوم ہوا کہ علم دین کے لئے مسلمانوں کو قطعاً شوق نہیں ہے تو شیطان سر چشمہ ہدایت سے تعلق کاٹنے میں کامیاب ہو گیا۔ صرف وہی لوگ دین سے وابستہ ہیں جو دنیا کے لحاظ سے نیچے ہیں اور آخرت کے لحاظ سے اونچے ہیں یہ ہیں غریب لوگ۔ قرآن کا کوئی نقصان نہیں نقصان تو ہمارا ہے۔ اگر میاں انسان پانی نہ پیئے تو پانی کا نقصان نہیں نقصان تو پیاسے انسان وغیرہ کا ہے۔ فَاِذَا قَرَأتَ القُرآنَ فَاستَعِذ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیمُ قرآن مجید سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے تاکہ کہیں وہی شیطان مردود قرآن سے تمہارا تعلق نہ توڑ دے۔نوری مرکز سے علیحدہ نہ کردے۔

۲۔ دوسری چیز اِنقِطَاع مِن حَمَلَۃِ القُرآن۔ حاملین قرآن سے انقطاع اس کے ذریعہ علماً سے انقطاع۔ قرآن سکھانے اور پڑھانے والوں سے انقطاع اور ان کی ضد سے تعلق جوڑنا۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یَومَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیہِ یَقُولُ یٰلَیتَنِی اتَّخَذتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِیلًا .... بَعدَ اِذ جَاءَنِی مِنَ العِلمِ وَکَانَ الشَّیطٰنُ لِلاِنسَانِ خَذُولًا : یہ ان لوگوں کا عبرتناک انجام ہے جو رسول اور اس کے نائبوں سے تعلق توڑ کر یا چھوڑ کر یا چھوڑ کر

مُضِلّین سے تعلق جوڑ لیتے ہیں یعنی گمراہ کرنے والوں سے تعلق جوڑ لیتے ہیں آخرت میں اللہ تعالیٰ اس کا نقشہ باندھتے ہیں۔ عالمانِ قرآن سے توڑ دشمنانِ قرآن سے جوڑ۔ شیطان کا یہ جوڑ توڑ صرف زندہ لوگوں سے نہیں بلکہ کتاب قرآن پاک سے بھی ہے۔ یعنی اللہ کی کتاب سے اور کتاب کے جاننے اور پڑھانے والوں سے تعلق توڑ کر انگریزی جاننے والوں سے جوڑتا ہے۔ یہ دھوکہ دیکر انگریزی کے واقفوں سے جوڑا کہ یہ علوم جدیدہ کے ماہر اور واقف ہیں حالانکہ یہ سب مغالطہ ہے صحیح سمجھ انگریزی جاننے والوں کے پاس کہاں سے آئی۔ لندن، واشنگٹن اور روس میں گمراہی اور ضلالت تقسیم ہوتی ہے۔ خالص اور ٹھیٹھ ہدایت قرآن میں ہے۔ یعنی ملاوٹی علوم میں گمراہی ہے۔ اسی قرآن کی صحیح تفاسیر بھی لکھی گئی ہیں اور غلط بھی۔ یُضِلُّ بِہٖ کَثِیرًا وَّیَهدِی بِہٖ کَثِیرًا قرآنِ حاضرہ و تہذیب حاضرہ کی وجہ سے قرآن کو عرش کی بلندی سے اتار کر انگریزوں کے جوتوں کے ساتھ جوڑا یہ ہے نئے افکار اور نئے انداز کا نتیجہ جس میں کہا جاتا ہے کہ قرآن کو دورِ حاضر کی ضرورت سے منطبق کیا جائے اور علوم جدیدہ کے مطابق اور سائنس کے اور تہذیب نو کے ساتھ ساتھ یا زمانہ کے ساتھ ساتھ اسے چلایا جائے بہت لوگ اسی طرح گمراہ ہو رہے ہیں۔ کسی تفسیر کے پڑھنے سے پہلے پوچھو کہ یہ مطابقِ قرآن ہے؟ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم وصحابہ کرام رضوان اللہ

تعالیٰ اجمعین کے مطابق ہے؟ شیطن کی تدبیر دوم یہ ہے کہ عالمانِ قرآن سے قطع تعلق اور دشمنانِ قرآن سے جوڑنا۔ عالموں اور اللہ والوں کی تفسیر چھوڑ کر دنیا کے کتوں کے پیچھے لگنا۔

(۳) تیسری تدبیر شیطان کی تنظیم ملت کی شکست۔ ایک پیغمبری سے ہزار مذہب بن گئے۔ دین کے قلعہ پر ڈاکہ ڈال دیا۔ مسلمانوں کو مسلمانوں سے لڑانا۔ بغض اور کینہ وغیرہ پیدا کرنا جس سے ملت کی وحدانیت ٹوٹ جاوے۔ حق مغلوب ہو جاوے اور باطل غالب ہو جاوے۔ یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ شیطان چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈالے۔ جو مولوی اپنی تقریر میں دوسروں کو گالی دے اس میں ہم لوگوں کو مزہ آتا ہے جو حق بیان کرے اور دوسروں کو بُرا بھلا نہ کہے اس میں مزہ نہیں آتا۔ مسلمانوں کے درمیان اختلافات لڑائیاں اور تفریق شیطن کی تدبیر سوم کا نتیجہ ہے۔ مسلمانوں کو ہر جگہ لڑانا۔ حق والے مسلمان انسان مغلوب اور باطل والے انسان عیسائی غالب وہ قیامت تک مغلوب رہے۔

(۴)۔ تدبیر چہارم تزئین گناہ ۔ گناہ کو خوبصورت بنانا انسان کے دل اور تصور میں گناہ کو اس قدر خوب صورت بناتا ہے زَیَّنَ لَھُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَھُمْ اگر تزیّن نہوتی تو آدمی گناہ نہ کرتے۔ تزیین کے سلسلے میں بڑی بات یہ ہے کہ گناہ کے فائدے

سامنے لاتا ہے اور اس کے نقصان چھپاتا ہے۔ چوری سے روپے ہاتھ آنا بتاتا ہے جو فوائد بھی ہو سکتے ہیں وہ اس کے دماغ کے کاغذ پر نقش کرتا ہے نقصان۔ عذابِ آخرت اور عذاب دنیا سب چھپاتا ہے۔ ضروری نہیں کہ چور یا ڈاکو کامیاب ہو بعض اوقات راستہ میں پکڑا جاتا ہے یا مارا جاتا ہے۔ چوری یا ڈاکہ کر بھی لے تو پکڑا جائے۔ مقدمہ چلے۔ قید ہو ان نقصانات کا نقشہ چھپاتا ہے۔ اسی طرح زنا اس کے لطف اور حظ نفس کا نقشہ بڑا سنوار کے پیش کرتا ہے اور نقصانات سب چھپا دیتا ہے۔ حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب شیطٰن دل کی سلطنت پر حملہ کرتا ہے حملہ آور اس سلطنت کے آدمیوں کو اپنا دوست بنا لیتا ہے۔ جیسے انگریزوں نے بنگال کے جعفر اور دکن کے صادق کو (غدارانِ قوم و وطن) کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ ہمارے اندر دو چیزیں ہیں جو قابو ہو سکتے ہیں۔ احساسات اور جذبات مثلاً زنا پر آمادہ کرتا ہے۔ شیطٰن آدمیوں کو ایک ایسی عورت پر جو اس نے دیکھی پہلے احساسات ابھارتا ہے اس کی آنکھ میں عورت اچھی اور مرغوب لگتی ہے۔ یہ ہیں احساسات حسن ظاہر سے تعلق رکھنے والے دوسری چیز ہے جذبات خواہش نفس۔ شہوت ابھارتا ہے۔ شیطان کہتا ہے میرا کوئی فائدہ نہیں تم نے لذت اٹھانی ہے۔ علم النفسیات کا مسئلہ ہے۔ حضرت امام رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس میں چند مدارج ہوتے ہیں۔ (۱) فطور

(۲) وسوسہ (۳) میلان یا رغبت (۴) ارادہ (۵) عزیمت یا مقصد مصمم (۶) عمل۔ زنا تک پہنچنے میں پوری سڑک طے کرنی پڑتی ہے فطور نے انسان کے دماغ میں تصور چلاتا ہے کہ جوانی ہے یہ کام کر لو جیسے ہوا اڑتی ہے۔ ہوا کی طرح چلتی ہوئی کہ حسن سے گناہ کی خوبصورتی تصور کا وہ نقشہ جو دماغ میں آئے اور گزر جائے یہ ہے فطور (۲) وسوسہ یعنی نقشہ جماؤ اختیار کرتا ہے چلتے پھرتے اس کی خوبصورتی تصور کے کاغذ سے دور نہیں جاتی یہ ہے وسوسہ یا اندرونِ بدن میں احساسات اور جذبات شامل ہوتے ہیں۔ اس کے بعد میلان اور پھر ارادہ ہوتا ہے۔ منہیات یا گناہ میں فطور۔ وسوسہ ۔ میلان ۔ ارادہ ۔ عزیمت اور پھر عمل جو انسان کہ ظاہر اور چھلکے کے علاوہ اندر یا حقیقت کو بھی جانتے ہیں۔ حدیث اور قرآن سے ثابت ہے۔ اس کے بعد میلان اور شوق پیدا ہوتا ہے۔ شوق برانگیختہ کرتا ہے کہ گناہ کا ارادہ کر لو یہ میلان ہے۔ یا شوق بھی کمزور محرک ہے۔ بعض اوقات انسان اس حد تک پہنچ کر بھی چھوڑ دیتا ہے۔ لیکن شیطان پیچھا نہیں چھوڑتا۔ پھر اپنا عمل و دخل مزید شروع کرتا ہے کہ ارادہ قصد مصمم تک پہنچتا ہے جو عمل کے ساتھ پیوست ہے یہ عزیمت ہے۔ یعنی کسی کام کے لئے اگر جانا ہے تو سواری میں بیٹھ گیا اور ادھر چل پڑا۔ اگر پیدل چلنا ہے تو جوتا پہن لیا اور چل پڑا یہ ہے منہیات کا عمل اور مامورات کے متعلق قرآن میں آیا ہے لَاَقْعُدَنَّ

لَھُم صِرَاطکَ المُستقیم دین کے نیکیوں کی سیدھی راہ کے راستہ پر بیٹھ جاؤں گا اس پر چلنے نہ دوں گا۔ ترغیب معصیت۔ رکاوٹ نیکی یعنی منع عبادت۔ اللہ تعالیٰ کی باتوں پر جس قدر یقین مضبوط ہو گا اتنا ایمان مضبوط اور عمل مضبوط ہو گا۔ شیطان کھلے دین کو ڈگمگاتا ہے شک پیدا کر دیتا ہے۔

شبہات کی تدبیر:۔ ایمانی چیزیں جو ہم نے مان رکھی ہیں۔ ان میں شک اور تردد پیدا کرتا ہے۔ شیطان آدمی کے پاس آتا ہے اس کے دل میں خیال ڈالتا ہے۔ من خلق ھذا جب دنیا کی چیزیں شمار کر لیتا ہے تو پھر کہتا ہے کہ اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے۔ مَنْ خلق اللہ۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے جب اس بات تک تصور پہنچے تو اسے کاٹ دو۔ ابوالحسن نوری تذکرۃ الاولیاؑ میں ذکر ہے ایک دفعہ شیطن انسانی شکل میں آیا بعض چیزوں کی ایک ہی شکل ہوتی ہے وہ بدل نہیں سکتے اور بعض اپنی شکلیں بدل سکتے ہیں جن اور ملائکہ اور بعض پرندے بھی اپنی شکلیں بدل سکتے ہیں۔ ہمارے لئے ایک ہی شکل ہے ملائکہ اور جنوں کیلئے شکلیں بدلنا ایسے ہے جیسے ہم کپڑے بدلتے ہیں جیسے ہمارے لئے کپڑے کی تبدیلی آسان ہے اسی طرح ان کے لئے شکل بدلنا آسان ہے۔ شیطان نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَسِعَتْ رَحمتی کل شیئً میری رحمت ہر شئے کو گھیرے ہوئے ہے یا ہر شئی میں شامل ہے ابو

الحسن نوری نے فرمایا صحیح ہے شیطان نے کہا میں بھی ایک شئی ہوں مجھ میں بھی شامل ہونی چاہیے اللہ کی رحمت ابوالحسن نوری بحث میں بند ہو گئے خاموش ہو گئے۔ بعد میں جواب آ گیا جو صوفیانہ جواب ہے۔ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اسے علم تھا کہ ایسے سوال پیدا ہوں گے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اسی کے ساتھ فرما دیا فَسَاَکْتُبُھَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ لکھوں گا صرف متقین کے لئے جیسے انسان کے مہمان خانے میں ہزاروں آدمی آ سکتے ہیں۔ اس مہمان خانے کی وسعت کا بیان ہے لیکن کھائیں گے وہی جن کو دعوت دیجائیگی۔ اللہ تعالیٰ ایک رحمت کی وسعت کو بیان کرتا ہے اور دوسرا اس رحمت کے حقدار کو بیان کرتا ہے۔ قرآن میں اسی لئے ساتھ ساتھ لکھا ہوا ہے۔ معلوم ہوا شیطان شبہات ڈالتا ہے۔ عقیدہ کے بگڑنے سے بڑا نقصان ہے اعمال کی کمی بڑا نقصان نہیں تصور ایسی چیز ہے کہ اس میں تھکاوٹ نہیں۔ خدائے واحد پر عقیدہ رکھو۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آخری نبی ہونے پر عقیدہ رکھو۔ سائنس اللہ تعالےٰ کی قدرت کے قوانین کا نام ہے۔ اللہ کے زور کا کیا اندازہ ہے۔ عقیدہ بگڑے ایمان جاتا رہا عمل اگر بگڑے تو ایمان پر زنگ آجاتی ہے۔ جیسے لوہے۔ چاندی اور سونے پر زنگ آجاتا ہے۔ زنگ دور کرنے سے دور ہو جاتی ہے اور وہ صاف ہو سکتی ہے اسی طرح ایمان بھی صاف ہو سکتا ہے۔ حدیث پاک ہے یُصْبِحُ مُؤْمِنًا

وَیُمسی کَافِراً وَیُصبحُ کافِراً وَیُمسی مُؤمناً۔ غلط مجلسیں اور غلط لٹریچر اور غلط اخبار پڑھنے سنے دینی عقائد میں شک آجاتا ہے پھر اسی حدیث کا مصداق بن جاتا ہے۔ صبح کو آدمی چنگا بھلا مؤمن ہوتا ہے اور شام کو غلط صحبت اور غلط لٹریچر کیوجہ سے کافر ہو جاتا ہے۔

درس نمبر: ۳
۲۰ دسمبر ۱۹۶۳ء جمعۃ المبارک

شیطان کی سرگرمیاں اور نیّتِ اعمال

اس سے پہلے درس میں انسان کے خلاف شیطان کی سرگرمیوں کا بیان ہوا ہے۔ دو چیزیں باقی ہیں اس کا پہلا کام تو انسان کو برائی یا بدی میں جھونکنا ہے اور نیکی سے روکنا ہے جیسے کلام پاک میں وارد ہوا ہے۔ اس کی طرف سے یہ دعویٰ ہے لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ثُمَّ لَآتِيَنَّهُم مِّن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَن شَمَائِلِهِمْ .... وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ، کہ انسان کو چاروں طرف سے آگے سے پیچھے سے دائیں بائیں ہر طرف سے میں راستے میں بیٹھ جاؤں گا اور اسے نیکی سے روکوں گا اور برائی میں آمادہ کروں گا۔ یہ برائی میں جھونکنا اور نیکی سے روکنا اس کی پہلی تدبیر ہے۔ جب پہلی تدبیر میں فیل ہو جاوے ناکام ہو جاوے تو وہ دوسری تدبیر بر سر پیکار لاتا ہے یعنی فساد نیات اور فساد اعمال یا نیکی میں گڑبڑ کرنا۔ جب اس کے بہلانے اور پھسلانے سے انسان نیکی پر اڑا

رہے اور باز نہ آئے تو پھر فساد النیات اور فساد الاعمال کی تدبیر چلاتا ہے۔ شیطان بڑی اچھی طرح جانتا ہے کہ تمام نیکیوں کی جڑ نیت ہے۔ نیت کی دین میں بہت بڑی اہمیت ہے۔ صحابہ کرامؓ نے محض رضائے الٰہی کے لئے مکہ سے مدینہ منورہ ہجرت کی ایک شخص مکہ میں رکا رہا اور ام قیس کو مدینہ میں خط لکھا جو مہاجرہ تھیں کہ اگر میں مکہ سے مدینہ ہجرت کر لوں تو تم مجھ سے نکاح کر لو گی اس نے کہا ہاں۔ بہرحال نکاح تو کرنا ہے تیرے ساتھ کر لونگی۔ چنانچہ اس نے ہجرت کی اور پھر نکاح بھی ہو گیا۔ مہاجرین حضرات کی بڑی تعریف آئی ہے ان کا بڑا رتبہ ہے۔ جنہوں نے رضاء الٰہی کیلئے گھر بار چھوڑا اور تکالیف برداشت کیں قرآن پاک میں ان کا ذکر یوں آیا ہے۔ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ الخ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے۔ جنت بھی تو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا پھل ہے۔ اصل چیز اور مدعا تو اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہوئی اسی سے سب نعمتیں حاصل ہوتی ہیں صحابہ کرامؓ کا بڑا مقام ہے اللہ تبارک و تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ وہ ان سے یعنی صحابہ کرامؓ سے خوش ہے اور یہاں ہر ایک سو سو طرح کی نکتہ چینیاں کرتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت اقدس میں عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فلاں شخص ام قیس کے عشق میں آیا

ہے۔ جو برتری اور بزرگی اور کرامت ان حضرات کو حاصل ہے جو محض اللہ تعالیٰ کی خاص خوشنودی کے لئے ہجرت کی ہے وہ صاحبان اور وہ جو عشق ام قیس سے آیا اس برتری میں برابر ہو گئے؟ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر فرمایا۔ اِنَّمَا الاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ یہ بخاری شریف کی پہلی حدیث ہے اور بڑی رتبہ کی ہے اور بڑی پختہ حدیث ہے جسے علماء نے۔بزرگوں نے ثلث الایمان کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی نیت نہایت ضروری ہے وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِیءٍ مَا نَوٰی فَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ فَھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلَی الدُّنْیَا یُصِیْبُھَا اَوِ امْرَأَۃٍ یَنْکِحُھَا۔ کہ جس کی ہجرت عورت کے لئے ہو گی وہ اس سے شادی کر لے گا۔ یہ حدیث شریف سیدنا حضرت عمر فاروق اعظمؓ کی روایت ہے اور بڑی مستند حدیث شریف اور بڑی اصولی حدیث شریف ہے۔

حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس نیکی میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی نیت ہے وہ زندہ ہے اور جس میں یہ نہیں ہے وہ مردہ ہے۔ اسی طرح سمجھو جس طرح گائے مردہ ہو اس کی کیا حیثیت ہے۔ حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ حضرت سفیانؓ ثوری سے نقل فرماتے ہیں۔ کان السلف یتعلمون النیات کما یتعلمون العمل۔ سلف صالحین، نیت کو بھی عمل کی طرح سکھاتے تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ نِیَّۃُ الْمُؤْمِنِ خَیْرٌ مِّنْ

عملہ، حدیث شریف کا مفہوم ہے اگر آپ نے اچھی نیت کی ہے اور اس پر عمل نہ کر سکے یا نہ ہوا تو وہ بہتر ہے کہ اگر عمل ہوا اور اس کی نیت صحیح نہ ہوئی نیت صحیح نہ ہو تو وہ عمل کسی کام کا نہیں ہے بلکہ اس پر عذاب کا احتمال ہے۔ اس لئے فرمایا گیا ہے کہ مؤمن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔ جب شیطان کی تدبیر اول نہیں چلتی تو پھر انسان کی نیت بگاڑتا ہے۔ نیت دل کی صفت ہے نہ کہ زبان کی۔ دل میں شوق اور میلان کسی طاعت کی طرف اللہ کی رضا کیلئے ہو وہ ہے نیت۔اور معصیت کے متعلق اللہ کے غضب کا تصور اور قیامت کا تصور اور سوال و جواب اور عذاب کے ڈر سے بچنا یہ نیت ہے۔ محرک طاعت اور محرک کنف یعنی رکاوٹ، برائی سے روکتے ہیں۔ اگر زبان سے کہے اور دل میں اللہ کی رضا کا میلان نہیں یا عذاب سے بچنے کا نہیں تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص بھوکا ہو اور دوسرا رجا ہوا یعنی پیٹ سیر ہے۔ اگر رجا ہوا آدمی زبان سے کہے اِنِّی اُرِیْدُ اَنْ اٰکُلُ۔ کہ میں ارادہ رکھتا ہوں کہ کھاؤں نیت بھی کھانے کی ہو تو بھی بیکار ہے کیونکہ وہ سیر ہے۔ کھانے کا دل میں تو شوق ہے نہیں۔ اس لئے اس کا کوئی شمار نہیں۔ دوسرا بھوکا ہے جیسے رمضان شریف کے روزے افطار کرنے کے وقت اس کے دل میں کھانے کا شوق ہو گا۔ طاعت اور نیکی میں رضاء الٰہی اور ثوابِ آخرت اور بدی میں اللہ کی ناراضگی سے اور عذاب

آخرت کیوجہ سے ایسی نفرت پیدا ہو جاوے۔ جس طرح سانپ کے اوپر سے گرنے اور شیر کے آجانے سے دل میں جو خیال ہوتا ہے کہ اس جگہ کو چھوڑ کر بے اختیار بھاگنے لگتا ہے۔ اسی طرح گناہ سے بھاگے۔

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اصلاح نیت کی بڑی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا ارادہ کیا جاوے، خاص بات یہ ہے کہ اگر دوسری چیز کی نیت شامل ہو جو جائز بھی ہووے۔ مثلاً حج کے متعلق آیا ہے کہ حج کی نیت کرے اور ساتھ ساتھ تجارت کا بھی مقصد ہے۔ اگر تجارت نہ بھی میسر ہوئی تو بھی حج کو جاتا اگر فی الواقع دوسری صورت میں بھی جاتا جب تجارت کا امکان نہ بھی ہوتا تب تو ہے جائز اور حج کی نیت برقرار ہے۔ اگر کسی نیک کام میں کوئی اور جائز کام ہو اور درجہ دوم میں ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلاً من ربکم، اگر ایسی نیت ہو کہ مدرسہ میں چندہ دینا ہے۔ اگر مولوی نے کہا تو دس روپے دیئے اور اگر کمشنر نے کہا یا صدر نے اپیل کی تو ہزار روپیہ دیا مولوی بیچارہ تو اللہ کا حکم لاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ محرک خوشنودیٔ خدا نہیں بلکہ مخلوق کی خوشنودی ہے۔ ایسی صورت میں ثواب نہیں بلکہ عذاب کا خطرہ ہے۔ حدیث پاک میں ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مجھے بڑا ڈر ہے اپنی امت کے متعلق

چھوٹے شرک کا ریا اور شہرت شرک اصغر ہیں۔ نیت کے متعلق تفصیل۔اعمال کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) معصیت، (۲) عبادات، (۳) مباحات، بدی، نیکی اور مباحات جیسے شکار کھیلنا، خوشبو جمعہ کے علاوہ لگانا۔ جمعہ کے روز لگانا سنت عبادت ہے باقی ایام میں لگانا مباحات میں داخل ہے۔ مباح جائز، صحابہ کرامؓ، تابعین رحمتہ اللہ علیہ، تبع تابعین، علماء، فقہا کرام اور آئمہ کرام سب اس بات پر متفق ہیں کہ گناہ میں نیت مؤثر نہیں چاہے آپ نیک نیت کریں تو گناہ گناہ ہے۔ سودی کاروبار یا رشوت اس نیت سے لیا کرے کہ مسجد بنواؤنگا یا غربا اور فقراء کو دونگا سب حرام ہے گناہ ہے۔ نیت گناہ میں مؤثر نہیں ہوتی اگر نیکی کا پہلو بھی سوچیں تو گناہ گناہ ہے۔ پرائے مال سے یعنی بلااجازت مالک مسجد بھی بنوا دیں تو گناہ ہے۔ اگرچہ مسجد بنوانا نیک کام تھا لیکن گناہ ہے۔ کہیگا میں نے مسجد ہی تو بنوائی ہے چکلہ تو نہیں بنوایا۔ اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ معصیات میں نیت کا کوئی اثر نہیں گناہ گناہ رہیگا چاہے اچھی نیت بھی ہو۔ طاعات۔ میں دو پہلو ہیں اگر نیت صحیح ہے تو نیکی رہیگی اور اگر نیت غیر صحیح ہے یا غلط ہے تو نیکی نیکی نہ رہیگی بلکہ بدی ہو گی۔ اگر مال خرچ کرے کار خیر میں اللہ کی رضاء کیلئے یہ نیکی ہو گی اگر بندوں کو خوش کرنے کیلئے یا ریا کی نیت سے کی تو نیکی نیکی نہ ہو گی۔ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں سارے جسم کا اصل بادشاہ

ہے قلب۔ اگر بادشاہ باغی تو کچھ بھی نہیں۔ ہاتھ پیر کے عمل میں اگر دل کی نیت نہ ہو تو بے کار ہے۔

فسادالنیت۔ فساد العمل مثال کسی جگہ پر کوئی مولوی صاحب بہت عمدہ درس دیتا ہے اور للہ دیتا ہے لوگ بہت خوش ہیں اگر اسی جگہ کوئی اور مولوی آجاوے اور وہ اسی طرح درس دے اور اسکے برابر دے اسی قصبہ یا شہر میں۔ اگر پہلا مولوی صاحب خوش ہو کہ الحمدللہ اور مولوی صاحب بھی درس دینے لگ گئے ہیں زیادہ لوگوں کو دین کے مسائل قرآن و حدیث سے شناسائی ہو گی خوش ہو جاوے تو یہ ہے نیکی اور اگر ناراض ہووے کہ دوسرا درس کیوں شروع ہوا ہے تو معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کا کام نہ سمجھا۔ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں خدا واسطے تب ہو گا کہ اگر اس سے بہتر عالم، مولوی آجائے تو اس کے حوالے کر دے۔ تو بہتر آدمی کے حوالے کر دینا چاہیے۔ علامہ ابن صلاح رحمتہ اللہ علیہ بڑے پائے کے محدث تھے جو مصر میں رہتے تھے اور ملک العلماء اور فقیہہ عزالدین ابن عبدالسلام شام میں رہتے تھے۔ عزالدین رحمتہ اللہ علیہ مصر میں چلے گئے تو اپنے آدمیوں سے فرمانے لگے جب میں شام میں تھا تو تم مجھ سے حدیث کے بارہ میں سوال کیا کرتے تھے اب مجھ سے حدیث نہ پوچھا کرو بلکہ علامہ

ابن صلاح رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا کرو وہ محدث ہیں۔ اسی طرح علامہ ابن صلاح رحمتہ اللہ علیہ نے جمعہ کے روز اعلان کیا اب بڑے فقیہہ عزالدین رحمتہ اللہ علیہ صاحب آگئے ہیں اور فقہہ کے مسائل مجھ سے نہ پوچھا کرو انہی سے پوچھا کرو۔ حالانکہ یہ دونوں صاحبان ابھی ملے بھی نہ تھے۔

فساد عمل:

جب نیت بھی درست کرلی پھر عمل میں فساد کرتا ہے۔ خشوع خضوع کو نماز میں بگاڑتا ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خَاشِعُوْنَ۔ خشوع بمعنی سکون ذہن کو ادھر ادھر کے تصورات میں حرکت نہ کرنے دے۔ ذہن اگر چکر لگا رہا ہے تو خشوع نہ ہوا۔ جب ذہن صرف نماز میں مصروف ہوتا ہے ادھر اُدھر کے خیال نہیں کرتا تب صحیح ہے۔ امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے حالات مناقب ابی حنیفہ میں کردی نے لکھا ہے کہ کسی نے حضرت امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا کہ میں نے ایک ٹھیکر کے برتن یعنی ہانڈی میں اشرفیاں ڈال کر کہیں زمین میں گاڑ دیا ہے لیکن بھول گیا ہوں بتلائیے کہاں گاڑی تھی۔ آپ نے فرمایا دو رکعت نماز نیت کر کے لمبی سے لمبی قرأت کرو۔ لمبی قرأت سے پڑھو دوسرے دن آیا کہ ہانڈی مل گئی ہے۔ لیکن یہ فرمائیے کہ یہ

تدبیر آپ نے کیسے کی؟ انہوں نے فرمایا شیطان کا ایک کام ہے کہ نیکی سے بھلادے، وَاِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ۔ وَاِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ وَمَا اَنْسٰنِیْہُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ۔ میں نے کہا نماز پڑھو شیطان قدر دان تھا ہم تو عبادت اور نیکی کی قدر نہیں کرتے۔ شیطان جانتا تھا کہ انسان خود اپنی نماز کی قدر نہیں جانتے اگر نماز خشوع خضوع کے ساتھ پڑھی جائے تو شیطان کا دل زخمی ہوتا ہے اس لئے اس کا دل ہانڈی کے خیال میں لگا دیا تاکہ اس کا خشوع و خضوع جاتا رہے۔ خضوع کے متعلق طریقہ بھی بزرگوں نے بتایا ہے۔ وسوسے، خیالات، تصورات جو نماز میں آتے ہیں وہ دو قسم کے ہیں۔ ایک آمد سے اور دوسرے آورد سے۔ ایک ہے آنا اور دوسرا ہے لانا۔ اگر بلااختیار وسوسے آجائیں بلاارادہ تو ان کا کوئی مضائقہ نہیں۔ ہماری نظر توجہ تو ہر نماز میں خیالات میں ہوتی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وصحبہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ذَاکَ صَرِیْحُ الْاِیْمَانِ، اگر نماز شروع کی اور خود ذہن کاروبار کیطرف متوجہ کیا اس پر گرفت ہے۔ آمد پر نہیں آورد پر گرفت ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا خضوع کا کیا طریقہ ہے تاکہ خیالات نہ آویں اور نماز کی قیمت بڑھ جاوے نماز خضوع کی تو بہت بڑی قیمت ہے کیونکہ اس میں دل شامل ہوتا ہے۔ ظاہری ارکان تو عمل کرتے ہیں بدن

کا شہنشاہ دل ہوتا ہے وہ خضوع سے جھکیگا۔ بے خشوع کی حالت تو یہ ہے کہ دل چکر لگاتا ہے۔ قاعدہ ہے اگر بے کار رہیگا تو ادھر ادھر کے خیالات کی طرف دوڑے گا۔ انسان کا دل ایک آن میں دو خیالات میں نہیں دوڑ سکتا۔ فارغ دل خیالات کا گھر ہے۔ ایک خیال میں ڈوبنے سے دوسرے سے خالی ہوتا ہے۔ جب نماز شروع کرتے ہیں تو ایک ارادے سے کرتے ہیں۔ زبان تو چلتی رہتی ہے مگر دل کا کام صرف ارادہ کرنا ہے وہ ایک دفعہ کر لیا پھر دل خالی رہتا ہے۔ جب دل خالی رہتا ہے تو کبھی گائے کی طرف چکر لگاتا ہے۔ کبھی گھر کے کاموں کی طرف۔ کبھی کاروبار کی طرف۔ کبھی دفتر کی طرف چکر لگاتا ہے۔ حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس دل کو فارغ مت بیٹھنے دو اسے کام میں لگائے رکھو۔ ایک ایک لفظ کو تازہ تازہ ارادہ سے نکالو یا پڑھو۔ جس طرح زبان اول سے آخر تک مشغول ہے اسی طرح دل بھی مشغول رہیگا۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک کروڑ روپے کی بات ہے جو حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمائی ہے۔ کہ دل کو ایک ایک لفظ کی طرف متوجہ کرو خیالات نہیں آئیں گے۔

درس نمبر: ۴
۲۲ دسمبر ۱۹۶۳ء اتوار

نیّت پر بحث

نیت کے بارے میں تین چیزیں بیان کی گئی ہیں (۱) معصیت کے کام میں نیت کا کوئی اثر نہیں۔ (۲) طاعات۔ میں نیت کے بگاڑ سے نقصان ہوتا ہے اللہ کی رضا ہے تو پھر نیکی ہے اگر ریا ہے تو پھر گناہ ہے۔

(۳)۔ مباحات کرنے میں گناہ نہیں چھوڑنے میں کوئی خطا نہیں۔ جیسے جمعہ اور عیدین کے بغیر خوشبو کا استعمال اگر نیت یہ ہو کہ مسلمان بھائیوں کو راحت پہنچے اور انہیں بد بو سے تکلیف نہ ہو تو اس صورت میں نیکی کا کام ہو گا۔ اور یہ نیت ہو کہ عورتوں کے لئے کشش کا موجب ہو تو گناہ ہوا۔

حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر آدمی کو ہر مسلمان کو اس کی ضرورت ہے کہ وہ شیطان اس کی کیا حقیقت ہے۔ کہاں ہے بلکہ اس کے ہتھیاروں سے واقف ہونا چاہیئے۔ تا کہ بچ سکے۔ شیطان کے فریبوں اور تدبیروں سے واقف ہونا فرض ہے

کیونکہ حفاظت دین فرض ہے۔ اس لئے اگر آدمی کے کپڑے میں سانپ یا بچھو گھس جائے تو اس کی تحقیق کرنے کی ضرورت نہیں کہ کس رنگ کا ہے کس نسل کا ہے بڑا ہے چھوٹا ہے۔ کس ملک کا ہے۔ کتنا لمبا چوڑا ہے بلکہ یہ کہ اس کو فوری طور پر ہٹا دے اور اپنے آپ کو اس سے بچاوے۔ چار ہتھیاری شیطٰن کے جن سے بچنا ضروری ہے۔

(۱)۔ ھوٰا خواہش۔ چاہت۔ یعنی اپنی رائے پر چلنا چاہے خدا کی رائے سے اپنی رائے مختلف ہو۔ دین کے مخالف ہو بلکہ جی کی چاہ کو اللہ کی چاہ پر قربان کر۔ لاالٰہ الا اللہ کے معنی ہیں کہ جو اللہ چاہے وہ کرنا اور جو جی چاہے وہ نہ کرنا۔ آدمی میں خود رائے کا مادہ ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ کوئی آدمی مرید ہونے بیعت کے لئے آیا تو کہا کہ تصوف کی رائے کیا ہے۔ فرمایا رائی کو رائی بنانا۔ یعنی رائے دینے والے کو رائی کے دانے کے برابر بنانا اپنی رائے کو مٹانا اور رائی کے برابر بنانا۔ خود رائے سے بہت نقصان ہوتا ہے۔ اللہ اور رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے احکام کو بہت سے لوگ نہیں مانتے۔ کرتے وقت مولوی کی رائے کہتے ہیں۔ عقیدہ بگڑ جاتا ہے کسی وقت عمل میں خود رائے سے سستی ہوتی ہے۔ روزے۔ حج۔ زکوٰۃ۔ نماز میں پابندی تو ہے لیکن دنیا و آخرت کا فائدہ تکلیف کے ساتھ ہوتا

ہے۔ دنیا کمانے میں جتنی تکلیف ہوتی ہے اتنی دین کمانے میں نہیں۔ دنیا کا کوئی کام تکلیف اٹھائے بغیر نہیں ہوتا۔ دین کا کام کیسے بغیر تکلیف ہو جاوے۔ فرض نماز تو صرف ۱۷ رکعت آدھ گھنٹہ کا کام ہے۔ ۲۴ گھنٹہ میں ۴۸ واں حصہ روزوں کے لئے اسی طرح سال بھر میں ایک مہینہ اور زکوۃ بھی چالیسواں حصہ اللہ تعالیٰ دیتا بہت ہے لیتا کم ہے۔ لَمَوضع سَوطٍ مِنَ الجنّۃِ خیرٌ مِنَ الدنیا وما فیھا۔ راحت کی رکاوٹ شیطان ہے۔ شیطان کہتا ہے کہ اپنی خواہش کے سامنے سب چیز کو قربان کر۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کا یہ دستور تھا کہ ان سے کچھ پوچھا جاتا اپنی رائے کو دخل نہیں دیتے تھے بلکہ فرماتے تھے اللہ وَرسُولہٗ اعلمُ ہمارا جاننا یا نہ جاننا برابر ہے۔ سائنس کے قانون تجربی ہیں لیکن جس قدر یہ تنگ ہوں اتنے ناقص اور جس قدر کشادہ ہوں علم زیادہ ہو۔ پہلے پہلے صرف تصویریں ہوتی تھیں۔ جو چلتی نہیں تھیں۔ پھر سینما ہیں ہلنے چلنے لگیں پھر بولنے والی آگئیں۔ ٹاکیز۔ انسان محدود۔ اس کا زمانہ محدود۔ عقل اور مکان محدود۔ علم کم۔ اللہ تعالیٰ کا علم غیر محدود اس کی ذات پاک غیر محدود اس کے تجربہ کی بات پکی۔ تمام دنیا کے تجربات اس کے سامنے صفر اللہ تعالیٰ کا علم پکا ہمارا ناقص، ہم نادان۔ اگر چھوٹا بچہ اپنے خیال پر چلے اور باپ یا بڑوں کی بات نہ مانے۔ مریض اگر حکیم یا ڈاکٹر کے حکم پر نہ چلے تو نقصان۔ بیٹا اگر بچپن کی وجہ سے آگ میں ہاتھ ڈالے

باپ منع کرے۔ اس لئے اپنا خیال اللہ تعالیٰ کے آگے مٹادو وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَ نَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی۔

شیطان جانتا ہے کہ انسان اپنے خیال پر چلتا ہے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہیں اس کے خیالات۔ مچھلی پانی کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ گمراہی اور گناہ میں انسان کو ڈالنا شیطان کے لئے ایسے ہے جیسے مچھلی کے لئے پانی۔ اس کے لئے گناہ اور گمراہی کے بغیر موت ہے۔

دوسری (۲) چیز ہے شہوات۔ محبت دنیا، محبت مال، محبت عورت۔ شراب۔ جوا بازی کی محبت۔ خواہش نفس۔ جو چیز پسند کرے وہ شہوت ہے۔ یہ شیطٰن کا دوسرا ہتھیار ہے۔ جو کام اللہ تعالیٰ کے نزدیک گناہ ہے اس کے پیچھے لگ جاتا ہے کہ شہوت کے گناہ سے اسے گرالوں گا۔ مال کی۔ عورت کی لالچ زکٰوۃ سے منع کرتا ہے۔ چوری اور رشوت پر آمادہ کرتا ہے۔ اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآئِ۔ تنگدستی سے ڈراتا ہے۔ ہم محاسبہ نہیں کرتے حالانکہ گناہ میں آلودہ ہیں پاک ہستیاں محاسبہ کرتے تھے تاکہ شیطان انسان کو اللہ کا مجرم نہ بنائے۔ حضرت عمرؓ و حضرت علیؓ دونوں عشرہ مبشرہ میں سے ہیں جن کو زندگی میں قطعی بہشتی ہونیکی بشارت مل چکی تھی۔ ہمارے جیسا کوئی ہوتا تو ٹانگیں لمبی کر کے ایسا سوئے کہ نہ نماز کا نام اور نہ روزے کا نام لے۔

اچانک ایک روز حضرت عمرؓ اپنی خلافت کے زمانہ میں مدینے منورہ میں اپنی جگہ سے اٹھے اور کہا کہ ایک مشک لاؤ۔ مشک بھر کر مدینہ کی گلیوں میں پھرے کہ جن کے گھر پانی نہ ہو سب کے گھر پہنچے پانی دیا۔ پوچھا گیا کیا وجہ ہے حضرتؓ فرمایا کہ قیصر روم کے دو سفیر آئے ہیں۔ انہوں نے میری تعریف کی مجھے خوش لگی میں کنٹرول رکھتا ہوں نفس پر میں نے کہا یہ عجیب بڑائی یا غرور جو میرے اندر پیدا ہوا ہے اس نے میری بڑائی بتائی ہے۔ نفس کو اپنی چھوٹائی دکھاؤں تا کہ وہ سفیروں کے کہنے سے جو گند گی نفس میں آئی ہے وہ دور ہو جائے۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ، نے ایک قمیص سلوائی اور پہنی تو پسند آئی۔ ان کے بلند مقام کا ذکر ہے۔ جب قمیص دیکھی تو قینچی منگوائی۔ نصف آستین ایک بازو کی اور نصف آستین دوسرے بازو کی کاٹ لی پوچھا گیا کیوں ایسا کیا گیا۔ فرمایا پسند آئی تھی۔ میں نے کہا نفس خوش ہو رہا ہے کہ عمدہ کپڑا۔ عمدہ اور اچھے لوگوں کے لئے ہوتا ہے۔ اس لئے آستین کاٹ لیں تا کہ اسے اپنی اچھائی کا احساس جاتا رہے۔

حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک ترکیب بتائی ہے فرماتے ہیں کہ یہاں تو ایک ایک کوڑی کا حساب ہے۔ مگر آخرت کی چیزوں کا حساب نہیں۔ فرماتے ہیں مغرب کے وقت انسان محاسبہ کرے یہ تصور کرے کہ صبح سے مجھ سے کیا کیا لغزشیں

ہوئیں۔ کتنی نافرمانیاں ہوئیں لکھ لے۔ فرض کریں ایک دن میں سات گناہ ہوئے ہیں تو دل میں پختہ ارادہ کرے کہ دوسرے روز اگر سارے گناہ نہیں چھوڑ سکتا تو کم از کم ایک گناہ تو کم کردے۔ ایک گناہ ضرور چھوڑ دے۔ ہفتہ میں سب چھوٹ جائیں گے۔ اسی طرح صبح کو اپنا محاسبہ کرے کہ رات کو کتنے گناہ کئے ہیں پھر ان کو اسی طرح ایک ایک کر کے چھوڑ دے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ یہ محاسبہ یا مراقبہ اس وقت تک جاری رکھے کہ خواہش نفس بیکار ہو جاوے۔ دنیا کمانا فرض ہے لیکن دین بچانا اس سے زیادہ ضروری ہے۔

مراقبہ فناء دنیا و بقاء دین۔ رات کو کسی وقت آنکھ بند کر کے اندھیرے میں بیٹھ کر تصور کرے کہ دنیا و مافیہا سب فانی ہے دنیا ختم ہو جانے والی ہے کبھی دنیا رہتی ہے تو آدمی ختم ہو جاتا ہے سب ایک وقت ختم ہونے والی ہیں۔ جو مر گیا اس کے لئے سب کچھ ختم ہو گیا۔ موت کا کوئی ضابطہ نہیں۔ یعنی کوئی وقت مقرر یا طریقہ نہیں ریل میں۔ موٹر میں۔ سائیکل پر۔ نماز میں۔ کھانا کھاتے وقت نوبت آجاتی ہے۔ اس وقت ایمان اور عمل صالح کام آویں گے یہ دنیا ساتھ نہ جاوے گی۔ یہ ہے فناء دنیا اور بقاء آخرت کا مراقبہ آخرت میں محل۔ مکان سب نعمتیں ہمیشہ کیلئے ہیں وہاں باپ دادے اولیا۔ بزرگ اور پیغمبر علیہم السلام سب ہوں گے اور سب ساتھ

ہوں گے۔ ان مراقبوں سے خواہشات نفس کمزور ہوتی ہیں۔

(۳) غضب۔ یہ شیطان کا تیسرا ہتھیار ہے اس سے عقل اور دماغ کا توازن بگڑ جاتا ہے۔ غضب کی حالت میں کنٹرول کی ضرورت ہوتی ہے۔ جیسے گھوڑا بے قابو ہو جاوے تو اسے لگام لگانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ تاکہ غصہ میں بے ادب نہ ہو جاوے۔ انسان گالی گلوچ دیتا ہے۔ کبھی پیٹتا ہے۔ کبھی قتل تک کر دیتا ہے۔ وَالکَاظِمِینَ الغَیظَ وَالعَافِینَ عَنِ النَّاسِ-اچھے بندے غصہ پی جاتے ہیں اور عفو و در گزر کرتے ہیں۔ لَیسَ الشَّدِیدُ بِالصُّرَعَۃِ اِنَّمَا الشَّدِیدُ مَن یَملِکُ النَّفسَ عِندَ الغَضَبِ۔ پہلوانی طاقت سے پچھاڑنے کا نام نہیں بلکہ کامل پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔

دوسرا علاج ہے تصور قدرت الٰہی۔ آدمی دوسرے آدمی پر غصہ اس وقت کرتا ہے جب وہ کوئی خراب کام کرے یا کسی کی مرضی کے خلاف کام کرے۔ اس وقت آپ یہ خیال کریں کہ ہم نے خود کتنے سینکڑوں کام اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کئے ہیں؟ کیا ہم نے اللہ کے خلاف کام نہیں کئے؟ کیا اس آدمی سے آپ کی طاقت زیادہ ہے؟ اللہ تعالیٰ کی آپ سے طاقت زیادہ نہیں؟ سب سے زیادہ تو اللہ کا زور ہے اللہ تعالیٰ تو اس بڑے زور کے باوجود جرم کرنے والے کو تباہ نہیں کرتا تو کیوں ناگوار بات سن کر اس قدر برہم ہو گیا۔ جس قوم میں غصہ کم ہوتا ہے وہ کامیاب رہتی ہے

صحیح سوچ کا موقع وہی ہے۔ جب غصہ نہو۔ اَلمؤمنُ لَا یُھاجِرُ اَخَاہُ المؤمِن فوقَ ثلاثٍ ۔ مومن تین دن سے زیادہ سلام و کلام مومن سے بند نہیں کرتا۔ تین دن سے زیادہ بائیکاٹ کرنے والا نہیں بخشا جاتا۔ شب برأت میں بہت لوگ بخشے جاتے ہیں سوائے چند آدمیوں کے ان میں سے ایک تین دن سے زیادہ بائیکاٹ کرنے والا ہے۔ تین دن کی حکمت اس لئے کہ غصہ پہلے دن زیادہ ہوتا ہے کیونکہ تازہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ فرماتا کہ ایک دن کی بائیکاٹ نہ کرو تو اسے کون روک سکتا ہے لیکن حکم عین فطرت انسانی کے مطابق دیا ہے۔ تین دن میں غضب و غصہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور تین دن کے بعد جو ابتدأ بالسلام کرے اللہ کے ہاں وہ بہتر ہے کیونکہ جس نے جو پہل کی وہ سمجھتا ہے میری وقعت نہیں رہی میری وقعت میں کمی ہو گئی۔

عجلت۔ چوتھی اصلاح جلد بازی سے کوئی خالی نہیں لیکن جلد بازی کو استعمال کرنا کہ آپ گناہ کا ارتکاب کریں اللہ کا حکم ٹوٹ جائے یہ گناہ ہے۔ جذبات اپنی ذات میں گناہ نہیں لیکن جب شیطان انسان سے استعمال کراتا ہے تب گناہ ہے۔ خلق الانسان مِنْ عجل۔ وَکَانَ الِانسانُ عَجولاً۔ العجلُ مِنَ الشَّیطَانِ وَالتَّانِّیُ مِنَ اللہِ سوچ سمجھ اللہ کی طرف سے ہے اور جلد بازی شیطان سے ہے

عجلت کا فلسفہ۔ گناہوں کی جڑ جلد بازی ہے تمام احکام زمین پر فرض ہوئے ہیں۔ لیکن نماز آسمانوں پر فرض ہوئی اِنَّ اَھَمَّ

أُمُورَكُمُ الصَّلٰوۃ فَمَنْ حَفِظَهَا لِسِوَاهَا حَفِظَهَا وَمَنْ ضَيَّعَهَا لِسِوَاهَا أَضْيَعُ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے گورنروں کو لکھا کہ جو شخص نماز کی حفاظت کرتا ہے وہ سب چیزوں کی حفاظت کرتا ہے جو اسے ضائع کرتا ہے وہ کسی چیز کی بھی حفاظت نہیں کرتا۔شیطان جلد بازی سے وضوٗ ناقص کرا دیتا ہے۔ انسان جیسے پیسوں کو گنتا ہے۔ یا چیز کو خرید و فروخت کے وقت اچھی طرح دیکھ بھال کر معاملہ کرتا ہے۔ اسی طرح نماز کے ہر معاملہ میں سوچ و بچار اور دیکھ بھال ہونی چاہیے۔ وضوء کو نہایت احتیاط سے کرنا چاہیے۔ اِسبَاغُ الْوُضوْءِ عِنْدَ الْمَکَارِہِ کی بڑی تعریف آئی ہے نماز میں بھی اسی طرح ٹھونگیں مارتا ہے کہ ایک منٹ نہ لگے عجلت کے جذبہ کے تحت جلد فارغ ہو جاوے - باہر کوئی سونا برس رہا ہے کہ اسے سمیٹنا ہے؟ بعض آدمی امام سے پہلے سجدہ کرتے ہیں حالانکہ ہر رکن میں امامؑ سے پیچھے رہنا چاہیے۔ حالانکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے کہ امام تکبیر تحریمہ اللہ اکبر اور سلام یعنی السلام علیکم کو مختصر کرے ان میں دیر نہ لگائے۔ اذا کبر الامام کبر وا جب امام اللہ اکبر کہے اس وقت تم اللہ اکبر کہو اگر امام کی اکبر سے پہلے داخل ہو گئے تو امام سے پہلے داخل ہو گئے اور اگر اس کے سلام سے پہلے فارغ ہو گئے تو اس سے پہلے خارج ہو گئے۔ اسی طرح سجدہ میں بھی پہلے جاتے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عجلت شیطان کراتا

ہے جب امام سے پہلے فارغ نہیں ہونا تو اس کے تابع ہو کر رہو۔ فسادات اسی عجلت کیوجہ سے ہوتے ہیں۔ بری بات دل میں آنے سے جلد کر ڈالتا ہے۔ سوچنے کا موقعہ نہیں دیتا۔ مسلمانوں میں جوش ہے ہوش نہیں۔

حضرت امام جعفر صادق رحمتہ اللہ علیہ راستے میں جا رہے تھے۔ حالانکہ آپ حسب و نسب اور عزت کے لحاظ سے بہت بلند مرتبہ والے تھے۔ آپ کو ایک آدمی نے گالی دی آپ نے اسے انعام بھجوا دیا۔ فرمایا کہ آپ نے مجھے ایک عیب بتا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ میرے ہزاروں عیب جانتا ہے اس کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے تجھے صرف ایک عیب بتایا ہے باقی نہیں بتائے۔ شیطان کی تدابیر بیان ہو چکی ہیں۔ سر تخصیص۔ حکمت تخصیص۔ شیطان سے پناہ مانگنے کی تخصیص کی گئی ہے کسی اور سے پناہ نہیں مانگی گئی۔ سانپ، بچھو، ہندو، امریکہ، انگریز سب دشمن ہیں۔ لیکن ایک جو بدبخت دشمن ہے اس سے پناہ منگوائی وہ ہے شیطان۔ اللہ تعالیٰ کا علم محیط ہے ہمارا دماغ تو نابالغ ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ ہمارا کونسا حقیقی دشمن ہے اس لئے سارے دشمنوں کو لپیٹ کر ایک دشمن کو سامنے رکھا۔ شیطان کی عالمگیر ماہر تخصیص کر رکھی گئی۔ ایک ڈاکو یا چور پگڑی یا کپڑا وغیرہ چھینتا ہے دوسرا چاقو سے بدن زخمی کرتا ہے۔ شیطان کے سوا کل دشمنان بنیادی چیز تک

نہیں پہنچ سکتے۔ مثال کے طور پر آپ کے پاس ایک تانبے کا صندوق دوسرا چاندی کا اور تیسرا سونے کا ہے۔ ایک کوہ نور کا ہیرا یا اس کے برابر الماس جس کی قیمت لاکھوں روپے ہے پہلے اس کو سونے کی ڈبیہ یا صندوق میں رکھتے ہیں پھر اس کو چاندی کے صندوق میں رکھیں پھر اس کو تانبے کے صندوق میں رکھیں صرف ایک ہیرے کیلئے یہ صندوق بنوائے گئے ایک دشمن ایسا ہے جو تانبے کا صندوق چھینتا ہے اور دوسرا چاندی کا چھینتا ہے اور تیسرا سونے کا چھینتا ہے لیکن جو ہیرا چھینتا ہے وہ اصل دشمن ہے۔ کپڑا تانبے کا صندوق۔ بدن ہاتھ اور پیر چاندی کا صندوق، روح اور جان سونے کا صندوق۔ ہیرا یا الماس ایمان ہے جو کروڑوں کا ہے۔ ایمان جان میں، جان بدن میں، بدن کپڑے میں، امریکہ کا اٹیم بم یا ہائیڈ روجن بم یا ہندوؤں کا حملہ یا سانپ یا بچھو یا چور ڈاکو کا حملہ ہو اس کا اثر یہ ہو گا کہ دو کو الگ کر دے گا کہ جان اور ایمان کو الگ کر دے گا اور بدن اور کپڑوں کو الگ کر دے گا۔ مرنے کے بعد جان کے ساتھ ایمان رہے گا۔ آخرت محافظ خانہ ہے جو چیزیں ہیں پوری طرح محفوظ ہیں۔ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ۔ اللہ تعالیٰ کو تو معلوم ہے کہ انسان کے هزاروں دشمن ہیں ان کی دشمنی کپڑے یا بدن کی ہے وہ کم درجہ کے دشمن ہیں۔ شیطان ایمان کا دشمن ہے۔ وہ ایمان یا ہیرے کا دشمن ہے۔ اس لئے اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم فرمایا گیا

ہے۔

ڈاکٹر علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ کسی نے شیطان کو دیکھا کہ کرسی پر بیٹھا آرام سے سگریٹ پی رہا ہے پوچھا کیوں۔ کہا جب سے انگریز آئے ہیں اور اس کی تہذیب اور تعلیم عام ہوئی ہے تو ہماری ضرورت نہیں رہی۔

درس نمبر: ۵

۲۹ دسمبر ۱۹۶۳ء

شیطان کی مُدافعت

اعوذ باللہ کو بسم اللہ سے پہلے پڑھنے کے بارے میں بیان ہو چکے ہیں۔ پھر شیطان کی مختلف تدابیر اور ان کے علاج بتائے گئے ہیں اور اس کے مختلف ہتھیار اور ان سے بچنے کے طریقے بھی بیان ہو چکے ہیں۔ اب رہا یہ کہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھنے سے شیطان کی مدافعت کیسے ہوتی ہے۔ آخیر میں رہا تخلیق ہو گی کہ اس منحوس ہستی کی پیدائش میں کیا مصلحت اور حکمت ہے اور علاجوں کے علاوہ شیطان سے مدافعت کیلئے اعوذ باللہ پڑھا کرو ممکن ہے کہ بعض لوگوں کا خیال ہو کہ اتنا بڑا عظیم دشمن جس کو شیطان کہا جاتا ہے اس کی مدافعت کے لئے اسلام نے بڑا معمولی انتظام کیا کہ صرف اعوذ باللہ پڑھی کرو بالخصوص ایک چھوٹا سا جملہ ہے اس کے کہنے سے اتنا عظیم دشمن ہٹ جاتا ہے اور ہم بچ جاتے ہیں؟ دشمن اتنا عظیم اور محافظی تدبیر اتنی معمولی سی۔ اس کے لئے تین چیزوں کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔ (۱) اعوذ باللہ ایک الفاظی جملہ ہے ہم

نے دنیا کی بہت سی چیزوں میں تاثیر رکھی ہے مثلاً دوا کے ذریعے مرض دور ہو جاتی ہے دوا ایک زمین سے نکلی ہوئی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ تاثیر رکھی کہ اس سے مرض دور ہو جاتی ہے۔ مرض بھی شیطان کی طرح دشمن ہے۔ جو چیز باریک ہو یا نظر نہ آتی ہو وہ عظیم اثر رکھتی ہے جیسے بھاپ انجن کو چلاتی ہے اور گاڑی کو کھینچتی ہے۔ کوئلہ خود انجن کو نہیں چلا سکتا موٹی موٹی چیزیں اتنی چلانے کی قوت نہیں رکھتیں۔ باریکی آنے سے چیزوں میں زور زیادہ آ جاتا ہے۔ سب سے زیادہ زور تو اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے ملائکہ کی۔ حدیث پاک قُوۃ مَلَکٍ واحِدٍ کقوۃِ الثقلَین ایک فرشتہ کی ایسی طاقت ہے جیسے سب انسانوں جنوں وغیرہ دنیا کی تمام طاقتوں کو ملا کر ان سے زیادہ ہے۔ جو چیز موٹی کثیف جان والی ہو گی اس کی طاقت کمزور ہو گی دواؤں میں بھی یہی اثر ہے۔ روغن بادام میں مغز بادام سے زیادہ اثر ہے کثیف شئی کا اثر کم اور لطیف شئی کا زیادہ ہے۔ اعوذ باللہ ایک جملہ ہے اور خدائی جملہ ہے لطیف ہے۔ خالقِ تاثیرات نے اگر اس میں یہ تاثیر رکھ دی ہو کہ شیطان اس سے ہٹ جائے یا اس کا بس نہ چلے تو اس میں کیا امر مانع ہو سکتا ہے؟ تاثیر رکھنے والی تو وہ ذات ہے۔ شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ خرقانی بہت بڑے بزرگ ہو گزرے ہیں۔ سلطان محمود رحمۃ اللہ علیہ غزنوی کے پیر تھے۔ ان کے متعلق یہ واقعہ ہے۔ محمود غزنوی

رحمتہ اللہ علیہ جب سومنات کے مندر پر حملہ کرنے گیا تو آپ نے اسے اپنا قمیص نکال دیا۔ جب محمود غزنوی رحمتہ اللہ علیہ کے لشکر پر شکست کے آثار نمودار ہوئے تو سلطان فرمانے لگے کوزہ و مصلے من بیا وضو کیا اور دو رکعت نماز پڑھی اور اس قمیص کو ہاتھ میں لیا اور دعا کی یا اللہ اس بزرگ کے طفیل ہماری امداد فرما۔ بس دعا کی اور معاملہ بدل گیا بادل اور اندھیری سی آئی جس سے ہندوؤں کو سلطان کی نئی فوج کی کمک کے آنے کا گمان ہوا اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ تو قصہ ہے کہ ایک طرف اللہ کی جانب رجوع کرنے والے تھے اور دوسری طرف کفار تھے۔ اگر معاملہ اس سے مختلف ہو کہ دونوں طرف غیر جانبدار ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ قوت پر فیصلہ چھوڑتا ہے جس کی قوت زیادہ وہی فتحمند ہوتا ہے۔ زمانہ کے بڑے فیلسوف حکیم بوعلی سینا حضرت ابوالحسن خرقانی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہا کہ ہماری طب کا اصول تو یہ ہے کہ اگر مرض گرم ہو تو دوا سرد دیتے ہیں اگر مرض سرد ہو تو دوا گرم دیتے ہیں۔ اگر مرض خشک ہے تو دوا تر اور اگر مرض تر ہے تو دوا خشک دیتے ہیں غرضیکہ علاج بالضد کرتے ھیں اور قاعدہ بھی یہی ہے کہ ہم لوگ بھی گرم موسم میں سرد چیزیں استعمال کرتے ہیں اور سرد موسم میں گرم چیزیں استعمال کرتے ہیں۔ لیکن آپ کے پاس جب کوئی مریض آتا ہے آپ چند الفاظ پڑھ کر دم کر دیتے ہیں۔ یہ بتلائیے کہ

آپ کا دم گرم ہے یا سرد اگر گرم ہے تو سرد مرض کے لئے مفید اور اگر سرد ہے تو گرم مرض کے لئے مفید اور سرد کے لئے مضر ہے۔ فرمایئے آپ کا دم کیا چیز ہے۔ اس کے جواب میں حضرت ابوالحسن خرقانی رحمتہ اللہ فرماتے ہیں گو مخور سگ کہتے ہیں پاخانہ مت کھاؤ۔ ان کے شاگرد اس جملے پر برہم ہو گئے اور لڑنے مارنے کیلئے تیار ہو گئے۔ حکیم صاحب نے فرمایا گالی نہیں دی۔ جواب دیا ہے گھر چل کر تمہیں سمجھائیں گے سلام کر کے واپس چلے گئے واپسی پر شاگردوں نے کہا کہ جواب تو سوال کا صاف تھا۔ انہوں نے یہ گالی کیوں دی حکیم صاحب نے کہا گالی دینے سے میرا سارا بدن غصہ کی وجہ سے گرم ہو گیا۔ اس چھوٹے کلمہ کے سننے سے میرے سارے بدن میں آگ لگ گئی جو دوائی نہیں تھی اور کچھ دیر کے بعد ٹھنڈی ہو گئی۔ اس لئے معلوم ہو گیا کہ جملہ نہ سرد تھا۔ نہ گرم۔ نہ تر۔ نہ خشک۔ ایک طرف بے حد گرمی پیدا کر دی پھر بے حد ٹھنڈک پیدا کر دی۔ اسی طرح دم بھی نہ گرم ہے نہ خشک۔ نہ سرد ہے نہ تر مگر سب کچھ کرتا ہے۔ تو یہ اثر ہے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھنے کا۔ یہ ایک دعا ہے کہ اے اللہ میں تیری پناہ میں آ کر شیطان سے بچنا چاہتا ہوں۔ یا شیطان کے خلاف تیری مدد چاہتا ہوں۔ اللہ عزوجل نے پہلے سے اعلان فرمایا ہوا ہے وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ مجھے بلاؤ تو میں تمہاری مدد کروں گا اور تمہاری پکار کو سنکر اس کو

شرف قبولیت بخشوں گا۔ دعا کا فلسفہ اھدنا الصراط المستقیم میں بیان ہو گا۔ بہر حال دعا کا اثر ہوتا ہے دعا کا اثر ضرور ہوتا ہے ایک زمانہ تھا کہ امریکہ اور یورپ مسلمانوں کی دعا پر مزاق اڑاتے تھے۔ دعا کی حقیقت یہ ہے کہ انسان طاقت اور اسباب میں کمی نہ کرے۔ شریعت کا حکم ہے کہ اسباب پورے کرنے کے بعد دعا بھی اللہ تعالیٰ سے مانگے۔ ہندو چین سے تنہا نہ لڑسکتا تھا امریکہ سے دعا کی یا امداد مانگی دعا کا معنی شامل ہونا کے ہیں۔ شرکت کی طلب۔ دعا کے معنی بلانے کے ہیں۔ دنیا میں کمزور طاقتور کو بلاتا ہے۔ مومن بھی جب اس کی طاقت موثر نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ کو بلاتا ہے۔ امریکہ اور برٹش نے دعا کی تحقیق کے لئے ایک مشترکہ ایسوسی ایشن مقرر کی تھی اور اس ایسوسی ایشن کی رپورٹ کے نتیجہ میں امریکہ اور یورپ نے دعا کے اثر کو مان لیا ہے۔ لیکن ہماری یہ حالت ہے کہ ہم اللہ کو نہیں سمجھتے اس ایسوسی ایشن نے ثابت کیا ہے کہ دعا مریض کی صحت پر اثر انداز ہوتی ہے برطانیہ میں تین ہزار ہسپتال تھیں۔ یہ معلوم کیا گیا کہ فائدہ دوا سے ہوا یا دعا سے تو معلوم ہوا کہ پچاس فیصد دعا سے شفایاب ہوئے اس لئے انہوں نے حکم دیا ہے کہ تین ہزار ہسپتالوں میں سے ہر ایک ہسپتال میں ایک ایک پادری دعا کرنے کیلئے مقرر کیا جائے۔ اپریل ۱۹۶۳ء میں اسی ایسوسی ایشن کی رپورٹ چھپی ہے کہ انسان کے بدن میں حیات اللہ کے اجزا موجود ہیں۔

جی۔ اصلی ذات تو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے جب دعا کی جاتی ہے تو مریض کا دل اس الحیات کے تابع ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے حیات قوی ہو کر مرض پر قابو پا لیتی ہے۔ انسان کے اندر جو حیات یا جو جوہر زندگی ہے اس کا تعلق باللہ یا تعلق رب الحیات سے جڑ جانے سے قوی ہو جاتا ہے اور مرض کے لئے مشکل پیدا ہو جاتی ہے۔ برٹش امریکن ایسوسی ایشن کی رپورٹ امروز مورخہ ۱۴ اپریل ۱۹۶۳ء میں شائع ہوئی تھی یورپ اور امریکہ کی بات پر یقین آ جاوے۔ کیونکہ اللہ کی بات پر تو ہمیں یقین نہیں۔ دعا کا اثر یقینی ہے۔

(۳) تیسرا جواب اعوذ باللہ کے اثر کے متعلق ایک مثال ہے شیطان کے حملہ آور ہونے یا اس سے تحفظ حاصل کرنے کے لئے جب مومن اعوذ باللہ کہتا ہے تو شیطان کے ذہن میں فوراً تین چیزیں آ جاتی ہیں۔ پہلی یہ کہ شیطان یہ سمجھتا ہے کہ میں طاقتور ہوں اس ضعیف انسان نے اعوذ باللہ پڑھ کر زیادہ طاقتور اللہ کو بلایا ہے وہ مجھ سے زیادہ طاقتور ہے۔ (۲) کیونکہ جو کچھ بھی ہے، ہے تو سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور تیسری بات وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ جس وقت مومن نے اعوذ باللہ پڑھ کر اللہ تعالیٰ کو بلایا ہے اس نے اسی وقت سن لیا ہے یہ فوراً سننا اس کی صفت ہے۔ یہ صفت اور کسی کو حاصل نہیں۔ اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی خاص بندے کو وحی کے ذریعے جو بتلائے وہ اللہ کا بتلایا ہوا ہوا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ وَلَاتُطْرُوْنِی کَمَا اُطْرِتِ الْیَہُود و النصاریٰ اَنْبِیَاء ھُمْ۔ خدائی صفات کسی کو نہ دو بالخصوص جیسے یہود اور انصاریٰ نے اپنے انبیاءَ علیہم السلام کو دے رکھے تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تو جزو ایمان ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے لَا یُوْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیہِ مِنْ نَفْسِہٖ وَوَلَدِہٖ وَوَالِدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْن، محبت تو جزو ایمان ہے لیکن نزاکت اس میں یہ ہے کہ محبت اور عبدیت کو جمع کیسے کیا جاوے۔ اللہ اللہ ہے اور عبد عبد ہے مقام نبوت کو مقام خدا میں یا خدا کی حد میں خلط ملط نہ کرو۔ اگر توحید مٹ گئی تو پیغمبر علیہم السلام کا مقصد مٹ گیا اور تم لوگ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں میں گر گئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مسئلہ کو ایسے اہتمام اور انتظام کے ساتھ بیان فرمایا کہ شرک کا مسئلہ حل کر دیا اس لئے کوئی گنجائش نہ رہی۔ انسان خوف کے وقت جائے پناہ ڈھونڈھتا ہے۔ دعا کا فلسفہ تو ابھی بیان ہو چکا ہے۔ مؤمن، ولی، بزرگ اور پیغمبر اگر دعا کریں۔ مومن کی دعا قبول ہوتی ہے۔ ولی، بزرگ اور پیغمبر علیہم السلام تو بہت اونچے ہیں۔ کارخانۂ عالم میں تصرف اسے مانا جائے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کا تصرف ہے۔ تصرف صرف اس کی ذات پاک کے شایان ہے کسی اور کو اختیار نہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں۔ اللہ نے

مجھے اس لئے بھیجا ہے کہ میں اسلام کی ٹھیک ٹھیک حقیقت بیان کروں فرماتے ہیں کہ شرک اس لئے پھیلا کہ بدبختوں نے خدا تعالیٰ کو بادشاہ کی طرح سمجھا ہے۔ دنیا کے بادشاہوں کو ایک خاص قسم کے اختیار ہوتے ہیں جنہیں مرکزی اختیارات کہا جاتا ہے لیکن وہ ہر جگہ نہیں پہنچ سکتے اس لئے ان کے نیچے اور گورنر ہوتے ہیں ان کو علاقائی اختیارات دیئے جاتے ہیں۔ انہوں نے کمشنروں کو اور کمشنروں نے پھر ڈپٹی کمشنر رکھ کر کچھ اختیارات انہیں دیتے ہیں۔ پھر ڈپٹی کمشنر اسسٹنٹ کمشنر رکھے ہوئے ہوتے ہیں اس طرح شاہی تخت کے اختیارات نیچے نیچے پہنچتے پہنچتے تقسیم ہو جاتے ہیں۔ جس کے متعلق کام ہو اسی سے مانگا جاتا ہے۔ اس سے درخواست یا استدعا کی جاتی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ کا خیال ہے۔ یُطلبُونَ المقبولِینَ و للمعظمینَ، بڑے نیک اور زاہد اور برزگیدہ لوگوں سے طلب کرتے ہیں۔ جیسے سیدنا حضرت ابراھیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی تصویریں بنائی ہوتی تھیں اور انہیں بیت اللہ شریف میں لٹکایا ہوا تھا اور ھولاً شفعاءُ نا الی اللہ کہتے تھے کہ یہ ہمارے سفارشی ہیں۔ مگر بیسویں صدی کے مؤمن کا شرک ان سے بھی بڑھ گیا۔ وہ تو بزرگوں کو اللہ کی جناب میں وسیلہ بناتے تھے یہ خاص مشرک تھے اور ہم قبر پر جا کر خود پیر سے اولاد اور دوسری حاجتیں مانگتے ہیں حالانکہ وہ مشرک خاص ان سے مانگتے نہیں تھے۔

ابوجہل اور ابولہب حضرت ابراھیم علیہ السلام اور اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے مانگتے نہیں تھے بلکہ ان سے سفارش کراتے تھے۔ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى۔ اگر اختیارات عالم کا دوسرا مرکز پیدا کیا جاوے تو پھر شرک کی جڑ پیدا ہوتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے اختیارات دوسروں کے لئے کھے جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر کاری ضرب لگائی ہے وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ میں چھوٹے اوز بڑے سب کاموں کے لئے خود کافی ہوں ایک ملک کا بھی دوسرے ملک کا بھی کام کر سکتا ہوں ساری کائنات کا ایک ایک ذرہ میرے سامنے اور میرے علم میں ہے اور میرے تابع ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا جس کو بھی پکارو گے وہ کھجور کی گھٹلی کے باریک چھلکے کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے۔

ہم جو چیز بیچتے ہیں ہم اس کے مالک ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کل مشکلات کے لئے میرے سوا کوئی مالک نہیں۔ میں واحد لاشریک ہوں۔ اپنی طرف جھکانا چاہتا ہوں۔ جہاں امید ہوتی ہے وہاں طالبوں کی بھیڑ لگ جاتی ہے۔ جب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو وصیت فرمانے کی استدعا کی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِذَا سَئَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰهَ وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ، ترجمہ: جب تو سوال کرے تو اللہ سے سوال کر اور جب تو مدد مانگے تو اللہ سے مدد مانگ، اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ

شیطان کو علم ہے کہ جیسے انسان پرندے کو پھنسانے کیلئے دام و دانہ لگاتا ہے اسی طرح وہ پیغمبران علیہم السلام اور اولیاء کرام کو ذریعہ شرک بناتا ہے۔ ان کی محبت کی آڑ میں مشرکانہ اعتقادات کو خوبصورت بنا کر دکھاتا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ ہر نماز کی ہر رکعت میں ایاک نعبد صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں وایاک نستعین اور صرف تجھ سے صرف تجھ سے مدد مانگتے ہیں اکبر الہ آبادی فرماتے ہیں۔

خدا سے مانگ جو کچھ مانگنا ہے اکبر
یہی وہ در ہے کہ ذلت نہیں سوال کے بعد

وَقَالَ رَبُّکُم ادعُونِی اَستَجِب لَکُم

اور ہمیں فرماتا بھی ہے کہ مجھ سے مدد مانگو اور یہ بھی فرمایا کہ تمہاری جان سے یا شہ رگ سے زیادہ قریب ہوں۔ وَلِلّٰہِ مُلکُ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ وَنَحنُ اَقرَبُ اِلَیہِ مِن حَبلِ الوَرِید۔ اور کہا کہ مجھ سے مانگ لو میں ہوں سب کو دینے والا۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ وہی غنی ہے۔ اگرچہ یہ مثال دینی ہے تو سخت نازیبا اور ناموزوں مگر سمجھانے کے لئے نہ کہ اس کی مثال کے طور پر۔ صدر ایوب اگر کہے جو درخواست تو نے دینی ہے وہ مجھے دیدے اور مجھ سے مانگ۔ کیا پھر تو تحصیلدار کے پاس جائے گا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خدا نہیں ہیں

باقی سب کچھ ہیں۔ انہیں اللہ کی حد میں نہ لے جاؤ۔ ایک آدمی اپنی کھوپڑی سے دین بتاتا ہے۔ دوسرا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے دین پر چلتا ہے کون صحیح ہے؟ ایک ہے ہاتھ پیر سے کام کرنا کسی کو سیڑھی کے ذریعہ اتارنا یا گرانا یہ تو انسان کا کام ہے۔ لوٹا اٹھانا وغیرہ مخلوق کا اختیار ہاتھ پیر سے کام کرنا ہے۔ صرف ارادہ سے کام کرنا وہ صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے اِنما اَمرُہٗ اِذَا اَرادَ شیاءً اَنْ یَقولَ لہٗ کُنْ فیکُون، اس کے ارادے سے کام ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ اپنے ارادے سے نبی یا ولی کی عزت ظاہر کرنے کے لئے کرتا ہے۔ جیسے جنگ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹھی بھر کنکریاں ہاتھ میں لیں اور کفار کی طرف پھینکیں اگر تلوار ہاتھ میں لیتے تو ہاتھ کا عمل تھا۔ مٹھی بھر کنکریوں سے چار ہزار فوج کو شکست دینا ان پر غالب آنا اللہ کا ارادہ تھا یہ انسان کا کام نہ تھا وَمَارَمَیتَ اِذْ رَمَیتَ وَلٰکِنّ اللہ رَمٰی، حقیقت میں آپ نے نہیں پھینکیں۔ حقیقت میں اللہ تعالی نے پھینکیں۔ حقیقت شکست کفار میرے ارادے نے کی۔

حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ بغدادی جو پیرانِ پیر حضرت عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کے پیر کے پیر تھے۔ ان سے کسی نے کہا ہم کشتی میں سوار تھے کشتی ڈوبنے لگی آپ ظاہر ہوئے اور آپ نے کشتی کو بچالیا۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم مجھے پتہ نہیں۔ امام

ربانی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسے کاموں کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بچانا چاہتا ہے وہ جانتا ہے کہ کشتی میں بیٹھنے والوں کی اکثریت کو کس سے عقیدت ہے تو اس لئے کسی لطیفہ کو یا فرشتہ کو اس کی شکل یعنی اس بزرگ کی صورت میں بھیج دیتا ہے۔توحید بڑی چیز ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: وَحِّدُوا اللّٰہَ فَاِنَّ التَّوحِیدَ رَأسُ الطَّاعَاتِ، ذات اور صفات میں اللہ تعالیٰ کو ایک مانو۔ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں قحط پڑا ملک خشک ہو گیا۔ مسجد نبوی میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ مبارک موجود تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے شاگردوں کو کیا تعلیم دی تھی۔ڈاکٹر ریحان کہتے ہیں جہاں مسلمان گئے وہاں کے کافروں اور مشرکوں کی رسمیں بھی اسلام میں داخل ہوتی گئیں۔ صحابہ کرامؓ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا پاک حضرت عباسؓ کو لے کر دعا کی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی پہلے جب ایسا قحط پڑتا تھا ہم تیرے پیغمبر علیہم السلام سے دعا کرواتے تھے بارش ہو جاتی تھی اب اس کے بجائے ہم تیرے پیغمبر علیہم السلام کے چچا کو لائے ہیں ان کی دعا قبول ہوئی۔اگرچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔الانبیاء احیاء فی قبورھم لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس جا کر دعا مانگی تو لوگوں میں رسم پڑ جاتے

گی لوگ قبروں پر دعا مانگنا شروع کر دیں گے۔ حضرت عباسؓ کا رتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر کم ہے مگر چونکہ زندہ تھے اس لئے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے جن کی شان اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ نبوت کے مقام کی حد نہیں لیکن اگر وہ ایسا کرتے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتے کہ دعا فرمادیں یہ کام ہو سکتا تھا لیکن امت ہر قبر پر پہنچتی۔ اس لئے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ گو کم درجہ کے تھے لیکن زندہ تھے اس لئے ان سے دعا کروائی۔ شیطان جانتا ہے کہ انسان کمزور ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی آواز بھی سن لی اور سن کر امداد بھی کرتا ہے۔ اس لئے اعوذ باللہ الخ پڑھنے سے شیطان خود بھاگ جاتا ہے۔ گلی میں ایک پانچ سالہ لڑکی کو جب دس سالہ لڑکی مارنے لگے وہ اپنے والد کو آواز دے کہ ابو اور وہ جب جواب دیگا کہ آیا تو آواز سنتے ہی بڑی لڑکی بھاگ جاتی ہے کیونکہ سمجھتی ہے کہ اس کا باپ مجھ سے طاقتور ہے بعینہ اسی طرح جب مومن اعوذ باللہ الخ پڑھتا ہے تو شیطان کو چونکہ علم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امداد کا وعدہ فرمایا ہوا ہے اور وہ خود سن بھی لیتا ہے اور ہے بھی بہت زیادہ طاقتور اس لئے اس کے لئے سوائے دوڑنے کے اور کوئی چارہ نہیں رہتا۔

درس نمبر: ۶

۳ جنوری ۱۹۶۴ء جمعتہ المبارک

نفس و شیطان کی مُشترک تدابیر

اعوذ باللہ کے اثرات بیان ہو چکے ہیں۔ آج دو چیزیں بیان کرنی ہیں۔(۱) نفس اور شیطان کی مشترک تدبیر (۲) شیطان کی تخلیق یا پیدائش میں حکمت۔ اسے بعد میں بیان کیا جائے گا(۱) جب مقصد ایک ہو تو دو طاقتیں آپس میں اِشتراکِ عمل پیدا کرلیتی ہیں۔ جرمنی کو شکست دینے کیلئے برطانیہ، امریکہ اور روس کے ساتھ موافق ہو گیا۔ ورنہ ان کی آپس میں بھی نہ بنتی تھی بس مشترک مقصد کی وجہ سے ایک ہو گئے۔ اسی طرح نفس بھی انسان کا ایک جزو ہے۔ شیطان انسان کا دشمن ہے۔ جیسے ایک مقصد کے پیشِ نظر روس اور امریکہ دو دشمن آپس میں مل گئے۔ اسی طرح انسان کو ہلاک کرنے کے لئے نفس اور شیطان میں تعاون ہو جاتا ہے۔ باوجود اس بات کے کہ شیطان نفس انسانی کا دشمن تھا۔ ان میں مشترک "چیز محبتِ لذت" ہے۔ نفس بھی مزے یا لذت کو پسند کرتا ہے اور شیطان نے بھی نفس کو ابھارا بہت سے گناہ اسی وجہ سے ہوتے

ہیں۔ زنا، مال حرام، منشیات یہ سب لذّت کی خواہش کا نتیجہ ہیں اسی طرح چوری، ڈاکہ یا مال حاصل کرنے کے ذرائع جن سے لذّت کا حصول مقصود ہے یہی لذّت گناہوں کی جڑ ہے۔ نفس اور شیطان مشترک یہ کوشش کرتے ہیں کہ انسان لذّت کی طرف متوجہ ہو۔ حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں انھوں نے حقیقت نعمت کے بارے میں ایک مستقل باب باندھا ہے۔ نعمت کے اعتبار سے چار قسمیں ہیں (۱) وہ جس کا دنیا اور آخرت دونوں میں فائدہ ہو۔ نفع فی الحال بھی اور نفع فی المآل بھی دنیا آخرت دونوں میں فائدہ ہو۔ جیسے علم اور حسن خلق یعنی دین کی سمجھ بوجھ (۱) علم اور (۲) اچھے اخلاق ان دونوں کا فائدہ دنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی۔ دوسری قسم نعمت کی (۲) وہ جس کا دنیا اور آخرت دونوں میں ضرر ہو نقصان ہو مثلاً (۱) جہل اور سوء (۲) سوء خلق۔ دین کی بے سمجھی اور بداخلاقی۔ لوگ بداخلاق کی شکایت کرتے ہیں۔ تیسری قسم نعمت کی (۳) وہ چیز ہے جو بظاہر دنیا میں فائدہ مند معلوم ہو اور آخرت میں نقصان دہ ہو جیسے لذت اتباع شہوت جس چیز میں لذت دیکھے جانور کی طرح اس پر ٹوٹ پڑے۔ یقیناً جو زنا میں مبتلاء ہے وہ اسے بڑی نعمت یا لذت سمجھتا ہے اسی طرح چوری، رشوت، ڈاکہ وغیرہ وہ ظاہراً نعمت معلوم ہوتے ہیں مگر باطناً اللہ تعالیٰ کا قہر ہے۔ حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے اسکی مثال

ایسے دی جیسے شہد میں زہر ملانا ہوا۔ ہمارے زمانہ میں ایسے سمجھ لو کہ اعلےٰ قسم کے کیک میں کوئی زہر ملا دے چونکہ نادانی سے مزہ تو معلوم ہے مگر کیک میں اندرونی زہر کا علم نہیں۔ دس بیس منٹ تو مزہ تو ہو گا مگر تھوڑی دیر بعد متلی اور قے شروع ہو کر موت واقع ہو گی بربادی ہو گی۔ یہ امریکہ اور برطانیہ کی مرض ہے جو بھیلتے بھیلتے ہم تک بھی آگئی۔ اب چوتھی قسم نعمت کی۔ (۴) وہ ہے کہ انسان دنیا میں تو اسکو کسی قدر تکلیف اور نقصان دہ یا دکھ سمجھے لیکن آخرت کے اعتبار سے اس میں بڑا فائدہ ہو مثال شریعت پانچ وقت کی نماز پڑھنا، روزہ، حج، زکوٰۃ ان سب میں تکلیف ہو گی پوری شریعت جسے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر علیہم السلام پیش کرتے آئے ہیں یہ ہے چوتھی قسم۔ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ اس کو الدواء البشع۔ دواء تلخ سے تعبیر کرتے ہیں۔ تلخ دوائی دو گھنٹے منہ میں نہیں رہتی کہ تلخی کیوجہ سے تکلیف ہو۔ بدذائقہ ہو صرف چند سیکنڈ زبان اور حلق کو تکلیف ہوتی ہے اگر مریض اس تلخی کو گوارا کر لے تو صحت اور تندرستی سے مالامال ہو گا۔ نابالغ لوگ اس چوتھی قسم سے گھبراتے ہیں۔ بچہ دوائی کو دیکھ کر رونے لگتا ہے بچہ بیوقوف ہے والدین تو بےقوف نہیں وہ کہتے ہیں ہزار بار روئے دوائی تو استعمال کرائیں گے کیونکہ یہ معمولی سی تکلیف مستقل فائدہ کے مقابلہ میں کچھ نہیں۔ مولانا جلال الدین رومی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے

ہیں۔

طفل مے لرزد زنش احتجام
مادر مشفق ازاں غم شادکام

جیسے آج انجیکشن کے وقت بچہ روتا ہے لیکن ماں اسکی صحت کے خیال سے خوش ہوتی ہے۔ بچہ فوری تکلیف کو دیکھتا ہے اور مستقل فائدہ کو نہیں دیکھتا مگر ماں مستقل فائدے کو دیکھتی ہے۔ اس لئے شریعت نادانوں کے لئے بوجھ اور تکلیف ہے مگر دانا کہتے ہیں کہ اس معمولی تکلیف سے ساری عمر کے مزے ہیں۔ امریکہ اور برطانیہ جو امام بن کر دنیا کو جس طرف لئے جا رہے ہیں اس کا ایک نقطہ ہے وہ ہے (مزہ) یہ سب عاشقانِ لذت ہیں جو لذت کے راہ میں رکاوٹ ہو اسے پسند نہیں کرتے۔ برین۔ مغربی فلاسفر کہتا ہے۔ یہ نفسیات کا بڑا ماہر ہے وہ کہتا ہے کہ یورپ نے دنیا کو مزے اور لذت کا خوگر بنا کر چھوٹے بچے کی طرح نابالغ بنا دیا ہے۔ مزے سے گزر کر مستقل فائدہ کا متلاشی ہو۔ نابالغ کا کام نکاح سے تجاوز کر کے زنا کیطرف میلان۔ اس سے بے پردگی، عریانی بڑھی، نکاح، لباس اور دین کو پابندی سمجھتے ہیں۔ صنعتی ترقی تو کی لیکن بالغ انسانوں کو نابالغ بنا دیا۔ آج انسان مزے کے خلاف جو بات ہو اس کو پسند نہیں کرتا۔ بچہ کا بھی یہی کام ہے کہ مزے کے بغیر کچھ بھی پسند نہیں کرتا۔ تعلیم کے باوجود انسان کو نابالغ بنا دیا ہے۔

ڈاکٹری یا جنسی بلوغ پندرہ سال بعد آتا ہے اور ایک دوسرا بلوغ جس کو عرفانی بلوغ کہتے ہیں وہ پندرہ سال کے بعد نہیں بلکہ جب یہ سمجھے کہ دینی تلخی ہمیشہ کی تندرستی عطا کرتی ہے۔ہمیشہ کی راحت تکلیفوں کی برداشت کو آسان سمجھتی ہے۔ حضرت شیخ جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ خلق اطفال اند جز مرد ان خدا۔ نیست بالغ جز رسیدہ از ہوا۔ جو خواہش نفسانی چھوڑ دے وہ بالغ ہے۔ اور جو خواہش نہ چھوڑ سکے وہ نابالغ ہے چاہے سفید ریش ہی کیوں نہو شریعت نے جو پابندی لگائی ہے اللہ تعالے نے شفقت فرمائی ہے۔ وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ آج رحمت کو کوئی زحمت سمجھتا ہے۔ یورپ نے زحمت بنا دیا ہے۔ چند منٹ کی لذت چھوڑ کر ابدالاباد کی لذت حاصل کرو جیسے جنت اور اس کی نعمتیں۔ اسلام بھی وہی نظریہ لذت لاتا ہے وہ دین فطرت ہے کہ میری لذت کے ساتھ اور نہ ہو۔ دنیا میں دکھ اور سکھ ملے جلے ہیں۔ اللہ تعالے نے چند منٹ دکھ برداشت کرنے کیلئے کہا تا کہ ادنیٰ سے اعلیٰ درجہ پر پہنچ جاؤ اور ایسی جگہ پہنچو جہاں۔ وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَشْتَھِیْ اَنْفُسُکُمْ وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَدَّعُوْنَ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ۔ جہاں جو مانگو سب کچھ ملے۔ دنیا کی بجائے آخرت ملے گی آخرت مکان کے لحاظ سے یا اعتبار سے تو اب بھی موجود ہے مثلاً جیسے ایک خالی میدان ہوتا ہے وہاں دریاں، شامیانے اور قناتیں وغیرہ لگا کر پنڈال بنایا جاتا ہے۔ ایک شخص

کہتا ہے کہ اسی جگہ آئندہ سال ہم پنڈال بنائیں گے تو مکان کے
لحاظ سے آئندہ سال لگنے والا پنڈال تو اب بھی موجود ہے مگر زمانے
کے لحاظ سے موجود نہیں۔ مکان موجود ہے وقت نہیں آیا۔ تو مکان
موجود ہے مگر زمانے کے اعتبار سے موجود نہیں۔ تو مکان موجود
ہے۔ وقت نہیں آیا اسی طرح قیامت یا آخرت مکان کے لحاظ سے
موجود ہے مگر وقت نہیں آیا۔ وقت آنے پر دیکھنا جنت کیا ہو گی۔
یہ لذت کس کو حاصل ہو۔ قرآن۔ تمہارے لئے جنت میں وہ ہے جو جی
چاہے وہ بھی ملے گا اور جو مانگو گے وہ بھی ملے گا وہاں ناجائز چیز کی
خواہش نہ ہو گی وہ خواہش تو ناپاک نفس کرتا ہے۔ اور جنت میں
کوئی ناپاک نفس نہو گا اس کی خواہش بھی نہ کریگا۔ حضرت مولانا محمد
قاسم صاحب نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ جنت کی
زندگی کیسی ہو گی۔ فرمایا اچھی خاصی خدائی ہے اس لئے کہ انسان اللہ
کا نائب ہے۔ اگر اس نے نیابت کے حقوق پورے کئے تو وہاں پر
تمام حقوق ملیں گے۔ شریعت پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ اختیار
عطا کریگا کہ دنیا میں جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ جنت میں
جو مومن چاہے گا وہی ہو۔ ہماری سمجھ سوئی کے ناکہ کے برابر ہے
لذت کاملہ تو شریعت پر عمل کرنے میں ہے۔ بچہ جو دوا نہیں پیتا تو
وہ صحت کے مزوں سے محروم رہتا ہے یا ممکن ہے کہ مر جائے۔ اگر
تلخ دوا پیے گا تو دنیا کی سب لذتیں حاصل کریگا۔ وہ زندگی بسر کرو کہ

آخرت کی سب نعمتیں حاصل کرو۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ صحیح لذت دین والوں کو حاصل ہے دنیا داروں کو نہیں اور خدا کی قسم کھا کر فرمایا۔ دنیا داروں سے مراد وہ لوگ ہیں جو دین کا خیال نہ رکھیں فرمایا بات یہ ہے کہ کھاتا پیتا تو آدمی منہ سے ہے مگر لذت کا مدار دماغ پر ہے جو اللہ والوں کو حاصل ہے۔ کیوں کہ ان کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے باقی نہ کوئی فکر نہ پریشانی۔ اللہ والا جو کچھ کھاتا پیتا ہے تو وہ بغیر پریشانی کے کھاتا پیتا ہے۔اور جو دنیا دار کھاتا پیتا ہے وہ مقدمات، خسارے اور تجارت کے بعد دیگر دنیاوی امور کی پریشانیوں سے پُر دماغ ہوتا ہے۔ جب دین کامل ہو تو سب پریشانیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ دنیا کی لذتیں غم اور دکھ وغیرہ سے ملوث ہوتی ہیں سب میلی کچیلی لذتیں ہوتی ہیں جیسے ایک آدمی صاف ستھرے برتن میں دودھ پئے اور دوسرا میلے کچیلے برتن میں پئے۔ دنیا کا غم دماغ کے برتن میں مٹی اور میل کچیل ہے جو مزے کی چیز آئیگی وہ بھی بےمزہ ہو جائیگی۔ دیندار کا دماغ دنیاوی میل کچیل سے پاک صاف ہوتا ہے۔ دنیا دار یا دنیا والا نعمت کو نعمت کیطرح کھاتا ہے۔ مرغ پلاؤ، بریانی، کیک وغیرہ کو نعمت سمجھ کر کھاتا ہے۔ مگر دیندار ایک تو اسے نعمت سمجھتا ہے دوسرا اللہ تعالے کی بھیجی ہوئی نعمت کہتا ہے۔ جیسے مالٹا یا کوئی اور

چیز محبوب کے ہاتھ سے ملے تو زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ دین والے ہر چیز کو نعمت اور عطیہ خداوندی سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالے محبوب اعظم کے ہاتھ سے دی ہوئی چیز ہے۔ رزق، صفت رزّاقی کا مظہر ہے اس کا ادب ملحوظ رکھنا چاہئے۔ لذت کی حقیقت یہ ہے جو دین والوں کو حاصل ہے۔ حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ والغفران کی خدمت میں دہلی کے بادشاہ آئے اور آپکی خدمت میں عرض کی کہ کوئی ضرورت ہو تو مجھے فرمائیے شیخ ہنس پڑے اور فرمایا تم اپنے کو امیر یا غنی سمجھتے ہو لیکن فقیر ہو اور میں فقیر ہوں لیکن حقیقتہً غنی ہوں کیونکہ اللہ والے سب لذتوں کو چھوڑ کر صرف اللہ تعالے کی مرضی پر زندگی بسر کرتے ہیں دنیاوی کسی چیز سے ان کا علاقہ نہیں ہوتا وعظ و نصیحت اور دوسری باتوں کے بعد بادشاہ نے عرض کیا میرے فلاں فلاں دشمن ہیں دعا فرماویں آپ نے فرمایا دیکھو ہمیں کسی کی پرواہ نہیں سوائے اللہ تبارک تعالے کے۔ حکیم سنائی بیمار ہوئے حضرت مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ عیادت کو تشریف لے گے حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمتہ اللہ علیہ بڑے بلند مقام کے مالک تھے ان کی بلند مقامی یوں فرماتے ہیں۔

ہرچہ گفتم خام
برحکم غزنوی بشنو تمام

فرمایا بیماری محبوب کا تحفہ ہے۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے پیر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں مکہ معظمہ میں حاضر ہوا آپ نے دوران تقریر فرمایا کہ مومن کے لئے دنیا کی ہر تکلیف اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ آپ نے یہ تقریر ایسی موثر فرمائی کہ دل پر رنگ جم گیا۔ اسی اثناء ایک ترک آفیسر آیا جن کے بدن پر پھوڑا تھا اور سب علاج کروا چکے تھے بالکل عاجز ہو چکا تھا دعا کیلئے عرض کی۔ ہم سب حیران تھے کہ ابھی تو آپ نے یہ تقریر دل پذیر فرمائی ہے کہ دنیا کی تمام تکالیف اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور مرض کو بھی نعمت فرماتے رہے اب اس مرض کے دفع کے لئے دعا کیسے فرمائیں گے۔ بس آپ نے ہاتھ اٹھائے اور کہا کہ اے اللہ تعالیٰ تو خوب جانتا ہے کہ یہ بیماری بڑی نعمت ہے مگر یہ بندہ تیری بیماری کی نعمت کی تاب نہیں رکھتا اس لئے اس کی بیماری کی نعمت کو صحت کی نعمت سے بدل دے۔ اس میں شک نہیں کہ ظاہری طور پر انسان کو دنیا کی سختیوں کی وجہ سے تکلیف ہوتی ہے لیکن روح میں روشنی پیدا ہوتی ہے۔ غم عموماً ایک ایسی چیز ہے جیسے لوہے کے لئے

صیقل غم کا صیقل روح میں روشنی پیدا کرتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ شریعت اسلام نے غم کو غم رکھا ہی نہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر مرد مومن کا جو مقام اللہ کے نزدیک مقرر ہے اور وہ اپنے نیک کاموں کے ذریعہ اگر اس مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔ جیسے دنیا میں سی۔ ایس۔ پی وغیرہ کی ڈگری حاصل کرنی ہو۔ اگر انسان وہ ڈگری حاصل نہیں کر سکتا تو اللہ تعالیٰ رحم فرما کر تھوڑی سی مصیبت ڈالتا ہے کہ روح بھی روشن ہو جاوے اور اس مقام پر بھی پہنچ جاوے۔ اسی طرح مزدور محنت سے خوش ہوتا ہے کیونکہ اس سے رقم ملتی ہے اگر مزدوری نہ ملے تو رنجیدہ ہوتا ہے حالانکہ مزدوری کرنا تو موجب تکلیف ہوتا ہے لیکن اس کے نتیجہ پر نظر رہتی ہے۔ شیطن اور نفس کی انسان کو ورغلانے کے لئے مشترکہ تدبیر (مزہ ہے) محبوب کی طرف ہم تکلیف کی نسبت نہیں کرتے۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ تمام حسنِ جمال و کمال کا مرکز ہے اگر ہم اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائیں جیسے کوئی آدمی عورت کا شوقین ہوتا ہے اور اس کے عشق میں سرشار ہوتا ہے اور اگر اتفاقاً وہ عورت پیچھے سے آ کر گلے سے دبائے تو پہلے بغیر دیکھے انسان چیخے گا پھر جب دیکھے گا کہ یہ تو میری محبوبہ ہے تو چمٹے گا تاکہ دوبارہ دبائے۔ اسی طرح انسان اگر اللہ کا عاشق ہو جائے تو تکلیف تکلیف نہیں رہتی۔ حضرت تھانوی

رحمتہ اللہ علیہ قسم کھا کر فرماتے تھے جس دنیا دار کو یہ خیال ہو کہ ہمارے ہاں ناخوشی نہیں خوشی ہے اسے چاہیئے کہ وہ ہفتہ عشرہ ہمارے پاس آ کر رہے اسے معلوم ہو جائے گا کہ اللہ والوں کے ہاں خوشی ہی خوشی ہے،

حضرت مفتی صاحبؒ خلیفہ حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کا پاؤں ملتان میں کاٹا گیا ڈاکٹروں نے دل کا معائنہ کیا۔ اور کہا کہ ان کے دل پر اپریشن کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ رضی اللہ عنہ کا اپریشن ہونا تھا ایک پھوڑا نکلا تھا جس کا علاج کاٹنے سے ہونا تھا اور اسی وقت بیہوشی کے ذرائع کلوروفارم تو تھے ہی نہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے نماز کی طرح بٹھا دو اور میں اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہوں۔ کیونکہ اس صورت میں نماز تو پڑھ نہیں سکتے تھے۔ جب اللہ کی طرف متوجہ ہو جاؤں گا تو پھر مجھے کچھ معلوم نہیں ہو گا۔ ایسا ہی ہوا پاؤں کاٹا گیا اور انہیں کچھ محسوس نہیں ہوا۔ غم اور خوشی احساس کا نام ہے۔ اگر محبت الٰہی کا غلبہ ہو تو غم غم نہیں رہتا۔

درس نمبر : ۷
۵ جنوری ۱۹۶۴ء

لذّت و مزہ پر بحث

اس سے پہلے درس میں لذت کا مسئلہ بیان ہو چکا ہے۔ شیطان کا سب سے بڑا جال لذت ہے۔ انسان کو یہ بتاتا ہے کہ گناہ میں بڑا مزہ ہے۔ بدی کرنے اور نیکی چھوڑنے میں مزہ ہے۔ اسی لذت و مزہ کے جال میں بنی آدم کو پھانس لیتا ہے۔ خدا فراموشی اور آخرت فراموشی کا سب سے بڑا سبب لذت ہے۔ لذت عربی میں اور مزہ اردو میں۔ خدا اور آخرت کو چھوڑنے کا سبب مزے میں پڑ جانا ہے۔ اگلے مسلمان اچھے ہوتے تھے مزے کیلئے دین کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ قرآن فرماتا ہے۔ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ وَاتَّبَعُوا الشَّھَوٰتِ، کہ بعد میں آنے والوں نے دین اور نماز کو ضائع کر دیا اور مزے میں پڑ گئے۔ یعنی شہوات کی تابعداری میں لگ گئے۔

حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کا ارشاد ہے مزہ کی تین قسمیں ہیں۔ ایک اعلیٰ (۲) درمیانہ (۳) اور ایک سب سے

ادنیٰ پہلے ہم ادنیٰ سے شروع کرتے ہیں۔ جس سے لذت میں انسان کے ساتھ دنیا کے تمام جانور شامل ہیں۔ خواہ چرند یا پرند کیڑے مکوڑے مکھیاں وغیرہ ہوں سب شامل ہیں۔ اس ادنیٰ قسم کے مزے تین نوعیت کے ہیں۔ کھانا، پینا اور نر و مادہ کا ہمبستر ہونا۔ تو ہر جانور کو کیڑے مکوڑوں سے لیکر مچھلی تک سب کو یہ تینوں مزے بڑی آسانی سے حاصل ہیں اور انسان کو ان مزوں کا حصول دشواریوں اور تکلیفوں کے ساتھ ہوتا ہے مثلاً تعلیم حاصل کرے یا تجارت کرے مگر جانوروں کو کسی چیز کی ضرورت نہیں ان خسیس اور رذیل مزوں پر دین کو گنوا دے جانوروں سے بدتر ہے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ثم رددناہ اسفل سافلین، یورپ میں اس ادنیٰ قسم کے مزے ہیں اور ان کے پاس ہے کیا؟ ان تینوں مزوں میں سب جاندار شامل ہیں۔ انسان ان کو تکلیف سے حاصل کرتا ہے لیکن جانور آسانی سے حاصل کرتے ہیں۔

یہ مزے حاصل کرنا کوئی کمال نہیں (۲) قسم وہ ہے جس کو درمیانی لذت کہتے ہیں وہ اس لذت سے کچھ اونچی ہے وہ ہے (لذت حکومت) کمشنری، ڈپٹی کمشنری، تحصیلداری وغیرہ حکومت کرنے کے مزے۔ کل نہیں مگر بعض جانور اس لذت میں بھی انسان کے ساتھ شریک ہیں۔ حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے اس میں شیر اور چیتے کا نام لیا ہے۔ شیر جنگل کا بادشاہ ہے۔ اس کی حاکمیت

انسان سے مضبوط ہے۔ فطری طور پر خدا تعالیٰ نے شیر کو جو حاکمیت بخشی ہے وہ ہمیشہ سے کبھی چھینی نہیں جاتی۔ انسانوں میں حاکمیت عارضی ہے۔ بادشاہ ہوں یا وزیر ہوں سب عارضی ہیں اور شیر کو ووٹ بھی نہیں لینا پڑتا پورے جنگل کی بادشاہی کرتا ہے تو درمیانی یا متوسط لذت میں جانور بھی شریک ہیں۔ (۳) لذت اعلیٰ وہ کونسی ہے وہ ہے دین کے علم و عمل کی لذت کہ مکمل طور پر دین سیکھے۔ اعمال صالحہ یوں ہیں۔ نظام الٰہی یوں ہے وغیرہ یہ ہے۔ سب سے اعلیٰ درجہ کی لذت کیونکہ اس لذت میں انسان کے ساتھ کوئی جانور شریک نہیں۔ انسان قرآن و حدیث سے یہ سیکھے کہ اللہ تعالیٰ کی پسند کی چیزیں یہ ہیں اور مرضیات الٰہی یہ ہیں اور ان کا نتیجہ جنت ہے۔ اور ناپسندیدہ چیزیں فلاں ہیں اور ان کا نتیجہ دوزخ ہے۔ عوام الناس اس لذت سے ناواقف ہیں لذت جتنی ہوتی ہے اتنی واقفیت ہوتی ہے (اور کم بھی ہوتی ہے)۔ لذت حاکمیت۔ لذت ادنیٰ سے کم ہوتی ہے۔ کوہستانوں میں پتھروں کا ڈھیر لگا ہوتا ہے مگر یاقوت کوئی کوئی ہوتا ہے جو کم ہو وہ اعلیٰ ہوتا ہے اور جو بہت ہو وہ کم قیمت ہوتا ہے۔ تھوڑا ہونا ہی کمال ہے کم درجہ کی لذت ہر جگہ ہوتی ہے اور جو اعلیٰ درجہ کی لذت ہے وہ کم جگہ ہوتی ہے دین کا علم و عمل ایک کیمیاء ہے اور دولت لازوال ہے۔ بقاء لافنا و سرور لاغم۔ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہاں روز جنازے اٹھتے ہیں اور

لوگ روتے ہیں مگر آخرت میں موت نہیں اور ایسی خوشی ہے جس کے بعد غم نہیں۔ یہاں غم اور خوشی ملی جلی ہے۔ وغنی لافقر فیہ۔ غنیٰ کی سب چیز ہے۔ اور فقر کوئی نہیں۔ آدمی جب اس لذت کا تصور کرے تو اس سے کم درجہ والی لذت ہیچ ہے۔ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے جاننے والے کم ہیں۔ سفیان ثوریؒ امام اعظم کے ہمعصر تھے دین میں ڈوبے ہوئے تھے اور ایسا مزہ پایا کہ فرماتے لَو علم الملوکُ ماکنّا فیہ لَحارُبُونا بالسّیُوفِ، جس مزے میں ہم ہیں اگر بادشاہوں کو اس کا علم ہوجاوے تو ہم سے ضرور تلواروں سے لڑائی کریں۔

امام محمد بن شیبانی امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں لکھتے ہیں بغداد کے شہر میں سڑک کے کنارے دین کی کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا کہ بغداد اور ابنار کی فوجوں کا آپس میں تبادلہ ہوا کہ بغداد کی فوج ابنار جا رہی تھی اور ابنار کی بغداد آ رہی تھی۔ آپ کا ایک رشتہ دار آیا جو شاید فوج میں تھا یا کسی وجہ سے آپ سے پوچھا کہ یہاں سے فوج گزری ہے۔ انہوں نے کہا مجھے پتہ نہیں وہ بھی کہنے لگا نہیں گذری ہو گی کیونکہ وہ جو بتلا رہے ہیں کہ مجھے پتہ نہیں حالانکہ فوج وہاں سے گذر گئی تھی۔ انہوں نے قسم کھا کر کہا مجھے اس کے گذرنے کا کوئی علم نہیں۔ جب اس رشتہ دار کو معلوم ہوا کہ فوج یہاں سے گذر گئی ہے تو وہ آپ سے لڑنے جھگڑنے لگا تو

انہوں نے قسم کھا کر کہا مجھے علم نہیں ممکن ہے کہ گذری ہو۔

دنیا کی مثال:

ایک مصنوعی لذت میں کس قدر انہماک ہوتا ہے بسا اوقات دو آدمی جو جوا یا شطرنج کھیلتے ہوتے ہیں جس میں معمولی ہار جیت ہوتی ہے۔ اگر انہیں تازہ روٹی کھانے کی عادت ہوتی ہے تو بسا اوقات روٹی کا وقت گذر جاتا ہے ان کو پتہ بھی نہیں ہوتا۔ فتح یا جیت کی لذت میں کھانا بھول جاتا ہے۔تو اسی طرح جہاں ایمان اور دین کی لذت سے سب کچھ بھول جاتا ہے۔ یہ تین لذتیں جن میں یورپ خود بھی مر رہا ہے اور دوسروں کو بھی تباہ کر رہا ہے سارا جھگڑا صرف اس بات پر ہے کہ صرف یہی مزہ نہیں اس سے آگے اور بھی مزے ہیں۔ تو ایک کھانے، پینے و مجامعت کا مزہ (۲) دوسرا حکومت کا مزہ، (۳) تیسرا دین کے علم و عمل کا مزہ۔ جو چیز کثیر ہو اس کی قیمت کم ہوتی ہے۔ جس میں مزہ زیادہ ہو اس کی قیمت کم۔ گھاس کثیر ہے اس کی قیمت کم اور سیب تھوڑی چیز ہے اس کی قیمت زیادہ دوم یہ کہ یہ لذت بالکل محدود ہے کھانے کی طرح فرض کریں کھانے پر دس روپے خرچ کئے۔ جب تک دستر خوان تک پڑا ہے کوئی مزہ نہیں چاہے مرغ پلاؤ ہے یا بریانی یا کوئی اور عمدہ کھانا۔ ہاتھ میں نوالہ ہے تو بھی مزہ نہیں خواہ نوالہ ہو یا ڈھیلہ ہو برابر

ہے۔ اگر اللہ نے زیادہ مزہ دیا ہوتا تو خدائی چھوڑ دیتے تھوڑا مزہ دیا
تاکہ کماتے رہو ورنہ اللہ تعالیٰ قادر تھا کہ خوراک دستر خوان پر ہوتی اور
مزہ آجاتا۔ اس کم مزہ پر بھی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ دیا۔ تھوڑا مزہ منہ میں
ڈالنے سے کچھ اور چبانے سے بہت زیادہ جب حلق میں پہنچا بس پھر
مزہ ختم ہوا۔ جس مزہ کے لیے تم مر رہے ہو اس کی عمر کتنی کم
ہے۔ ایک تو مزہ کی مدت بہت کم ہے دوسرا کھانا کھانے کے بعد
اگر کھانا ہضم نہ ہو تو بدمزگی پیدا ہو جاتی ہے اور جب آدمی مر گیا تو
سب مزے جاتے رہے اگر آدمی کا پیٹ سیر ہو تو کوئی مزہ نہیں
اگر پیاسا ہو تو پینے کا مزہ ہے۔ اسی طرح ہمبستری کے بعد پہلے والا
شوق نہیں رہتا۔ جنازے سے آگے کوئی مزے نہیں جاتے۔ سب
ختم، بخلاف دین کے علم و عمل کے مزے کے جو روح کے ساتھ رلی ملی
چیز ہے۔ آدمی دو تین روٹیاں کھا چکا ہو تو شوق ختم مگر علم پڑھتا ہو تو
آگے شوق بڑھتا ہے کھانا پینا اللہ کی صفت نہیں جانور کی صفت
ہے علم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ جانور محدود اس کی صفت بھی
محدود۔ علم کی کوئی حد نہیں آدمی نے علم سیکھا کہتا ہے ھل من مزید
، ایمان اور عمل صلح سے انسان سیر نہیں ہوتا۔ عبادت اور علم سے
سیر نہیں ہوتا۔ دوم یہ کہ قبر سے آگے ہمارے ساتھ ہے۔ امام
غزالی رحمتہ اللہ علیہ، العلم یحفظک و المال تحفظہ، علم تیری حفاظت کرتا
ہے اور مال کی تو حفاظت کرتا ہے۔ شیخ الاسلام تقی الدین امام ابن

تیمیہ رحمتہ اللہ علیہ ساتویں صدی میں گذرے ہیں۔ حافظ ابن قیم کے شاگرد تھے۔ بادشاہ نے انہیں قید کرنا چاہا فرمایا میرا کیا بگاڑے گا علماء دین کی خواہش ہوتی ہے کہ ہم مٹ جائیں مگر دین نہ مٹے۔ فرمایا اگر جیل ہے تو میرے لیے خلوت خانہ ہو گی اگر قتل کرے گا تو شہادت ہو گی اور گل و گلزار میرا علم وہ تو میرے سینے میں ہے اسے مجھے الگ نہیں کر سکتا۔ قیدی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے مزوں سے کٹ گیا۔ بہرحال ایمان اور عمل صالح بڑی نعمت ہیں۔ یہ لذتیں یورپ کا نظریہ ہیں۔

دین خدا پرستی اور نیکی کے آثار مٹتے جاتے ہیں۔ نیک علماء اٹھتے جاتے ہیں۔ خدا جانے ویسے عالم آئندہ پیدا ہوں گے کہ نہ ان

اللہ لاینزع .... ولکن یرفع العلم بقبض العلماء حتیٰ اِذَا لم یُبقِ عالماً اتخذ واالناس رؤسا جہالاً فافتوا فسئلوا...فضلوا واضلوا تو لذت شیطان کا سب سے بڑا جال ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ جب شیطان ادنی قسم کی لذت پیش کرے تم اعلیٰ قسم کی لذت پیش کیا کرو۔ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کی تاثیر کا بیان کیا۔ اللہ عربی زبان میں اس ذات پاک کا نام ہے۔ جس میں تمام کمالات جمع ہوں اور تمام نقائص سے پاک ہو۔ اعوذ باللہ شیطان کی گمراہیوں سے تحفظ کی اعلیٰ ترکیب ہے۔ شیطان کہتا ہے کیوں رات کو اٹھتے ہو آرام گنواتے ہو۔ دوزخ آئے نہ آئے۔ جنت آئے نہ آئے وسوسے ڈالتا ہے

اور عمل سے روکتا ہے۔ اعوذ باللہ اس لیے پڑھا کہ اللہ میں تمام کمالات ہیں اور ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ سچ بولتا ہے نیکی پر جنت اور بدی پر جہنم کے نتیجہ پر یقین کامل ہے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اللہ نیکی پر وعدہ اور برائی پر وعید فرماتا ہے۔ اللہ کی بات سو فیصد سچ ہے کوئی دھوکہ نہیں۔ جب اس پر کامل یقین ہو جاتا ہے تو عمل مضبوط ہو جاتا ہے۔ دنیا کا بادشاہ اگر وعدہ کرے کہ تمہیں پینشن ملے گی ابھی ملی تو نہیں لیکن پینشن کے ملنے میں شک نہیں رہتا یہ تو انسان کا وعدہ ہے۔ یا افسر کہے کہ تنخواہ ملے گی، ملے گی تو ایک ماہ بعد مگر چستی سے کام کرتا ہے۔ یہ تو اللہ کا وعدہ ہے نیکی اور بدی پر۔ اس کا نتیجہ اگرچہ جلدی نہیں ہے بعد میں ملے گا۔ کیونکہ کام یا عمل ختم نہیں ہوتا۔ اس لئے نتیجہ بھی بعد میں ہے لیکن یہ پختہ بات ہے کہ عام دنیاوی اصول کے مطابق جن کو یومیہ اجرت ملتی ہے انہیں دن ختم ہونے پر ملتی ہے اور جن کو ہفتہ وار ملتی ہے انہیں ہفتہ ختم ہونے پر ملتی ہے اور جن کو ماہوار ملتی ہے انہیں مہینہ ختم ہونے پر ملتی ہے۔ جب تک مدت ختم نہ ہو اجرت نہیں ملتی۔ غرضیکہ ہمارا عمل کرنے کے بعد ختم نہیں ہو جاتا مرنے کے بعد بھی ختم نہیں ہوتا جیسے ایک عالم دین مر جاتا ہے۔ اس نے کئی لوگوں کو قرآن پڑھایا جتنے لوگوں نے ان سے قرآن سیکھا یا پڑھا وہ آگے دوسرے لوگوں کو پڑھائیں یا سکھائیں گے

اسی طرح شاگردون کے عمل میں استاد شریک ہے ختم ہو تو اجرت ملے اسی طرح گناہ کا تار بھی آخرت تک چلتا رہے گا حدیث پاک

من سن سنته حسنته فله اجره و اجره من عمل بها من غیران ینقص من اجورهم شیئاً ومن سن سنته سیئته فله اجره و اجر من عمل بها من غیران ینقص من اوزارهم شیاءً .

اعوذ باللہ میں اللہ تعالیٰ کا لفظ ہمارے لئے وعدہ ہے

وَعداً علینا اِنا کنا فاعلینَ تورات، زبور، انجیل اور قرآن پاک اور ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر علیہم السلام کا وعدہ ہے اگر شیطان اس میں شک ڈالے تو اللہ تعالیٰ کا لفظ ضامن ہے۔ چاہے شیطان کچھ دلیلیں بھی دل میں ڈالتا رہے۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی نے ان سے پوچھا اس مسئلہ کی کیا حکمت ہے۔ آپ نے فرمایا تمہارے اس پوچھنے کی کیا حکمت۔ بس چپ ہو گیا۔ اس میں شک نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام اوامر و نہی میں حکمتیں ہیں اللہ تعالیٰ حکیم ہے۔ انسان ساز ہے۔ اس کے کام میں کیوں حکمت نہ ہو۔ جب انسانوں کے حکیموں کے کام میں حکمت ہوتی ہے تو اللہ بادشاہ کے کام میں حکمت کیوں نہو۔ عمل کرنے کیلئے حکمت ہوتی ہے تو اللہ بادشاہ کے کام میں حکمت کیوں نہو۔ عمل

کرنے کے لئے حکمت جاننا ہماری کمزوری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ جب سن لیں تو فوراً عمل کریں۔ جس طرح اگر کوئی نسخہ حکیم اجمل خاں نے لکھا اور تجویز کر دیا کہ عناب، اسطوخودوس، اور بنفشہ وغیرہ ملا کر جوشاندہ بنا کے پی لو اسی طرح اعوذ باللہ کا نسخہ خدا تعالیٰ نے تجویز فرمایا کہ اسے پڑھو اور شیطان کو بھگاؤ۔

درس نمبر: ۸
۱۰ جنوری ۱۹۶۴ء

تعوّذ کا آخری حصّہ

پوری کائنات اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے جس میں شیطان بھی داخل ہے۔ بخاری کی حدیث ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کشتی میں سوار تھے، ایک پرندے نے اپنی چونچ سمندر میں ڈالی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا ہم دونوں کا علم اتنا ہے جتنا سات سمندروں کے برابر اس پرندے کی چونچ کا پانی ہے۔ اگر پورا جہان اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کو بیان کرنے لگیں تو بھی نہیں کر سکتے۔ بزرگوں کا قول ہے کہ حکمت کی تفتیش ہی ٹھیک نہیں بس اللہ تعالیٰ کی بندگی کا اقرار زبان سے کرنا چاہیے۔ اس کے کام کی علت کون بیان کر سکتا ہے۔

عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شیطان ایک شر ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے کیوں بنایا؟ خیر کی چیز بنانی چاہیے تھی۔

خیر کامل جس میں کوئی شر نہ ہو فائدہ ہی فائدہ ہو وہ صرف

(۱) ایمان، (۲) اطاعت، (۳) جنت جو دونوں کا نتیجہ ہے۔
اللہ پر ایمان لانا۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا۔ ان دونوں کا نتیجہ جنت ہے۔

شر کامل کی تین قسمیں ہیں ۱۔ کفر، ۲۔ معصیت، ۳۔ دوزخ
باقی جو چیزیں ہیں ان میں خیر اور شر دونوں ہیں تو اگر خیر کا پہلو زیادہ ہے تو اسے خیر کہتے ہیں۔ خیر کی سب سے بڑی چیز پانی ہے۔ ہم نے پانی سے ہر چیز کو زندگی بخشی۔ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ۔ لیکن سیلاب سے کتنا نقصان ہو جاتا ہے۔ کتنی بستیاں اور فصلیں اجڑ جاتی ہیں۔ لیکن شر کم ہے اور خیر بہت زیادہ ہے اور سیلاب کبھی کبھی آتا ہے۔

اسی طرح آگ بھی مفید چیز ہے لیکن آگ لگنے سے مکان جل جاتا ہے۔ مگر ایسی خبر سننے میں کبھی کبھی آتی ہے۔ روٹی پکانا، کھانا پکانا اکثر ہے۔ تو تھوڑے شر کی خاطر بڑی خیر کو کیوں چھوڑا جائے۔ ایسی کوئی آگ وجود میں نہیں آسکتی کہ وہ جلائے اور کھانا پکائے مگر کپڑا نہ جلائے۔ تھوڑے نقصان کی خاطر بڑے فائدے کو ترک نہیں کیا جاتا۔ اس پہلو میں شیطان کی پیدائش کو سوچیں کہ اس کی پیدائش میں کوئی خیر یا فائدہ کا پہلو بھی ہے یا نہیں؟

ایمان اور طاعت خیر کامل ہے۔ کیونکہ اس سے روز اول نعمت مل جاتی ہے۔

پہلی حکمت نفس اور شیطان کی رکاوٹیں

پہلی حکمت یہ کہ قدیم زمانہ میں شہسواری کا رواج تھا۔ خوب مشق کرائی جاتی تھی کہ آدمی چابک سوار بنے یعنی گھوڑے پر سے نہ گرے۔ جب ایک اناڑی آدمی کو گھوڑے پر سوار کیا جاتا تو گھوڑے پر زین اور لگام ہوتی ہے تو شروع میں آہستہ آہستہ دوڑاتے ہیں۔ پھر تیز دوڑاتے ہیں، پھر زین کو ہٹا دیا جاتا ہے اور خالی پیٹھ پر بٹھا کر دوڑواتے ہیں۔ آخر میں لگام بھی ہٹالی جاتی ہے تو اب اگر جم جائے گرے نہیں تو پھر جا کر شہسوار بنتا ہے۔ پھر ایک چھوٹی سی دیوار بنائی جاتی تھی جس پر سے شہسوار کو گھوڑا گذارنا پڑتا تھا۔ تو ان میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد شہسواری کی ڈگری ملتی تھی۔

معلوم ہوا کہ شہسواری کی تکمیل رکاوٹوں پر منحصر ہے۔ زین اور رکاب کا ہٹانا پہلی رکاوٹ ہے۔ اور دوسری رکاوٹ لگام کا ہٹانا ہے، تیسری رکاوٹ خس کی دیوار کو عبور کرنا۔ ان رکاوٹوں کے باوجود مقصد کو پالے تو شہسوار ہے۔

اس کے ساتھ ایک اور شہسواری بھی ہے۔ ہمارا جسم و بدن ایک گھوڑا ہے اور ہماری روح اور جان اس پر سوار ہے۔ یہ اگر شہسوار ہے تو اللہ تعالیٰ کو پالے گا۔ اپنی شہسواری کے بغیر خدا تک نہیں پہنچ سکتا۔ اگر رکاوٹوں کے باوجود ہو تو پھر پکا شہسوار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کیلئے نفس اور شیطان کی دو رکاوٹیں بنائیں کہ ایمان

اور طاعت پر چل کر اس کو پھلانگ سکتا ہے پھر یہ مومن کامل ہے۔ کمال کا ثمرہ بھی اسی مومن کو ملے گا۔ جو رکاوٹیں عبور کر کے شہسوار بنا ہو گا۔ پھر شیطان اور نفس اور لاکھوں شیطان بھی مل جائیں تو حملہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ان کی کارروائی یہ ہے کہ گناہ کا خوبصورت نقشہ بنا کر انسان کے سامنے رکھتے ہیں اور اسی طرح نیکی کا بدترین نقشہ پیش کرتے ہیں۔ شیطان دل میں جو خیال ڈالتا ہے۔ یہی خیال نقشہ ہے شیطان ترغیب دیتا ہے مگر اس پر چلنا یا نہ چلنا تمہارے اپنے اختیار میں ہے۔

ارشاد ربانی ہے کہ میرے خاص بندوں پر شیطان کا زور نہیں چلتا۔ شیطان اور نفس کی رکاوٹ سے ایمان اور اطاعت کی قیمت بہت بڑھ جاتی ہے۔ فرشتے گناہ سے پاک ہیں۔ کر ڈالتے ہیں وہ کام جس کا اللہ تعالیٰ انہیں حکم دیتا ہے۔ فرشتوں کے لیے نیند نہیں۔ جنت کی قیمت اس بندگی پر نہیں ملتی جو فرشتے چوبیس گھنٹے کرتے رہتے ہیں۔ مومن جنت کا مالک ہے تو مالک کے مکان میں نوکر بھی آتے جاتے رہتے ہیں۔ مگر وہ مکان کے مالک نہیں۔ صراط مستقیم سے ہٹانے کے لئے رکاوٹیں ڈالی جاتی ہیں، ان رکاوٹوں کے باوجود آپ نیکی اختیار کریں تو اس کی بڑی قیمت ہے۔ ایک آفیسر کی تنخواہ تین ہزار فرض کریں کوئی یہ قانون بنائے کہ اس شرط کے ساتھ کہ ایک آدمی راستہ میں کھڑا ہو کہ

آفیسر صاحب دفتر نہ جا سکے۔ یعنی وہ آدمی آفیسر کیلئے راستے میں رکاوٹ بنے۔ لیکن اگر کسی نے روکنے کیلئے ایک جملہ نہ کہا تو پھر نہیں ملیں گے۔ تو اس صورت میں آفیسر کہے گا کہ رکاوٹ کے لئے آدمی ضرور کھڑا کیا جائے کہیں وہ سویا ہوا نہ ہو تاکہ وہ رکاوٹ کی بنا پر تنخواہ حاصل کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کے بنانے میں یہی حکمت کی کہ مقام مومن مقام ملائکہ سے بلند تر ہو جائے۔ فرشتوں میں رکاوٹ کے بغیر بندگی ہے اور مومن میں رکاوٹ کے باوجود بندگی ہے۔ اس لئے انسان کو خلیفہ بنایا گیا۔ فرشتوں کو نہیں بنایا گیا۔

دوسری حکمت تکمیل محبت الٰہی ہے

ہمیں جو کچھ ملتا ہے وہ اللہ سے کامل محبت ہو تو ملتا ہے۔

قرآن ۔ وَالَّذِینَ اٰمَنُوا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہ۔ کہ مومن کو اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ محبت ہو گی۔ اس کی تکمیل کیسے ہو گی۔ آپ کا ایک دوست ہے وہ آپ کا امتحان لینا چاہتا ہے کہ آپ کی محبت کامل ہے یا نہیں۔ آپ کے دوست کا دشمن آپ کو اس کی محبت سے روکے اور آپ نہ رکیں تو محبت کامل ہے۔ دور حاضر میں ووٹوں کے وقت دوستی اور دشمنی کا پتہ چل جاتا ہے۔ ایک وہ شخص ہے کہ ووٹ دے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں تو یہ ووٹ کوئی قیمتی نہیں۔ مگر دوسرا شخص جسے حاکم وقت نے دباؤ ڈالا ہو کہ فلاں کو ووٹ نہ دینا یا

کسی نے پیسے کی لالچ دی ہو کہ فلاں کو ووٹ نہ دینا۔ ان رکاوٹوں کے باوجود اگر وہ ووٹ دیتا ہے تو محبت کامل ہے۔ جب ہم قدم قدم پر نیکی کریں گے کہ اس کا کرنا رحمٰن کا حکم ہے اور نہ کرنا شیطان کا حکم ہے۔ تو اگر رکاوٹ کے باوجود آپ نیکی کریں گے تو محبت کامل ہے۔ مومن کو قدم قدم پر درس دیا جارہا ہے کہ حق کی بات کو ترجیح دو تو محبت کامل ہے۔ ہماری زندگی میں چوبیس گھنٹے شیطان کیوجہ سے ہمارے دل میں محبت کے آثار نہیں۔

تیسری حکمت تکمیل قوت دفاعیہ

ہر آدمی اپنی قیمتی چیز کے ذخیرہ کی حفاظت کرتا ہے۔ ایمان اور نیک عمل سے بڑھ کر کوئی قیمتی ذخیرہ نہیں ہے۔ اگر چور اور ڈاکو کا ڈر نہ ہوتا تو ہم لوگ ٹانگیں پھیلا کر سو جاتے۔ اگر چوکیدار اور پولیس پہرہ دیتی ہے تو ہمیں چور و ڈاکو کا خوف نہیں ہوتا۔ اگر یہ انتظام نہ ہو تو رات بھر چین نہ ہو۔ دیہاتی کسان رات بھر چین سے نہیں سو سکتا۔ گھر کا مالک خود اپنی مکمل حفاظت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ ہم ایمان اور طاعت کی دولت حاصل کریں اور پھر اسے چھوڑ دیں۔ ہر وقت ہمیں اس کی حفاظت کی ضرورت ہے کیونکہ دشمن (شیطان) ہر وقت پیچھے لگا ہوا ہے۔ آپ کے پاس کیا لاکھ روپے ہوں اور مسلح ڈاکو موجود ہو تو آپ ایک منٹ بھی غفلت نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دشمن کو پیدا

فرمایا کہ انسان ایک منٹ بھی غفلت نہ کرے۔

چوتھی حکمت چھوٹی بادشاہی

ہر انسان کے اندر ایک چھوٹی بادشاہی موجود ہے۔ دل بادشاہ اور اعضاء اس کی رعیت ہیں۔ دل ہاتھ کو حکم دیتا ہے کہ تم لکھو تو وہ لکھتا ہے۔ کان اس کے حکم سے سنتا ہے اور آنکھ اس کے حکم سے دیکھتی ہے۔ اگر چھوٹی حکومت کے مقابلہ میں کوئی دشمن ہو تو وہ پوری حفاظت کرے گا۔ پردہ کی صورت میں دل آنکھ کو حکم دیتا ہے کہ مت دیکھ۔ اور شیطان کہتا ہے دیکھو۔ دل حکم دیتا ہے کہ رشوت نہ لو، اور شیطان کہتا ہے لے لو۔ پاکستان کے پہلو میں اگر بھارت نہ ہوتا جو ہمارا ہر طرح سے دشمن ہے تو پاکستان اپنی برّی اور بحری سرحدوں کی حفاظت نہ کرتا اور اپنی فوج میں کسی قسم کا اضافہ بھی نہ کرتا۔ بھارت کی دشمنی کے احساس نے قوت دفاعیہ کو مضبوط کیا۔ اگر بھارت کی جگہ خیر پور کی چھوٹی ریاست ہماری دشمن ہوتی تو ہم ٹانگ پھیلا کر سو جاتے۔ دشمن جتنا قوی ہوگا اتنی زیادہ حفاظت کی ضرورت ہو گی۔ شیطان نے ہمیں اپنی حفاظت کیلئے پختہ کیا۔

حضرت سید علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک خلیفہ آیا عرض کی حضرت دشمنوں میں پھنسا ہوا ہوں چین سے نہیں بیٹھ سکتا۔ آپ دعا فرمادیں، خیال تھا کہ حضرت دعا فرمادیں گے۔

مگر آپ نے فرمایا دعا تو شر ہٹانے کیلئے ہوتی ہے یہ تو خیر ہے کوئی شر تو نہیں۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیچھے شیطان دشمن لگایا ہوا ہے۔

مغلوں کی حکومت اس لئے ختم ہوئی کہ وہ ٹانگ پھیلا کر سو گئے۔ قوت دفاعیہ اگر ختم ہو جائے تو قوم ختم ہو جاتی ہے۔

ایک آدمی عربی مدرسے میں پڑھے یعنی مولوی ہو۔ دوسرا انگریزی مدرسے میں پڑھے یعنی گریجویٹ ہو۔ دونوں ملکر نیک عمل کریں تو گریجویٹ کو زیادہ ثواب ہوگا۔ کیونکہ مسٹر نے دنیاوی درس گاہ میں تربیت حاصل کی ہے اور مولوی نے اسلامی درسگاہ میں۔ مسٹر کیلئے برے ماحول کی رکاوٹ موجود ہے۔ مگر مولوی کیلئے نہیں۔ کالج کا ماحول مولوی کے ماحول سے اچھا نہیں۔ انگلستان میں رہ کر کوئی نیکی کرے اسے زیادہ ثواب ہوگا بہ نسبت اس کے جو پاکستان میں رہ کر نیکی کرے۔

یہ مسئلہ ایک حدیث شریف سے استنباط کیا گیا۔ ترمذی شریف کی حدیث ہے حضرت ابو ثعلبہؓ سے روایت ہے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ایک زمانہ آئے گا اس میں اسلام پر چلنا اتنا مشکل ہو جائے گا جیسے چنگاری کو ہاتھ میں لینا۔ اس بگڑے ہوئے زمانہ میں جو نیکی کرے گا تو اسے پچاس گنا ثواب ملے گا۔

حضرات صحابہ کرامؓ نے استفسار کیا انہیں پچاس آدمیوں کا ثواب ملا۔ ہم جیسے پچاس آدمیوں کا نہیں ان کے زمانہ کے پچاس آدمیوں کا۔ فرمایا اَجرُ خَمسِینَ مِنکُم۔ اس سے یہ نہ سمجھیں کہ صحابہ کرامؓ سے ان کا رتبہ بڑا ہے۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے زمانے میں اگر کوئی نیکی کرے تو ایک ہے اور اگر بگڑے ہوئے زمانے میں کرے تو پچاس ہیں۔ اچھے ماحول میں نیکی کی قیمت کم ہے اور برے ماحول میں زیادہ۔ ترمذی شریف میں حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے فرمایا تم ایسے زمانہ میں ہو کہ اگر دینی احکام کے دسویں حصہ پر عمل نہ کرو تو تباہ ہو جاؤ گے۔ اور آخیر زمانہ میں اگر دین کے احکام کے دسویں حصہ پر عمل کرے گا تو نجات پائے گا۔ معلوم ہوا کہ اس وقت نیکی کی قیمت بڑھ گئی ہے۔ عربی مدرسہ اور کالج، پاکستانی کالج اور انگلستان کے کالج میں رہتے ہوئے لوگوں کی نیکی کی قیمت میں فرق ہو گا۔ ایک اجر صحابہ کرام کی نیکی میں ہے جو ہمیں قیامت تک نہیں مل سکتا۔ نیکی کی قیمت اخلاص کی بناء پر کمی بیشی ہوتی ہے۔ مثلاً ایک نے عمل کیا اسے پچاس سیر گندم مل گئی اور دوسرے نے عمل کیا تو اسے دس سیر سونا مل گیا مگر وزن کے اعتبار سے گندم زیادہ اور سونا کم ہے۔

اَللہَ اَللہَ فِیْ اَصحَابِیْ الخ میرے اصحاب کے بارے میں

اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔
اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ صحابہ کرامؓ کے آدھ سیر کو نہیں پہنچ سکتا کیونکہ صحابہ کرامؓ کا اخلاص اتنا کامل تھا۔ صحابہ کرامؓ کا ثواب سونے کے برابر اور ہمارا گندم کے برابر ہے۔ قیامت تک پیدا ہونے والے ولی اس صحابی کے برابر نہیں ہو سکتے کہ جس نے ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نگاہ ڈالی ہو۔

درس نمبر: ۹
۱۲ جنوری ۱۹۶۴ء

نتائج عبرت

اعوذ باللہ سے ہمیں کیا عبرت حاصل ہوتی ہے۔

میں پناہ لیتا ہوں اللہ کے ساتھ شیطان مردود سے۔ واحد کا صغیہ ہے جمع کا نہیں۔ ایک ایک مسلمان کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ تم اکیلے اکیلے یوں کہا کرو۔ یہاں قرآن نے جمع کا صیغہ استعمال نہیں کیا حالانکہ قرآن کا عام انداز ایسے موقعوں پر جمع کا صیغہ لانا ہے۔ مثلاً اِیَّاکَ نَعبُدُ وَاِیَّاکَ نَستَعِینُ۔

جہاں اللہ تعالیٰ کی بندگی ہے وہاں جماعت کا ذکر ہے اور جہاں شیطان سے پناہ کا ذکر ہے وہاں فردیت ہے۔ اس میں یہ حکمت ہے کہ شیطان ایسا دشمن ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے سب تمہاری امداد کریں تب بھی یہ نہیں بھاگے گا۔ ظاہری طور پر دشمن کا اثر ایک پر ہوتا ہے دس پر نہیں ہوتا۔ یا زیادہ تعداد پر نہیں چلتا، جتنی زیادہ تعداد ہو گی دشمن اتنا مغلوب ہو گا۔ مگر شیطان ظاہر نظر نہیں آتا۔ تم جماعت کے باوجود اکیلے ہو۔

شیطان نظر نہیں آتا۔ اس لئے اب شیطان سے کٹ کر اللہ تعالیٰ کے آگے جھک جاؤ۔ شیطان سے حفاظت کا سامان فقط ذات رب العلمین ہے۔ اعوذ کے بعد لفظ ب استعمال کیا ہے عربی میں یہ لفظ تعلق کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ ہم اگر شیطان سے بچنا چاہتے ہیں تو لفظ ب ہمیں یہ اشارہ کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جتنا زیادہ تعلق ہو گا اتنا شیطان سے محفوظ رہو گے۔ تیسرا لفظ اللہ کا ہے حدیث شریف میں اللہ تعالیٰ کے ۹۹ نام ذکر ہیں۔ ان میں سب سے بڑا نام اللہ ہے کچھ الفاظ حکومت کے مظہر ہیں وہ جلالی نام ہیں اور جو نام الفت کے مظہر ہیں جو لطف و کرم کے لئے آتے ہیں یعنی بخشش کیلئے وہ جمالی نام ہیں جیسے الرحمن۔

لفظ اللہ میں سب سے زیادہ زور ہے۔ چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ سب اللہ تک پہنچنے کے طریقے ہیں۔ سب لفظ اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔

بزرگوں نے اسم ذات کا ذکر بار بار کیا ہے۔ حضرت مدنی رحمتہ اللہ علیہ بڑھاپے کے باوجود دن رات میں اسم ذات اللہ اللہ کا ذکر چوبیس ہزار مرتبہ کرتے تھے۔ عام طور پر اندازہ لگایا گیا ہے کہ انسان ۲۴ گھنٹوں میں ۲۴ ہزار مرتبہ سانس لیتا ہے۔ تو ہر سانس ایک نعمت ہے اگر سانس ختم تو آدمی ختم ہو جاتا ہے۔ ہر متحرک چیز نے ساکن ہونا ہے۔ زندگی سانس کے آنے جانے پر ہے۔

حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سانس کو غنیمت سمجھو اور غنیمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر کرو۔ تو ہمیں ہر سانس مین ایک مرتبہ اللہ کہنا چاہیے۔اللہ کا لفظ بہت بڑی چیز ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے کہا کہ دل میں برے خیال اور تاریکیاں ہیں۔ فرمایا اللہ کا ذکر کیا کرو۔ عرض کی کتنی مرتبہ فرمایا سوا لاکھ مرتبہ اس عمل سے گناہ کی تاریکیاں اور برے خیال ختم ہو جاتے ہیں۔ کسی نے کہا حضرت یہ کیسے معلوم ہو کہ یہ عمل اللہ تعالیٰ کو مقبول ہے۔فرمایا اگر پہلی دفعہ قبول نہ ہو تو دوسری بار توفیق نہ ہو گی۔ اگر دوسری بار کہا اور قبول نہ ہوا تو تیسری مرتبہ کہنے کی توفیق نہ ہو گی۔ علیٰ ہذالقیاس یہ دلیل ہے کہ مقبول ہوا ہے۔ اللہ اللہ کرنے میں بڑی بات ہے (ماہ رمضان کے تھوڑے عمل پر زیادہ اجر ملتا ہے) اللہ کا لفظ عالَم کی جان ہے۔ اللہ کے نام سے جہاں زندہ و آباد ہے ایک انسان کی جان ہے، زندہ ہے تو ٹھاٹھ ہے۔ مر گیا تو ختم ہے۔

بخاری و مسلم کی حدیث ہے کہ قیامت جو دنیا کی تباہی کا نام ہے وہ کب ہو گی۔ جب دنیا کی جان نکل جائے تو تب قیامت ہو گی۔ جب دنیا میں ایک شخص بھی اللہ اللہ کہنے والا نہ ہو گا۔ تب قیامت قائم ہو گی۔

دوسری حدیث میں ہے کہ قیامت قائم نہ ہو گی جب تک

دنیا کے بسنے والے سب شخص کافر نہ ہوں گے۔ یعنی اللہ اللہ کہنے والا ایک بھی نہ ہو گا۔ دنیا کی اصل آبادی ذکر اللہ سے ہے۔ یہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ (اس بات کی حکمت میں) ہر چیز جو بھی بناتا ہے وہ کسی مقصود کے لئے ہوتی ہے۔ گائے دودھ کے لئے رکھی جاتی ہے جب وہ دودھ بھی نہ دے اور گابھن بھی نہ ہو تو اسے قصاب کے حوالے کیا جاتا ہے۔ گلاس یا جائے دانی میں اگر سوراخ ہو جائے تو وہ مقصد پورا نہیں کرتے تو ان کا رکھنا فضول ہو گا۔

اس پوری کائنات کو اللہ تعالیٰ نے یاد الٰہی کے لئے پیدا کیا ہے۔ جب تک یادالٰہی ہو رہی ہے۔ اس کا مقصد پورا ہو رہا ہے۔ خواہ ایک آدمی ہی کیوں نہ مقصد پورا کر رہا ہو۔ تو اس صورت میں اللہ تعالیٰ پورے جہان کو قائم رکھے گا۔ لیکن اگر ایک بھی نہ رہے تو گائے اور سوراخ والے گلاس کی طرح یہ دنیا بھی بے مقصد بن کر رہ جائے گی۔ تو اس صورت میں پھر قیامت قائم ہو گی۔ لوگ آج کل اللہ اللہ کہنے کو بیکاری سمجھتے ہیں۔ اس کی حقیقت تو خالق کائنات سے پوچھو۔ تمہاری گندہ کھوپڑی میں کیا آتا ہے۔

ایک درس عبرت یہ ہے کہ شیطان کے مقابلہ مین خواہ ہم جماعت کی صورت میں ہوں یا اکیلے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے تعلق سے شیطان مردود پر دعا مانگی۔ یہ مسلمان کے لئے غلبہ کا سبب ہے۔

صحابہ کرامؓ ۳۱۳ تھے پوری دنیا ان کی دشمن تھی۔ دشمنوں کے پاس افرادی قوت کے علاوہ سامان جنگ بھی بہت زیادہ تھا مگر صحابہ کرام نے اللہ تعالیٰ کا دین پھیلانے کے لئے جہاد کیا۔ تو نتیجہ یہ کہ ہر قوم کو شکست دی۔ رومیوں کی صحت اتنی تھی کہ ایک رومی کا جسم تین صحابہ کرامؓ کے برابر تھا مگر مقابلہ میں نہ ٹھہر سکے۔ ان کافروں کے ظلم کی مشق مسلمانوں پر کام آتی ہے۔ ۷۰ کروڑ مسلمان اس وقت مغلوب ہیں۔ اللہ تعالیٰ جو سب سے بڑی قوی ذات ہے یہ مغلوب ہونا اس سے تعلق چھوڑنے کا نتیجہ ہے۔ یہ ایک درسِ عبرت ہے۔ شدتِ عداوتِ دشمن ہے کہ ۷۰ کروڑ ہو کر بھی شیطان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

شیطان کو الرَّجِیۡم یعنی مردود کہا۔ یہ لفظ اس لئے بڑھایا کہ اس سے دماغ میں ایک خاص تصور آتا ہے کہ یہ ہمارا دشمن ہے اور ہم نے اس سے اپنی حفاظت کرنی ہے۔ کفار کیلئے قرآن میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے کہ کرۂ ارض میں سب کافر آپؐ کے لئے ایک محاذ ہیں۔ سب کافر بھارت اور برطانیہ کے ساتھ ہیں۔ اسلام بدزبانی کی اجازت تو نہیں دیتا۔ کافروں کے بتوں کو بھی برا کہنا ٹھیک نہیں کیونکہ ایک تصور بٹھا کر کرتا ہے کہ اس کو دشمن تصور کرو۔

مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ انگریز چالیس کروڑ انسانوں پر اپنا فیصلہ کر رہا ہے۔ مگر افغانستان کے کمزور ملک پر

اس کا فیصلہ نہیں چل سکتا۔ یہ کیا بات ہے؟ حالانکہ متحدہ ہندوستان پر قبضہ ہے۔ جب مولانا رحمتہ اللہ علیہ نے ۱۹۱۵ء میں ہجرت کی چمن سے آگے تشریف لے گئے تو چاہا کہ انگریزی علاقہ اور افغانستان کی سرحد معلوم کرنی چاہیے۔ ۸ سال کا ایک بچہ ملا جو بکریاں چرا رہا تھا۔ اسے بلایا اور فارسی میں سوال کیا کہ انگریزی سرحد اور افغانستان کی سرحد کونسی ہے۔ لڑکے کے ہاتھ میں چھڑی تھی تو لکڑی سے اشارہ کر کے کہا۔ ایں از ماست۔ وایں از کفار است۔ اس نے انگریز کی بجائے کفار کا لفظ بولا۔

دیکھو افغانیوں کی کھوپڑی میں انگریز کے متعلق یہ تصور ہے آپ اپنے دشمن کو اس وقت تک نہیں پہچان سکتے جب تک اس کا تصور آپ کے دماغ میں نہ ہو۔ یہ تین نتیجے ہوئے۔

چوتھا نتیجہ یہ ہے کہ اسے جو مردود کہا گیا ہے وہ کس طرح۔ ہم اس سے پناہ مانگتے ہیں کہیں ہم بھی مردود نہ ہو جائیں۔ تو قرآن کی روشنی میں شیطانی کاموں کی جستجو اور کھوج کرنی ہے کہ وہ کون سے امور تھے جن سے شیطان مردود ہوا۔ تو قرآن کی روشنی میں حسب ذیل اجزاء ملتے ہیں۔

الافتخار بالاصل کہ اپنی ذات پر فخر کرنا اور دوسرے کو کچھ نہ سمجھنا فخر، تکبر، غرور والے کے سینے پر شیطان سوار ہو جاتا ہے۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ تم سے کافرانہ

خصلت مٹ گئی ہے۔ باپ دادا پر فخر کرتے تھے۔ پدرم سلطان بود۔ شیطان نے پہلے فخر کیا آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا کہ میری ذات آگ سے ہے اور آگ روشن ہے اور آدم کی ذات مٹی سے ہے اور مٹی گدلی ہے۔ سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔

ایرانی، طورانی، عرب جب آپس میں لڑے اگرچہ سب مسلمان تھے مگر اینٹ سے اینٹ بجائی۔

اس وقت سعدی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمین

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کی اولاد کا خون اس مٹی پر گرا جہاں بادشاہ پیشانی ٹیکتے تھے۔ تین دن میں دس لاکھ مسلمان قتل ہوئے۔ یہ اس جرم کی سزا ہے کہ میں ایرانی، طورانی یا عربی ہوں۔ ذات پر فخر کرنے سے نقصان ہوا۔ شیطان نے بھی فخر کیا تھا کہ میں آگ سے ہوں۔

شیطان کا دوسرا کارنامہ

حسد ہے شیطان اس امید میں تھا کہ عہدۂ خلافت مجھے ملے گا۔ مگر ملا آدم کو حسد کی وجہ سے وہ مردود ہوا۔ مسلمان میں بھی بہت حسد ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ مسلمان کے سینے میں حسد بتدریج آنے گا۔ آہستہ آہستہ تمہارے اندر گذشتہ امتوں کی بیماری

آئے گی۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا وہ بیماری کیا ہے۔ فرمایا الحسد۔ ایک دوسرے کے ساتھ کینہ رکھنا۔ جس قوم میں حسد کی مرض آئی اس قوم میں مذہب ختم ہوا اور دینداری ختم ہوئی۔

حسد نیکیوں کو اس طرح برباد کرتا ہے جس طرح آگ خشک لکڑی کو۔ حسد کی ماچس سے تمام نیکیاں ختم ہو جاتی ہیں۔

تیسرا جرم

شیطان کا تیسرا جرم یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر اعتراض کیا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ مگر شیطان نے کہا کہ میں بڑا ہوں کس طرح سجدہ کروں۔ سجدہ کے معنیٰ پیشانی ٹیکنا ہیں۔

سجدہ کا لغوی مطلب آدم کی خدمت گذاری کا اقرار کر لو۔ اس کے آگے جھک جاؤ۔ ہوا، پانی، ملائکہ وغیرہ سب آدم کے خادم ہیں۔ شیطان نے کہا میں آگ نورانی سے ہوں۔ آدم مٹی ظلمانی سے ہے۔

چوتھا جرم

بے ادبی۔ کہ شیطان نے اللہ تعالیٰ کی بے ادبی کی اور آدم سے بے ادبی کی۔ انا خیر منہ، اس پر شیطان راندہ درگاہ الٰہی ہوا۔ حضرت آدم اس وقت نبی اور خلیفہ بھی تھے۔ جب ابھی زیر تجویز تھے۔ انا خیر منہ، کے کہنے سے شیطان مردود ہو گیا۔

علماء نے بیان کیا کہ دین کی بنیادی روح ادب ہے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ اللہ کا ادب ہے۔ دین کے خلاف بے ادبی ہے۔ ایمان ادب کا نام اور کفر بے ادبی کا نام ہے۔ ایک گناہ ایسا ہے جس کے ساتھ کوئی نیکی قائم نہیں رہ سکتی۔ وہ کفر ہے۔ شرک اور کفر سے تمام نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔

ہم نے آپ کو وحی کی۔ اس طرح تمام پیغمبروں کو جو پہلے ہو گذرے لفظ پہلے کا ہی آیا ہے۔ پیچھے کا نہیں آیا۔ ہم نے آپ کو بھی کی، نوح کو بھی کی اور جو اس کے بعد پیغمبر آئے۔ لیکن حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جہاں لفظ استعمال ہوئے ہیں (وہ جو آپ سے پہلے آئے) پیچھے کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ کیونکہ آپ کے بعد نبی نہیں ہے۔ بے ادبی بھی نیکی کو برباد کرتی ہے۔

یاایہاالذین اٰمنوا لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی الخ، اے مومنو: اپنی آواز کو پیغمبر کی آواز سے اونچا نہ کرو۔ اور پیغمبر کے ساتھ ایسی باتیں نہ کرو کہ جس طرح تم ایک دوسرے سے آزادانہ باتیں کرتے ہو۔ بے ادبی کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں گے اور تمہیں پتہ بھی نہ لگے گا۔ زنا، چوری، ڈاکہ قتل برے جرم ہیں مگر ان کے متعلق یہ الفاظ نہیں آئے کہ تمہاری سب نیکیاں برباد ہو جائیں گی۔

بنی تمیم کا وفد آیا وہ آپ کے دروازے کے سامنے کھڑے

ہو گئے اور آپ کو بلایا۔ آواز دی سورۃ حجرات میں ہے۔ جو لوگ آپ کو آپ کے گھر سے باہر کھڑے ہو کر پکارتے ہیں وہ اکثر بے ادب لوگ ہیں۔ اس سے ایک نکتہ سمجھ آیا کہ صحابہ کرام کو جھاڑ ملی کہ دور سے بلانے پر بے ادبی کی، مثلاً تمہارا کمشنر کچھ فاصلے پر جا رہا ہو آپ اسے بلائیں۔ کمشنر صاحب ادھر آنا وہ بگڑیگا یا نہیں؟ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان تو تمام سلاطین سے بڑھ کر ہے۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجرے میں تشریف فرما تھے اور بنی تمیم کا وفد باہر تھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا دور سے پکارنے میں بے ادبی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے نیکی کی ترکیب بھی بتلا دی۔ کہ تم لوگ انتظار میں ٹھہر جایا کرو۔ میرا پیغمبر جب اپنی مرضی سے باہر تشریف لاویں تو پھر مل لیا کرو۔

جنہوں نے حجرے کے باہر سے پکارا انہیں ڈانٹ ملی۔ یہاں اب نعرہ یارسول اللہ کے کہنے والوں پر غور کرو۔ اس میں کتنی بے ادبی ہے۔ ہمارے اور مدینہ منورہ میں کتنا فاصلہ ہے۔ اب آپ کا گھر مبارک روضۂ خضرا ہے دو قدم سے پکارنے میں بے ادبی ہے۔ کیا کمشنر یا گورنر کو دور سے پکاروگے؟ کیا وہ بگڑینگے نہیں؟ آج رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی بے ادبیاں ہو رہی ہیں۔ آج نعرۂ رسالت کو محبت رسول قرار دے رہے ہیں۔

حضرت ثابت ابن قیسؓ کی آواز قدرتی طور پر اونچی تھی۔

مجلس میں بلند آواز میں بات کرتے تھے۔ یہ صحابی کئی دنوں سے مجلس میں نظر نہ آرہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہاں ہے؟ ان کی بیوی نے کہا تین دن سے گھر میں بیٹھے رو رہے ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا تو کہا کہ مجھ سے بلند آواز میں باتیں ہوتی ہیں شاید میری نیکیاں ضائع ہو گئیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں یہ عرض کی تو آپ نے بشارت فرمائی کہ اسے جا کر پیغام دو کہ تو دوزخ والوں میں سے نہیں۔ بلکہ تو جنت میں جانے والوں میں سے ہے۔ اس سے اس کی بے فکری ہوئی۔ جب عیسائی قسطنطنیہ پر حملہ ہوا۔ حضرت ایوبؓ انصاری کی قبر مبارک اب بھی وہاں موجود ہے۔ ثابت ابن قیسؓ اس جہاد میں شامل ہوا۔ حضرت امیر معاویہؓ کے زمانہ میں رومیوں کے جہاد میں انہوں نے شہادت پائی۔

درس نمبر: ۱۰
17 جنوری 1964ء

بِسمِ اللہ کی تشریح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ لفظی ترجمہ یہ ہے کہ بندہ کو تعلیم دی جاتی ہے کہ یوں کہا کرو۔

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور رحم والے ہیں۔ چار الفاظ کی وضاحت ضروری ہے۔(1) اسم (2) اللہ۔ رحمٰن۔ رحیم۔

عربی زبان میں اسم نام کو کہتے ہیں۔ عربی زبان کے تمام قاعدے عقل کے مطابق ہیں۔ اسم کے معنی بلندی اور علامت میں بھی آتے ہیں۔ سیمٌ بلندی۔ اسمٌ علامت۔ اس کو اسم اسلئے کہتے ہیں کہ نام میں بلندی ہے۔ انسان کی برتری کا نام اس کے مطابق ہے۔ چیونٹی میں ہر فرد کا الگ الگ نام نہیں۔ شیر بھی ایک قسم ہے سب کو شیر کہتے ہیں۔ کسی کا الگ الگ نام نہیں۔ علی ھذالقیاس دوسرے جانور بھی اپنا الگ الگ نام نہیں رکھتے بلکہ مشترک نام ہوتا ہے۔ نام سے چونکہ بلندی پیدا ہوتی ہے اسم کا

نام کے معنوں میں بولا جاتا ہے۔ دوسری چیز علامت ہے آدمی کا نام بھی علامت ہے کہ وہ آدمی معیّن ہو جاتا ہے۔ اللہ۔ ایک لفظ ہے جو عربی زبان میں خدا کے لئے استعمال ہوتا ہے اور عبرانی زبان میں بھی اس سے ملتا جلتا لفظ (ایل) ہے اللہ کے ناموں کی انتہا نہیں۔ اور نہ ہی اس کے کمالوں کی انتہا ہے۔ ذاتی نام صرف اللہ ہے باقی صفاتی نام ہیں۔ 99 یا اس سے زائد نام ہیں جو اللہ تعالی کے کمال کو ظاہر کرتے ہیں۔ اللہ نام کی تخصیص کی گئی۔ اس کے اصلی معنی۔ متعدد ہیں۔

(1) عبادت (معبودیت) (2) احتجاب۔ یعنی پردے میں ہونا۔ (3) التجاء پناہ لینا (4) التحیر حیرانی (5) تسکین تسلی۔ اللہ میں سارے معانی محیط ہیں اللہ واجب العبادت ہے۔ عبادت کے علاوہ باقی معنی اللہ کی ذات مین پائے جاتے ہیں۔ احتجاب۔ پردہ میں ہونا اللہ سب سے زیادہ نمایاں ہے اس کے باوجود پردہ میں ہے۔ آنکھوں سے پوشیدہ ہے۔

تسکین۔ اللہ سے دل کو تسلی حاصل ہوتی ہے پناہ لینے کے لئے ذات۔ ذاتِ خدا ہوتی ہے۔ حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے سلطان سنجر کو ایک خط لکھا۔ اس میں ایک جملہ اللہ تعالی کی نسبت ہے۔ سلجوقی بادشاہ کو بتلایا خدا اور عالم۔ شعر

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا جس طرح تیز ہوا اڑ

کر اوپر کی طرف گردو غبار کا ایک ستون بناتی ہے ستون تو ہوا کے چکر سے بنا۔ ورنہ گردو غبار نے آسمان پر جا کر کیا کرنا ہے گردو غبار کا ستون سب کو نظر آتا ہے وہ نیست و ہست دراصل وہ ہوا ہے جو نظر نہیں آتی۔

اس مثال سے حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے واضح کردیا کہ حقیقت میں ہر وہ شے جو آنکھ سے پوشیدہ ہے وہ حقیقت ہے اور طاقتور ہے رحمن اور رحیم دونوں رحمت سے نکلے ہوئے ہیں رحمت اور احسان میں فرق ہے۔ عام استعمال میں فرق معلوم نہیں ہوتا۔ فیض رسانی یعنی دوسروں کو فیض پہنچانا احسان ہے یہ رحمت نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ جب تک اس میں دوسری چیز شامل نہ ہو احسان ایک دوسرے کو پہنچائے مگر اس جوش کے ساتھ کہ اس کے بغیر اس کو چین نہیں آتا۔ جیسے بچہ کے ساتھ ماں کی حالت ہوتی ہے بچہ پرائی عورت کا دودھ بھی پی لیتا ہے دودھ ایک فائدہ ہے جو ماں نے بھی کرم کیا۔ اور دوسری عورت نے بھی۔ لیکن جس شفقت اور محبت کے ساتھ ماں پلاتی ہے دوسری عورت نہیں پلاتی۔ ماں کا دل کی گہرائیوں کے جوش سے دودھ پلانا ہوتا ہے دوسری عورت میں وہ جوش نہیں ہوتا۔ اللہ تعالی کی ذات اقدس صاحب رحمت ہے اللہ تعالی اپنے بندوں کو فیض پہنچاتا ہے اور اس کے لئے پیغمبر بھیجے۔ اب پھر بھی بندہ حیوان بنے اور محسن حقیقی کو

نہ پہچانے تو یہ اس کی بد بختی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اَللّٰہُ اَرحَمُ لِعِبَادِہٖ اللہ تعالی کو اپنے بندوں پر زیادہ رحمت ہے۔ جس طرح ماں کو اپنی اولاد سے ہے تجربہ کی دلیل بھی اسکی تائید کرتی ہے۔ ماں سراپا رحمت ہے زمین میں رحمت کی مکمل مثال ماں ہے۔ ماں اگر گلاس میں دودھ ڈال کر بچے کو دے اور کہے اسے تھام لو۔ اور تین چار سال کا بچہ گلاس کو گرادے اور خود روئے اور دودھ بھی بہہ جائے تو ماں خود اپنے بچہ کو تھپڑ لگاتی ہے مادر شفیقہ مادر قاہرہ بن جاتی ہے یہ فقط ایک نافرمانی پر۔ دودھ کی معمولی قیمت ہے شکم مادر میں اللہ نے کھلایا اور باہر بھی اللہ تعالی کی دستر خوانی ہے شکم مادر میں پردوں کے اندر تاریکی میں کھانے کا انتظام کیا اس میں کسی دوسرے کا کوئی دخل نہیں۔ ماں نے پیٹ میں کچھ مدت کیلئے بچہ کو اٹھانے کی تکلیف اٹھائی اور بچہ جننے میں بھی تکلیف برداشت کی۔ ورنہ سب کچھ اللہ تعالی نے بچہ کو بنایا ہے ماں کی ایک نافرمانی کی تو ماں کی محبت قہر میں بدل جاتی ہے اور انسان روزانہ سینکڑوں نافرمانیاں کرتا ہے اللہ تعالی پھر بھی اسے کھلاتا پلاتا ہے۔ رحمت کے یہ معنی ہوئے اس کی دو شکلیں ہیں۔ (1) رحمن (2) رحیم۔ انتہائی اخلاص کے ساتھ اور قلب کی گہرائی کے ساتھ جو رحمت ہو اسے رحمان کہا جاتا ہے۔ یہ رحمت دنیا میں تقسیم ہوتی ہے اور جو رحمت آخرت میں تقسیم ہوگی وہ رحیم ہے۔ تو رحمان الدنیا اور

رحیم الآخرۃ۔

سب سے پہلے بندہ کو اللہ سے جو تعلق ہوتا ہے بندہ اس کا نام لیتا ہے اللہ کا کوئی بنگلہ تو ہے نہیں کہ وہاں جا کر کھے۔ نام کے بعد صاحب نام کی نوبت بھی ذات کی نوبت آئی۔ اللہ کا نام اسکی ذات کیلئے۔ تیسری بات یہ کہ انسان کو سب سے پہلے دنیا میں فائدے پہنچتے ہیں اور بعد میں آخرت میں فائدے۔ بؔ۔ معنی ساتھ اور اسمؔ کے معنی نام۔ ساتھ نام اللہ کے جو بے حد رحمان اور نہایت رحم والا ہے حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہر جائز کام جو مسلمان اللہ کے نام سے شروع نہ کرے وہ بے برکت ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان ہر جائز کام کا آغاز بسم اللہ سے کرے اس لئے قرآن کے شروع میں بسم اللہ آئی ہے۔ جیسا کام ہوگا ویسا فیض ہوگا۔ قرآن پڑھے تو یہ شروع میں آئے گی اور اگر کھانا ہو تو یہ بسم اللہ شروع میں آئے گی۔ مسلمان کیلئے بسم اللہ کا استعمال کثرت سے ہونا چاہیئے۔ یعنی جو کام بھی آپ کرنے لگیں بسم اللہ کو اسکی چابی بنادیں۔ بؔ اور سؔ کے درمیان عموماً الف آتا ہے یہاں رسم الخط میں اؔ کو حذف کر دیا گیا ہے دراصل باسم اللہ تھا تو بسم اللہ الرحمن الرحیم خدا تعالی کے خزانے کی چابی ہے۔ جس کام سے پہلے پڑھی جائے وہ خود حل ہوجاتا ہے اسمؔ کا لفظ اس لئے لایا گیا ہے کہ مسلمان کو ہدایت کی گئی ہے کہ گناہ کے وقت بسم اللہ نہ

پڑھا کرو۔ بلکہ ہر جائز کام کے شروع میں پڑھو تاکہ اس میں اللہ تعالی کا فیض شامل ہو جائے۔

(1) ازالۂ غفلت (2) اللہ کی یاد کی تلقین (3) استفادہ برکت۔ قرآن شریف میں غفلت کا لفظ کثرت سے بیان ہوا ہے اور غفلت بہت بری چیز ہے۔ غفلت کا خلاصہ ہے کہ ایک واقعی چیز کو چھوڑنا موت واقعی ہے قبر واقعی ہے حساب کتاب کا ہونا واقعی ہے اور جنت و دوزخ سب واقعی ہیں۔ انسان ان سب کو بھولا ہوا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ غفلت ہے کہ جن گناہوں سے اللہ تعالی نے روکا ہوا ہے ہم انہیں کرتے ہیں گویا ہم نے خدا تعالی کو بھلایا ہوا ہے۔ غفلت سے انسان کئی بھولوں کا شکار ہوتا ہے۔ غفلت کی قدر اللہ اور اللہ کے پیغمبروں نے بیان کی۔

اگر ایک عیسائی ڈاکٹر کہہ دے کہ فلاں کھانا مضر ہے خواہ وہ کھانا مزیدار بھی ہو تو آدمی نہیں کھائے گا۔ حالانکہ اس بات کا احتمال بھی ہے کہ اسکی بات جھوٹی ہے یا سچی۔ لیکن ایک عیسائی ڈاکٹر کے کہنے پر عمل کرتا ہے۔ کیا خدا ایک عیسائی ڈاکٹر کے برابر بھی نہیں؟ اللہ تعالی نے گناہ میں نقصان بتلایا ہے لیکن انسان پرواہ تک نہیں کرتا۔ کتنی بڑی غفلت ہے۔ گناہ سے جو اللہ تعالی نے روکا ہے اس میں اللہ تعالی کا کوئی فائدہ نہیں۔ سراسر ہمارا ہی

فائدہ ہے۔ جیسے پرہیز بتلانے میں ڈاکٹر کا کوئی فائدہ نہیں مریض کا ہی فائدہ ہے۔ حقیقت میں یہ اللہ تعالی کی رحمانیت کا تقاضہ ہے۔ حضرت ابوھریرہؓ کی حدیث میں ذکر ہے کہ اللہ تعالی کے 99 نام ہیں اور بسم اللہ میں تین نام ذکر ہیں۔ اللہ۔ رحمان۔ رحیم۔ یہ اللہ تعالی کی قوت سلطنت و حکومت۔ عظمت بیان کرتے ہیں بعض نام شفقت و رحمت کو ظاہر کرتے ہیں۔ مہر و محبت کے نام جمالی ہیں قہر و شدت کے نام جلالی ہیں۔ خدا کیلیے دونوں ضروری ہیں۔ وہ صاحب رحم بھی ہو اور صاحب قہر بھی ہو۔ اسلام کی یہ بڑی خصوصیت ہے کہ اس نے خدا تعالی کا ٹھیک ٹھیک تصور پیش کیا دوسرے مذاہب کا تصور بالکل نامکمل ہے یہودیت نے ایسا تصور پیش کیا کہ ایک منٹ اس کا تصور آجائے تو کائنات کو تباہ کردیا جائے۔ اور عیسائی مذہب نے تو خالص محبت کا تصور پیش کیا۔ اور لوگوں کو ورغلاتے ہیں انہوں نے گناہ کی بخشش کا یہ طریقہ ایجاد کیا کہ اللہ خود حضرت عیسیٰؑ کی شکل میں آیا۔ اور یہودی کے قہر میں آیا۔ اور تین دن جہنم میں رہا۔ اس نے کہا کہ گناہ تم کرلو اور سزا میں بھگت لوں۔ یہ عیسیٰؑ کا غلط تصور ہے۔ یہ تو کوئی احمق انسان بھی نہیں کرتا کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی۔ کیا خدا کے پاس اور کوئی چیز نہ تھی کہ خود پھانسی چڑھی پھر اس سے جرائم اور بڑھیں گے۔ کہ کرے کوئی اور بھرے گا کوئی۔

قرآن نے بسم اللہ سے ہر بات کو حل کیا جس میں قہر کے ناموں میں سے اللہ لایا اور باقی دو نام رحمٰن اور رحیم رحمت کے ہیں۔ اگر قہر نہ ہو تو خدائی تمام نہیں ہو سکتی۔ اس کے بغیر تو ایک کمشنری کا راج بھی قائم نہیں ہو سکتا۔ کہ جو چاہے سو کرے اسے کوئی سزا نہ دے نظم و نسق کیلئے قہر کی ضرورت ہے۔ خدا کیلئے زور قوت اور قہر کی بھی ضرورت ہے اگر اللہ تعالی صاحب قہر نہ ہو تو خوف نہ ہو گا۔ خوف نہ ہو تو کوئی انتظام نہ ہو گا۔ اللہ تعالی سے ڈرا جائے اور اس سے محبت بھی ہو۔ شیر سے ہم ڈرتے ہیں لیکن اس کا کوئی عاشق نہیں۔ خدائی کی تکمیل تب ہو گی جب خوف و محبت کی آمیزش ہو جائے گی۔ سب سے زیادہ اس سے ڈرنا ہو اور سب سے زیادہ محبت بھی اس سے ہو۔ قوت بھی اس کی زیادہ ہے اور حسن و خوبی بھی اسکی زیادہ ہے ہر صاحب جمال کو جمال اس نے دیا اور ہر صاحب قوت کو قوت اس نے دی۔

بسم اللہ۔ میں اس کے جلال کا ایک نام اور جمال کے دو نام ہیں۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا و تشریح کی کہ بندوں پر ظاہر ہو جائے کہ اللہ تعالی صاحب جلال اور صاحب جمال دونوں ہیں۔ رحم۔ رحمت و شفقت قہر پر غالب ہے۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ میری رحمت غضب پر غالب ہے۔ سَبَقَتْ رَحْمَتِی عَلٰی غَضَبِی۔ اللہ کے دو نظام ہیں۔ (۱) کائناتی نظام

(2) تشریعی نظام۔ کائناتی نظام میں قہر کی صورتیں کم اور رحمت کی زیادہ ہیں آپ دیکھتے ہیں کہ قحط کبھی کبھی ہوتا ہے مگر روزی عام ملتی ہے امن کی حالت عام ہے اور جنگ کبھی کبھی۔ اس طرح صحت کا عالم عام ہے اور مرض کبھی کبھی۔ فاقہ کے دن تھوڑے ہوتے ہیں اور سیر ہونے کے زیادہ۔ تو کائناتی نظام میں رحم زیادہ اور قہر کم ہوتا ہے۔ (2) تشریعی نظام دوزخ قہر کا منظر ہے اور جنت رحم کا مظہر ہے۔ جنت حقیقت میں نیکوں کی تصور میں ہے اور دوزخ قہر کے تصور میں ہے۔ گناہ اگر ایک کیا جائے تو ایک لکھا جائے گا نیکی اگر ایک کرے تو دس لکھی جائیں گی۔ کم از کم دس۔ جب ایک آدمی ایک نیکی کرے جب تک وہ اسلام پر قائم ہے تو وہ نیکی نہیں مٹے گی نیکی کبھی نہیں مٹتی۔ لیکن بدی مٹ سکتی ہے ایک صورت یہ ہے کہ وضو کریں اس سے بدی مٹ جاتی ہے۔ مثلاً ناک۔ کان کے دھونے سے ان کی بدی یعنی ان کے گناہ مٹ گئے۔ پاؤں دھونے سے پاؤں کے گناہ مٹ گئے اس طرح نماز اور روزے سے گناہ مٹتے ہیں۔ حدیث شریف ہے کہ ایک جمعہ کی نماز سے دوسرے جمعہ کی نماز تک۔ ایک رمضان کے روزوں سے دوسرے رمضان تک کے سب گناہ مٹ جاتے ہیں۔

تیسرا قانون۔ حج سے پہلے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں پھر جہاد سے گناہوں کو معاف کرنا ہے آخری چیز گناہوں

کو ختم کرنے والی توبہ ہے توبہ کا دروازہ جان نکلنے تک کھلا ہے جان کنی میں غرغرہ یعنی سکرات کے وقت جنت و دوزخ نظر آ جاتے ہیں۔ ان کو دیکھنے کے بعد توبہ نہیں۔ انسانی قانون میں ملازمت کیلیے 60 سال ہیں مگر اللہ تعالی نے کسقدر وسعت دی ہے کہ جان نکلنے سے پہلے تک توبہ کی میعاد ہے مجموعی انسان کیلئے اس وقت تک توبہ قبول ہے جب تک مغرب سے سورج نہ نکلے۔ جو قیامت کی علامت ہے آخرت کی مروتیں بہت زیادہ ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ رمضان شریف میں ایک نیکی کا بدلہ 70 ہو جاتا ہے۔ ہر بادشاہ کی بخشش اور انعام کا ایک وقت ہوتا ہے بادشاہ حقیقی نے اپنی نعمتوں کیلئے رمضان شریف رکھا ہے اس میں ایک شب کی عبادت کا ثواب ہزار ماہ (83 سال 4 ماہ) سے بڑھ کر ہے۔ اگر کسی کو کہا جائے کہ ایک رات کی ڈیوٹی سے 83 سال 4 ماہ کی تنخواہ مل جائے گی تو وہ تو سر کے بل چلنے کو تیار ہوجائے گا۔ 21۔23۔25۔27۔29 یہ پانچ طاق راتیں لیلتہ القدر کی راتوں میں سے ہیں یہ ساری نہو سکیں تو ستائیسویں رات کو تو ضرور عبادت کر لے۔ مگر اللہ تعالی چاہتا ہے کہ انسان زیادہ راتیں عبادت کرے۔

درس نمبر: ۱۱

19جنوری 1964ء

بِسۡمِ اللّٰہ کی حکمت اور فائدہ

بسم اللہ کے بیان میں تین قسم کی حدیثیں ہیں۔ ترمذی میں حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ ہر جائز کام جو بسم اللہ سے شروع نہو وہ بے برکت ہے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ جو کام اللہ کی حمد اور تعریف سے شروع نہ ہو اسے ادھورا سمجھو۔ امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ سے یہ ذکر ہے کہ جو جائز کام اللہ تعالی کے نام سے شروع نہ ہو وہ بے برکت ہوگا۔ تینوں میں کوئی اختلاف نہیں۔ الرحمن الرحیم اللہ تعالی کی تعریف یعنی حمد بھی ہے اس میں اللہ تعالی کی دو صفتوں کا ذکر ہے۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں کیا حکمت ہے کہ گناہ کا کام بسم اللہ سے نہ شروع کرو اس میں اللہ کی توہین ہے بلکہ جائز کام بسم اللہ سے شروع کرو۔ اس میں کیا حکمت اور کیا فائدہ ہے (1) اندرونی حکمت (2) بیرونی حکمت۔ بیرونی حکمت۔ انسان سے باہر بسم اللہ کہنے میں انسان کا فائدہ ہے۔ اندرونی۔ یہ کہ انسان کے دل کا فائدہ ہے۔ بیرونی۔ جو جائز کام کرو بسم اللہ سے شروع کرو انسان جو کام بھی کرتا ہے اسے مفید سمجھ کر

شروع کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان نے جب سے دنیا میں کوئی کام شروع کیا اسے فائدہ مند سمجھ کر شروع کیا۔ انسان ارادے سے کام کرتا ہے اور فائدے کا تصور ہوتا ہے۔

اللہ تعالی نے کائنات ایسی بنائی ہے کہ ہر فائدہ مند کام سے نقصان بھی ہوسکتا ہے اور مضر چیز بسا اوقات مفید ہوتی ہے اللہ تعالی جس چیز کو مفید بتائے اس میں ضرر نہیں اور جسے مضر بتائے اس میں فائدہ نہیں۔ عَسٰۤی اَنۡ تَکۡرَہُوۡا شَیۡـًٔا وَّ ہُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ۔ قرآن نے کہا ہے کہ تم ایک چیز کو برا سمجھو گے مگر اس میں بہتری ہوگی۔ اور تم ایک چیز کو مفید سمجھو گے مگر اس میں ضرر ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالی خوب جانتا ہے تمہاری سمجھ ٹھیک نہیں۔ ایک چیز ایسی ہے جو ہر طرح سے مفید ہے مگر ہمیں یہ پتہ نہیں کہ یہ ہمارے لئے مفید ہے یا کہ نقصان دہ ہے۔ مثلاً شادی کرنا۔ جس کے معنی خوشی کرنا کے ہیں۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ یہ ایک رنگ میں عبادت ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ شب زفاف میں عورت کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر دعا کرو کہ یااللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس عورت کے فائدے میں اور اس فائدے کا جو اس کی ذات میں ہے اور میں پناہ لیتا ہوں اس شر سے جو اس کی ذات میں ہے۔ بعض وقت نکاح وبال بھی بن جاتا ہے۔ ہمارے معاملات خیر و شر دونوں پہلو رکھتے ہیں اور ہم ناقص العقل ہونیکی وجہ سے پوری

طور پر علم نہیں رکھتے۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی ہے کہ کام کے آغاز میں بسم اللہ کہا کریں تاکہ شر کا پہلو دور ہوجائے اور خیر کا پہلو غالب ہوجائے۔

دوسرا پہلو یہ کہ جو کام بھی شروع کرتے ہیں حقیقت میں پہلے اس کے اسباب تیار کرتے ہیں۔ اسباب اللہ رب العٰلمین کے ہاتھ میں ہیں۔ مثلاً تجارت میں پہلے انسان سرمایہ مہیا کرتا ہے پھر نوعیت متعین کرتا ہے کہ کونسا کام کیا جائے۔ پھر چیز کو کس اصول سے خریدا اور کس اصول سے فروخت کیا جائے۔ ذرائع بھی اللہ تعالی کے ہاتھ میں ہیں اور اللہ ہی اس چیز کو جانتا ہے جو آپ کے لئے مفید ہے۔ بسم اللہ کے پڑھنے کا یہ فائدہ ہوگا کہ اللہ تعالی تمہارے دل میں وہ چیز ڈالے گا جو تمہارے لئے فائدہ مند ہو گی۔ (طریقہ) یہ ہے کہ کس طرز پر کام کرے۔ ایک میں پانچ ہزار کھو دیتا ہے اور دوسرے میں پانچ سے دس ہزار بنالیتا ہے اللہ تعالی نے ہر قسم کی روزی کی چابی اپنے ہاتھ میں رکھی ہے۔ عالم اسباب کی ہدایت کی ہے کہ تم کام کرو اور آخری چابی اللہ تعالی کے ہاتھ میں ہوگی۔ پھر کبھی آدمی مر بھی جاتا ہے اس لئے جو کچھ کمائے صحیح مصرف میں خرچ کرے۔

حدیث شریف کے مطابق ہے کہ بسم اللہ کہہ کر بڑی طاقت اللہ تعالی کے سپرد کرو۔ اللہ تعالی کو وکیل بناؤ وہ سب کا

معبود ہے لا الہ الا ھو سود و زیاں کا آخر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اربوں کام ہوں یا ایک کام ہو اللہ کے لئے ایک برابر ہے۔ اسے کوئی دقت نہیں۔ تو تمہارے دل کا جھکنا صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہو۔ اور یہ تصور ہو کہ سودوزیاں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ لوگوں کو سمجھا دو کہ اگر سودوزیاں کسی اور کے ہاتھ میں ہوتا تو اللہ کے بعد مجھ سے زیادہ کون اس لائق ہے۔ مگر میرا سودوزیاں بھی اللہ ربّ العلمین کے ہاتھ ہے۔ انسان کا قیمتی جز دل ہے اور واقع میں انسان دل کا نام ہے مگر اس سے مراد وہ گوشت والا دل نہیں بلکہ اس کے اندر ایک آسمانی نور ہے وہ شمع ہے گوشت والا دل تو برتن ہے۔ آپ سے روح اور دل کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ انہیں سمجھا دو کہ گوشت کے دل میں جو روح ہے اسے میری ذات سے خاص تعلق ہے اور اس سے آگے کے راز نہیں بتائے جاتے۔

قلب خاص اسی کا نام ہے عالم تغیرات میں ہر چیز تغیر پذیر ہے ہمارے گوشت پوست کے دل میں جو نور الٰہی ہے اسے بھی تغیر آجاتا ہے بدن میلا ہو جائے تو غسل کرتے ہیں۔ کپڑا میلا ہو جائے تو صابن سے دھوتے ہیں۔ تانبے کا برتن اگر زنگ آلود ہو جائے تو اس کے لئے صابن کافی نہیں اس کے لئے قلعی کرنا ہوتا ہے۔ بوٹ جب خراب ہو جائے تو پالش کرتے ہیں۔ کوٹ

خراب ہوجائے تو پٹرول سے صاف کرتے ہیں میل اتارنے کے مختلف ذرائع ہیں یہ مادیات اور جسمانیات کا حال ہے اور نورانی چیزیں جیسے دل کا نور وہ اگر میلا ہوجائے تو اس کیلئے کیا کیا جائے۔

احادیث کثیرہ میں وارد ہے کہ جب آدمی نیکی کرتا ہے تو اصلی دل میں چمک اور روشنی بڑھتی ہے اور جب گناہ کرتا ہے تو اس میں سیاہی پیدا ہوتی ہے تو گناہ جب کرے تو اصلی دل میں ایک سیاہ داغ پڑ جاتا ہے ہمارے اعمال کا اصلی دل اور روح کے ساتھ شدید تعلق ہے جب طاعت اور نیکی ہوتی ہے تو اسکی نورانیت چمک اٹھتی ہے جتنے گناہ زیادہ ہوتے جاتے ہیں دل اتنا سیاہ ہوتا جاتا ہے اور مر جاتا ہے اس صورت میں آدمی ٹانگوں کے ساتھ پھر رہا ہوتا ہے مگر دل مردہ ہوتا ہے۔ سب سے قیمتی موتی نور الٰہی ہے مال و دولت کی ضرورت سے وہ زیادہ ضروری ہے کلّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ الخ ان کے اصل دلوں پر زنگ چڑھ گیا ہے ان کے کاموں سے جووہ کرتے ہیں خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ۔ کہ ان کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے اللہ تعالیٰ نے عالم اسباب میں یہ انتظام کیا ہے کہ گناہ سے اصلی دل داغدار اور تاریک ہوجاتا ہے۔ تو جس طرح کپڑے دھوتے ہو اسی طرح اس زنگ کا دھونا بھی ضروری ہے تو اس کیلئے دو صابون ہیں۔

(۱) توبہ جس کا بیان گذر چکا ہے۔ توبہ کے اثر سے

زنگ ختم ہوجاتا ہے۔

(2) ذکراللہ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ کہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں یہ اثر ہے کہ وہ صابون کا کام دیتا ہے۔ قلب کو منور بنا دیتا ہے۔ قرآن پاک میں ذکر اللہ کی بڑی صفت آئی ہے۔ ذکر کے معنی یاد الٰہی ذکر کا مقابل غفلت ہے ذکر اور غفلت متضاد چیزیں ہیں۔ غفلت کے معنی خدا فراموشی۔

ذکراللہ۔ میں ایک خاص بات ہے عبادت میں دو باتیں ہوتی ہیں (1) ہر عبادت محدود ہے (2) او رہر عبادت موقوت ہے۔ یعنی وقت مقرر ہے مثلاً نمازیں پانچ ہیں اور وقت بھی مقرر ہے روزہ 30 دن محدود اور رمضان شریف کا وقت مقرر ہے اسی طرح زکوۃ بھی محدود اور اسکا وقت بھی مقرر ہے آبپاشی آسانی سے ہو تو آمدنی کا دسوا حصہ۔ اور اگر آبپاشی مشکل ہو تو بیسواں حصہ۔ خزانہ ملا ہے تو پانچواں حصہ۔ حج تمام عمر میں ایک مرتبہ۔ ان سب کی حدود اور وقت مقرر ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی یاد ایک ایسی عبادت ہے کہ نہ یہ محدود ہے اور نہ یہ موقوت ہے اس کے لئے کوئی حد نہیں کوئی وقت نہیں۔ بس ضروریات سے جتنا وقت بچ جائے اس میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرو۔ صحیحین میں ہے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کو ہر وقت یاد کرتے تھے۔ صرف دو وقت بندش ہے۔ ایک قضاء حاجت اور دوسرا ہمبستری کے وقت۔ ان دونوں وقتوں

میں زبان سے ذکر اللہ نہ کرے۔ دل میں یاد کرے جو عالم بالا کی چیز
ہے ذکر میں کوئی استثناء نہیں ہر وقت یاد کر سکتے ہیں۔ ذکر اللہ میں
دوسری خوبی یہ کہ ذکر بطور خود بھی عبادت ہے اور ہر عبادت کا
مقصد اللہ تعالیٰ کی یاد ہے۔ حج میں اللہ تعالیٰ کی یاد مقصود ہے زکوۃ
میں بھی۔ اور قرآن کی قرات میں بھی۔ عبداللہ ابن بُسر راوی ہیں کہ حضور
کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک شخص آیا کہ
شریعت اسلام کے امور تعداد میں بہت بڑھ گئے ہیں۔ تو مجھے ذرا
دین کی مختصر بات بتادو جو ہر وقت یاد رہے جو صحابہ کرامؓ تشریف
فرما تھے وہ بھی جواب کی انتظار میں تھے۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا کہ تمام شریعت کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمیشہ تیری زبان
خدا تعالیٰ کی یاد سے تر رہے۔

قرآن نے کہا وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ۔ اللہ تعالیٰ کی یاد تمام
عبادتوں سے بڑھ کر ہے میدان جنگ میں خوب جم کر دشمن سے
لڑو واذکُرُوا اللّٰہَ کثیراً لعلکُم تُفلحُونَ۔ اور اللہ تعالیٰ کو بھی یاد کرو۔ نزع
کی حالت میں بھی یاد کرو یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ جو آخری
وقت میں پڑھ لے اس کے لئے بھی جنت ہے۔

صحیحین کی حدیث قدسی ہے حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ
میں اپنے بندہ کے مطابق کام کرتا ہوں جب میرا بندہ اپنی ساری
امیدیں مجھ سے وابستہ کرتا ہے تو میں اس کا کام کرتا ہوں۔

"مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اللہ پر اچھا گمان رکھے" میں اس کے گمان کے مطابق کام کرتا ہوں۔ اگر وہ میرا نام تنہائی میں لیتا ہے تو میں اس کا نام تنہائی میں لیتا ہوں۔ اور میں اربوں کا نام ایک وقت لے سکتا ہوں اور اگر وہ میرا نام جماعت کے اندر لیتا ہے تو میں اس کا نام اس گروہ میں لیتا ہوں جو مَلَاءِ الاَعلیٰ ہیں۔ اور ارشاد ہے کہ اگر وہ ایک بالشت میری طرف آتا ہے تو میں اسکی طرف ایک گز آتا ہوں اور جو میری طرف ایک ہاتھ آتا ہے تو میں اسکی طرف دو ہاتھ آتا ہوں اگر وہ درمیانی چال سے آنا شروع کرتا ہے تو میں دوڑ کر آتا ہوں۔ اور ہمارا حال یہ ہے کہ غیروں سے مانگتے پھرتے ہیں اللہ نے تو فرمایا ہے جو حاجت ہو مجھ سے مانگو۔ میں سب سے زیادہ قریب ہوں اور ایسا زور بھی کسی کا نہیں جو میرا ہے۔

حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ کی طرف سے تھوڑی طلب ہوتی ہے اور اللہ تعالی کی طرف سے زیادہ ملتا ہے غفلت ہماری ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ رحمتہ اللہ علیہ مہاجر مکی کا ارشاد ہے کہ جس طرح چھوٹا بچہ جب قدم اٹھانا سیکھ رہا ہوتا ہے تو اس کو کھڑا کر کے والدین اپنی طرف بلاتے ہیں تو وہ ایک قدم چل کر گرنے لگتا ہے تو والدین دوڑ کر اسے اٹھا لیتے ہیں اللہ تعالی کے دوڑ کر آنے کا مفہوم بعینہ اسی طرح ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام پر جو ایک امتحان آیا تو

سات دروازوں پر قفل لگا دیئے گئے۔ اس گناہ سے بچنے کے لئے آپ دوڑے۔ عورت نے کہا دوڑتے کہاں ہو۔ دروازے مقفل ہیں فرمایا دوڑنا میرا کام ہے اور آگے اللہ تعالیٰ کا کام ہے تو قفل خود بخود کھلتے گئے۔

بسم اللہ سے گویا اللہ کی یاد ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے اللہ کی محبت پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت سے گویا اللہ تعالیٰ دل میں آجاتا ہے۔ دل کی ساخت کچھ اس طرح کی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ اسکی پیدائش اللہ تعالیٰ کی یاد کے لئے ہے 24 گھنٹے حرکت کرنے والی چیز انسان کے اعضاء میں سے صرف دل ہے اللہ تعالیٰ نے دل کو متحرک بنایا ہے اسکی حرکت بند ہوجائے تو موت واقع ہوتی ہے اور حرکت ہمیشہ بیقراری سے ہوتی ہے اور حرکت اس وقت ہوتی ہے جب ایک چیز اپنے اصلی مقام کو کھودے۔ پانی اگر بلندی پر ہے تو وہ پستی کی طرف حرکت کرے گا۔ جب وہ اپنی محبت کی جگہ پستی میں پہنچ جائے گا تو پھر اسکی حرکت ختم ہوجائے گی۔ اسے سکون ہوجائے گا معلوم ہوگیا کہ پانی کا اصل مقام نیچے ہے۔

ہوا کا مقام پانی سے اوپر ہے۔ بچہ جب ماں کی گود سے دور ہوتا ہے تو بیقرار ہوتا ہے۔ قلب جو چوبیس گھنٹے ہلتا ہے حرکت کرتا رہتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیقرار ہے یہ اصل مقام کو

نہیں پہنچا۔اس کا اصل مقام ذکراللہ ہے امریکہ کے صدر کو چین نہیں۔ تخت و تاج وغیرہ میں چین نہیں جتنا عہدہ بڑھے گا اتنی بے چینی بڑھے گی۔ اللہ تعالی نے انصاف کیا کہ کم مال والے کو کم بے چینی اور زیادہ مال والے کو زیادہ بے چینی دی۔ گدا کو رات کا کھانا مل جائے تو سکون سے رات بسر کرتا ہے۔ 1857میں دہلی میں انقلاب آیا تو جو زیادہ رئیس تھا وہ زیادہ بیقرار تھا چین واقع میں کسی کو حاصل نہیں صرف اللہ تعالی کی یاد سے اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے اللہ والے کے پاس کچھ نہ ہوگا۔ لیکن چین ہوگا۔ اور دنیا والے کے پاس سب کچھ ہوگا مگر چین نہو گا۔ دل کی چاہ یاد الہی ہے دل کے گھر کا اصل مالک خدا ہے گھر کے مالک کے آنے سے بے چینی دور ہوتی ہے انسان کوئی بھی عمل کرتا رہے کوئی فائدہ نہیں ہوتا جب تک کہ دل کا زنگ دور نہ کرے۔ آخرت میں معلوم ہو جائے گا کہ جو باتیں اللہ تعالی اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھیں وہ بالکل درست تھیں۔

جو دل اللہ تعالی کو یاد کرتا ہے وہ زندہ ہے اور جو یاد نہیں کرتا وہ مردہ ہے دل ایک گھر ہے اور اللہ تعالی کی یاد اسکی زندگی ہے اگر اللہ تعالی یاد نہو تو کوئی زندگی نہیں۔ زندگی کی تمام خوشیاں اللہ تعالی کی یاد سے ہیں۔

ایک بزرگ کے پاؤں میں زخم تھا جسکی وجہ سے کاٹنا

پڑا تو آپریشن کیلئے بیہوشی لازمی چیز ہے مگر آپ نے فرمایا میں اللہ کی یاد کرتا ہوں تم آپریشن کرلو۔ چنانچہ اسی طرح کیا گیا بعد میں اس کے دل کا معائنہ کیا گیا تو وہ اپنی پوری طاقت میں تھا۔ نتھورام نے حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی تھی تو اسے غازی عبدالحمیدؒ نے قتل کیا۔ اسی طرح غازی عبدالرشیدؒ غازی علم الدینؒ۔ غازی عبدالقیومؒ جب ان کی سزا کا وقت آیا تو ان کا وزن اصل وزن سے بڑھا ہوا تھا یہ ہے مؤمن کے ذکراللہ یعنی اللہ کی یاد کی دلیل۔ کہ قلب کو اسکی اپنی چاہت مل گئی۔

درس نمبر : ۱۲

24جنوری 1964ء

مقامِ ذِکرُ اللہ

قرآن پاک بسم اللہ سے شروع ہے ۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر جائز کام بسم اللہ سے شروع کرو۔ حضرت ابوھریرہؓ کی صحیح حدیث ہے کہ جو جائز کام بسم اللہ سے شروع نہ ہو وہ برکت سے خالی ہے۔ قرآن اور حدیث آنے کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قرآن نے مسلمانوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ مسلمان کی دنیا بھی دین بنے۔ تاکہ آخرت میں مسلمان کی نیکی کا ذخیرہ بڑھ جائے۔ دنیا کی چیزیں فانی ہیں اور آخرت کی سب باقی ہیں بسم اللہ کے ساتھ شروع کرنے سے دنیا کا کام بھی دین بن جائے۔ دین چونکہ باقی رہنے والا ہے اس لئے وہ آخرت کا ذخیرہ بن جائے گا۔ دنیا میں مسلمان کے ناجائز کام بہت کم ہیں خاص کر دیانتدار آدمی کے ناجائز کام تو بہت کم ہوتے ہیں تو بسم اللہ سے شروع کرنے کے بعد دنیا کا کام بھی دین بن جائے گا۔ اور آخرت کی نیکی میں درج ہو جائے گا۔ تو نمبر 1 دنیوی اعمال کو دین

بنانا۔ نمبر ۲ ذکر اللہ۔ اللہ چاہتا ہے کہ مسلمان دنیا کے دھندوں میں
لگ کر بھی میرا ہو اور یہ نہیں چاہتا کہ وہ ذکر اللہ سے غافل رہے۔
ذکر اللہ۔ کیا چیز ہے؟ بسم اللہ میں ذکر اللہ ہے
قرآن بھی ذکر اللہ ہے صٓ وَالقُرآنِ ذِی الذِّکر وہ قرآن جو سراپاء ذکر
ہے قرآن کی مجلس بھی مجلس ذکر ہے۔ یاد الٰہی یا ذکر اللہ کا اسلام میں
اور خدا کے ہاں کیا مقام ہے؟۔ انسان کسی چیز کو مصیبت سمجھے
ضروری نہیں کہ وہ مصیبت ہو۔ اللہ تعالیٰ جس کو بہتر سمجھے وہ بہتر
ہے اور جسے غلط سمجھے وہ غلط ہے۔ ذکر اللہ کی تین چیزیں شریعت
میں شامل ہیں۔ (۱) روحانی زندگی اور دینی زندگی کی حیوۃ ذکر اللہ
ہے۔ جانوروں کی طرح ڈھانچہ تو زندہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ذکر کے
بغیر فضیلت نہیں ہو سکتی۔ بخاری کی حدیث ہے مثال اس شخص کی
جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہو اور وہ جو اللہ تعالیٰ کو یاد نہ کرتا ہو۔ زندہ اور
مردہ کی مثال ہے۔ جو ذکر اللہ نہیں کرتا وہ مردہ ہے خواہ بہت ہی
کیوں نہ کھاتا پیتا ہو۔ کیوں نہ پانچ ہزار تنخواہ بھی پاتا ہو۔ اور بنگلے میں
رہتا ہو تو ذکر اللہ سے روحانی اور دینی زندگی ہے کائنات (زمین۔
آسمان۔ عرش) اور جو کچھ زمین پر ہے سب کی زندگی ذکر اللہ سے
وابستہ ہے۔ ایک شخص کی جان ایک جہان کی جان ہے اور شخص کی
جان روح ہے جب روح نکل جائے تو آدمی مردہ ہے۔ اسی طرح
پورے جہان کی بھی ایک روح ہے ایک شخصی موت و حیات

اور ایک عالمی موت و حیات ہے موت جہان قیامت ہے پورے جہان کی موت کا نام قیامت ہے اس مسئلہ کو بخاری اور مسلم کی حدیث نے حل کیا ہے۔

حدیث لاتقوم الساعۃ الخ جب تک زمین پر اللہ اللہ کا ذکر موجود ہوگا قیامت قائم نہو گی۔ مطلب یہ کہ جب تک ایک آدمی بھی اللہ اللہ کہنے والا زمین پر موجود ہو۔ معلوم ہوا ذکر اللہ جانِ جہان ہے یہ خالق جہان فرما رہا ہے۔ اور ذکراللہ میں بہت بڑی برکت ہے۔

دینی اور روحانی زندگی کے لئے بھی اور جہان کے وجود کے لئے بھی ذکراللہ جان ہے۔ آخری زندگی کیلئے جان بھی ذکراللہ ہے اس زندگی کو فناہ نہیں۔ اللہ بادشاہ ہے اسکی قدرتوں کی انتہا نہیں اور اس کے طریقوں کی بھی انتہا نہیں۔ اللہ تعالی کی قدرت غیر متناہی ہے۔ زندگی کی بقا کیلئے ایک چیز کا انتخاب کیا وہ ہوا ہے جس طرح پھیپھڑوں کے ذریعہ آمد و رفت ہو تو انسان زندہ ہے ہر جاندار کی زندگی سانس سے وابستہ ہے سانس کیا ہے وہ ہوا کا آنا جانا۔ سانس اور ہوا کی آمدورفت رک گئی تو آدمی مر گیا گویا ہر جاندار کو محتاج ہوا بنایا۔ ہوا بھی جہان فانی کی چیز ہے کیونکہ اس نے بھی مٹنا ہے انگیٹھی میں جب پھونکنی سے پھونک مارتے ہیں تو ارد گرد کا مقام آگ سے پر ہو جاتا ہے اس کارروائی سے ارد گرد کی ہوا

مٹ کر آگ بن گئی۔ پھونکنی سے جو آگ کا شعلہ نکلتا ہے وہ پاس والی ہوا آگ کی شکل اختیار کر لیتی ہے گویا ہوا مٹنے والی چیز ہے انسان کی اخروی زندگی کا مقام جنت ہے جو ابدی ہے اور اس کی زندگی کا معیار بھی فانی چیز نہیں بلکہ وہ بھی ابدی ہے۔ جنت میں زندگی کا دارومدار کس چیز پر ہو گا؟ یہ کسی یونیورسٹی سے معلوم نہیں ہو سکتا۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گفتہ گفتہ اللہ ہوتا ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث شریف ہے اِنَّ اَھلَ الجَنّۃِ یُلھمُونَ الذِکرَ کَمَا یُلھمُونَ النفسَ۔ جو چیز خدا تعالی کے کرم سے ہو وہ الہام کہلاتی ہے۔ سانس لینے میں کوئی بوجھ نہیں ہوتا اور سانس لینے کو کوئی کام نہیں سمجھتے بلکہ راحت ہوتی ہے اگر سانس میں گھٹن ہو تو تکلیف ہوتی ہے۔ سانس ہمارا ایک فطری معاملہ ہے۔ اس کے لینے میں دقت نہیں بلکہ راحت محسوس کرتے ہیں اور ہم سانس کو کسی کام میں بھی شمار نہیں کرتے۔ کام میں تو ناغہ بھی ہو سکتا ہے مگر سانس میں ناغہ نہیں ہوتا۔ یہ مسلسل اور بلاناغہ جاری ہے اور اس کا احساس تک بھی نہیں ہوتا کہ یہ کام ہو رہا ہے۔

جنت والوں کی زندگی کا مدار سانس کی بجائے اللہ تعالی کے ذکر پر ہو گا۔ جس طرح ہوا کے آنے جانے سے دنیا کی حیات ہے اس طرح لفظ اللہ کے آنے جانے سے جنت میں حیات ہو گی۔ ہوا فانی ہے تو دنیا کی زندگی بھی فانی۔ جنت کی زندگی کا مدار

اللہ تعالیٰ کے ذکر پر ہے جو مٹنے والا نہیں اور نہ ہی اسے زوال ہوگا۔ ذکراللہ کا مسئلہ تفصیل سے بیان نہیں ہوسکتا۔ دین سارا کا سارا ذکراللہ ہے دین کی جتنی عبادتیں ہیں وہ سب ذکراللہ کی شکلیں ہیں۔ نماز قائم کرو کہ وہ بے حیائی سے روکتی ہے وَلَذِکْرُاللّٰہِ اَکْبَرُ۔ اللہ تعالیٰ نے پوری نماز کو ذکر سے قائم کیا ہے۔ تمام عبادتوں کا مغز یاد الٰہی ہے روزہ۔ بڑی چیز ہے مسافر اور مریض کے ذکر میں بیان ہے روزہ اس لئے رکھا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو وَلِتُکَبِّرُوااللّٰہَ عَلٰی مَاھَدٰکُم۔ روزے کی ہدایت کی۔اللہ کا شکر اور اسکی کبریائی بیان کرو۔

حج۔ بھی بڑی اہم چیز ہے۔ حج کا مقصد بھی ایام معدودات میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔

قرآن۔ سب سے بڑی اہم چیز قرآن ہے صٓ وَالْقُرْآنِ ذِی الذِّکْر۔

بخاری شریف کی حدیث ہے کہ جہاں ذکر اللہ ہو وہاں فرشتے آجاتے ہیں اور وہاں سے لیکر آسمان تک سلسلہ بناتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے آگے رپورٹ پیش کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے تعداد فرشتہ گان تم گواہ ہو آج کی تاریخ سے میں نے ان سب کو بخش دیا۔

انفاق فی سبیل اللہ زکواۃ ہے۔ اس میں بھی ہے

لاتلھکم ۔۔۔ عَن ذِکرِاللہِ۔ مال بر تو یعنی استعمال کرو مگر ذکراللہ سے غفلت نہ کرو۔ زکواۃ کا ذکر بعد میں کیا۔ نماز۔ حج۔ روزہ۔ زکواۃ۔ قرآن کی روح ذکراللہ ہے حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس بھی ذکراللہ ہے آپ کو دیکھ کر اللہ یاد آجاتا ہے اللہ والے لوگوں کو دیکھ کر بھی اللہ یاد آجاتا ہے۔ اور جن کو دیکھ کر انگریز یاد آجائے ۔۔۔۔۔۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کو 1/2۔7 لاکھ احادیث حفظ تھیں۔ حضرت ابودرداءؓ کی روایت بیان کرتے ہیں حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو ارشاد فرمایا۔ تمہارے اعمال سے بہتر عمل بتلاؤں جو اللہ رب العلمین کے ہاں سب عملوں سے ارفع ہو۔ اور تمہیں وہ عمل نہ بتلاؤں جو جنت کے عملوں کو سب سے بلند کرنے والا ہے۔ اور تمہارے لئے بہتر ہو سونے اور چاندی کے انبار دینے سے۔ اور وہ عمل تمہارے لئے بہتر ہے کہ تم میدان جہاد میں کفار سے معرکہ آزماء ہو۔ کہ دشمنوں کے ساتھ لڑو۔ تم ان کی گردنیں مارو وہ تمہاری گردنیں ماریں۔ اس عمل سے بھی بہتر ہے وہ عمل نہ بتلاؤں ؟ فرمایا وہ ہے ذکراللہ جہاد میں جہاں گردنیں اڑ رہی ہوں۔ حکم ہے کہ اللہ کو یاد کرو تم کامیاب ہوجاؤ گے۔ وَاذکُرُوا اللہَ کَثِیرًا لعلکم تفلحُونَ۔ میدان جنگ میں بھی اللہ تعالی سے تعلق نہ توڑو۔ جب فرعون غرق ہو رہا تھا تو اس نے حضرت موسیٰؑ کو کہا۔ اے موسیٰؑ ہمارے لئے اللہ سے دعا کرو کہ یہ

مصیبت ٹل جائے ہم تجھ پر ایمان لے آئیں گے۔ خدا تعالیٰ نے تجھ سے دعا کی قبولیت کا وعدہ کر رکھا ہے۔ فرعون نے کالج کی ہوا نہ پائی تھی اس میں بھی اتنی بات موجود تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ فرعون بھی دعا کا قائل تھا اور سختی کے وقت اللہ والوں کے پاس جانے کا قائل تھا۔

مگر ہمارے آج کل کے کالج کے تعلیم یافتہ حکمرانوں کو نہ اللہ یاد ہے اور نہ اللہ والے۔ بس انہیں تو ایک امریکہ یاد ہے چنانچہ پنجاب میں جو سیلاب آیا ہے خدا کا نام نہیں کہ اللہ رب العلمین نے کرم فرمایا کہ عذاب ٹل گیا۔ نہیں بلکہ اخباری بیان ہیں کہ ہم نے فوج اور امریکہ کی امداد سے سیلاب پر قابو پالیا ہے۔ ایسی ذہنیت پر نہایت ہی افسوس ہے حالانکہ سیلاب لانے والا اللہ ہی ہے اور وہی ہی اس کو ٹال سکتا ہے۔

ذکر اللہ۔ جس طرح بدن اور جسم وغیرہ کی میل کو صابون سے دھو ڈالتے ہیں اسی طرح جان اور روح بھی میلی ہو جاتی ہے ذکر اللہ اس کے لئے روحانی صابن ہے۔ اور دوم چیز موت کو یاد کرنا ہے تمام مزوں کو فناہ کرنے والی چیز موت ہے اسے ہمیشہ یاد رکھو۔ کوئی خبر نہیں عمر کے کس حصہ میں آئے گی۔ درس القرآن بھی ذکر اللہ ہے۔ سیرت کی ایک کتاب ہے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم جو اللہ کا ذکر کرتے اس میں اس کا لب لباب اور خلاصہ یہ ہے

کہ حضرت عبداللہ نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ میرے لئے شرعی احکام کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے مجھے دین کا خلاصہ فرما دیویں۔ آپ نے فرمایا تیری زبان ہمیشہ ذکراللہ سے تر ہونی چاہیئے۔ تو حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر اذکار کا خلاصہ یہ ہے۔

(1) سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ، لاحول ولاقوۃ الا باللہ، یہ ہر ایک سو بار

(2) قل ھواللہ احد مکمل سورۃ دو سو بار

(3) حسبی اللہ سو بار

(4) استغفراللہ جسکی مختلف تعداد بیان ہوئی ہیں، 313 بار بہتر ہے۔

(5) درود شریف سو بار بہتر درود شریف وہ ہے جو صاحب درود نے خود بتلایا ہے۔ جو درود شریف نماز میں پڑھا جاتا ہے وہ افضل ہے۔

(6) اللہ الصمد پانچ صد بار

(7) یاحی، یاقیوم، پانچ صد بار

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ اس پر ہمیشہ عمل کرتے رہے۔

درس نمبر: ۱۴
26 جنوری 1964ء

ذکرُ اللہ کے فوائد

گذشتہ درس میں بسم اللہ کے متعلق بیان ہوا تھا کہ
صحیح مسلم کی حدیث ہے کہ یہاں دنیا میں زندگی کا دارومدار سانس اور ہوا کے لینے پر ہے اور آخرت کی زندگی کا مدار ذکراللہ پر ہے جنت والوں کی خوشی اور زندگی اللہ کی یاد پر مبنی ہے اور دوزخ والوں کی بے قراری کس چیز پر مبنی ہے؟ اہل ایمان یاد الٰہی کے موافق ہیں اور کفار یاد الٰہی کے خلاف چلتے ہیں۔ آخرت کی ایک عجیب صفت ہے اس کی شان یہ ہے کہ جو چیز آخرت میں پہنچی اگرچہ وہ فانی یا مٹنے والی ہے مگر آخرت اسے دوام بخشتی ہے۔
یاد الٰہی کا اثر انتہائی خوشی ہے جو جنت کی صورت میں ہے اور یاد الٰہی کی مخالفت کا اثر انتہائی غم اور مصیبت ہے جو دوزخ کی صورت میں ہے۔ دنیا کی مصیبت یہ ہے کہ پانی نہ ملے۔ کھانا نہ ملے۔ نیند نہ ملے۔ یا دردو تکلیف ہو۔ یہ تمام چیزیں دوزخ میں ہونگی۔ جنت کی تمام آسودگیاں اور راحتیں یاد الٰہی کا نتیجہ ہیں

اور دوزخ کی تمام مصیبتیں یاد الٰہی کی مخالفت کا نتیجہ ہیں۔ جب آخرت میں دونوں کے نتیجے باصنداد ہونگے۔ جیسے فوٹو مین سیاہ رنگ کی چیز سیاہ اور سفید رنگ کی چیز سفید ہوتی ہے اسی طرح آخرت میں ایمان اور کفر آپس میں ضد ہیں۔ طاعت اور معصیت بھی ضد ہیں۔ جنت اور دوزخ بھی بالمقابل ہیں۔ ہر چیز کی مخالف ضد ہو گی۔ دن ہو گا تو رات ہو گی۔ گرمی ہو گی تو سردی بھی ہو گی۔ نر ہو گا تو مادہ بھی ہو گی۔ تندرستی ہو گی تو بیماری بھی ہو گی۔ راحت والوں کی شکل جنت کی صورت میں اور مصیبت والوں کی شکل دوزخ کی صورت میں موجود ہو گی۔

یاد الٰہی کے سلسلہ میں اصل چیز نتائج کے ساتھ آخرت میں ہو گی۔ دنیا میں بعض چیزیں صرف دنیا کیلئے ہیں اور بعض چیزیں دنیا میں آخرت کے متعلق ہیں ہر وہ چیز جس کا تعلق دنیا سے ہو دنیا کے ختم ہونےسے وہ چیز بھی ختم ہو جائے گی۔ اور جو چیزیں آخرت کے متعلق ہیں انہیں دوام ہو گا۔ روزانہ کم از کم ڈیڑھ لاکھ انسان فوت ہوتے ہیں جو دنیا میں مرا اسکی دنیا گئی۔ جزوی طور پر دنیا روزمرہ ختم ہو رہی ہے۔ اور کلی طور پر قیامت کے دن ختم ہو جائے گی۔

جو آدمی قبر میں جاتا ہے اس کے دنیوی علوم جن سے فائدہ اٹھاتا تھا وہ بھی ادھر رہ جائیں گے۔ دنیوی علوم کی حد قبر

تک ہے اور جو دین کا علم ہے وہ قبر سے آگے تک جائے گا بلکہ لازوال حد تک۔ روم کل یورپ کا نام تھا یورپ کے اکثر لوگ بے علم ہیں۔ خواہ وہ آسمان پر اڑ رہے ہیں وہ دنیا کی ظاہری چیز کا علم رکھتے ہیں۔ آخرت کا علم نہیں رکھتے۔

قرآن نے دنیا و آخرت کے دونوں علوم کا موازنہ کیا ہے۔ دنیا علم دین اور نیکی کما نیکی جگہ ہے موت کے ساتھ ہی آخرت میں پہنچنا ہو جاتا ہے۔ اس میں مسافت کتنی ہے فرمایا انڈے کی جھلی سے بھی زیادہ نزدیک ہے۔ جان پاؤں کی طرف سے کھینچی جاتی ہے جب سینے تک آتی ہے تو وہاں سے ایک آواز نکلتی ہے جب وہ کھینچ لیا تو بس آخرت میں پہنچ گیا۔ جان نکلنے کے بعد ہی آخرت شروع ہو جاتی ہے اور جو مرا اس کےلئے چھوٹی قیامت جب ہی آ جاتی ہے۔ آخرت میں اعمال کے نتائج کے علوم میں تو اضافہ ہو گا لیکن دین کے کاموں میں اضافہ نہیں ہو گا۔ مثلاً ایک شخص نے دس پارے حفظ کئے ہیں پھر مر گیا اور پانچ سو سال تک قبر میں پڑا رہا تو اس سے ایک آیت کا بھی اضافہ نہ ہو سکے گا۔ اسی طرح جو آدمی دس پاروں وغیرہ کا ترجمہ پڑھا ہوا ہو تو اس کے علم میں بھی اضافہ نہ ہو سکے گا۔ آخرت کمانے کے لئے نہیں ہے بلکہ جو کچھ آپ نے کمایا ہے اس کے ملنے کی جگہ ہے۔

حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہے قُل رَّبِّ

رِّزِدْنِیْ عِلْماً اے رب میرا علم زیادہ کر۔ اگر علم دین سے بڑھ کر کوئی اور چیز ہوتی تو اس کی دعا کا حکم کیا جاتا۔ مگر آپ کو علم کے اضافہ کی ہدایت کی گئی۔ قرآن علم دین ہے۔ حافظ شیرازی رحمتہ اللہ علیہ یہ اللہ والے لوگ تھے۔

شعر:۔

علم دین میں اضافے کا مقام صرف یہاں ہی ہے۔

آخرت کمانے کی جگہ نہیں۔ جو چیزیں اب معلوم نہیں وہ وہاں جا کر معلوم ہونگی۔ جس آدمی نے بمبئی نہ دیکھا ہو وہ اگر بمبئی چلا جائے تو جو چیزیں اسے نامعلوم تھیں وہ معلوم ہو جائیں گی۔ لیکن اس کے علم میں کوئی اضافہ نہ ہوگا۔ وہ اگر مڈل پاس تھا تو وہاں بھی مڈل ہی پاس ہو گا یہ نہیں کہ وہاں وہ بی اے پاس ہو جائے۔

حافظ شیرازی رحمتہ اللہ علیہ جب ایک دن بغداد کی مسجد میں آئے۔ انہوں نے مٹھی میں کوئی چیز چھپا رکھی ہے پوچھا گیا یہ کیا ہے۔ فرمایا رات خواب میں دیکھا ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ فوت ہوگئے ہیں۔ ہزار ہا فرشتوں کی جماعت ان کی روح مبارک کے ساتھ ہیں۔ ایک سجے ہوئے تخت پر امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کو بٹھا دیتے ہیں۔ اور انہیں کہا جاتا ہے کہ حدیث کا درس دو۔ فرشتوں نے ان پر جواہرات نچھاور کئے وہ میرے ہاتھ بھی آئے۔ آپ سے پہلے فوت شدہ علماء بھی درس میں موجود تھے۔

امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کا پڑھانا تھا علماء کا سننا تھا وہی آخرت میں نظر آیا۔

ذکراللہ یا یادِ الٰہی کے فوائد

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ذکراللہ کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے محبت اور انس پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے محبت اور الفت پیدا ہو جاتی ہے۔ جس سے محبت ہو انسان اسے بار بار یاد کرتا ہے۔ محبوب بار بار زبان پر آتا ہے اللہ تعالیٰ سے بڑا محبوب کون ہے! تمام محبوبات اس کے طفیل ہیں اور محبوب کا نام بار بار زبان پر آنا چاہیے۔

جو حضرات ذکراللہ میں مشغول ہیں ابتدا میں ان کے دل میں کچھ کثافت ہوتی ہے پھر مسلسل تین چلے ذکراللہ کرنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں مر جاؤں۔ حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ دل میں ذکر اللہ کے جو نتائج تھے۔ محبت کی حالت میں کمی ہوئی تو اپنے مرشد حضرت مہاجر مکی رحمتہ اللہ علیہ کو عریضہ تحریر کیا تو آپ نے فرمایا فلاں چیز چھوڑ دو اور فلاں چیز پڑھو۔ تو پھر انس و محبت کی وہ حالت ہوئی۔ ایسی کیفیت پیدا ہوئی کہ اسکی نظیر

نہیں ملتی۔ بہر حال ذکراللہ بہت بڑی دولت ہے۔

(2) دوسرا ثمرہ۔ تسہیل عوامل۔ ذکراللہ کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ خدا تعالی کے حکموں کو بجا لانے میں آسانی ہو جانا۔ بلکہ اس میں راحت محسوس ہوتی ہے بزرگوں کا مقولہ ہے کہ ایمان کی لذت اس وقت تک محسوس نہیں ہو سکتی جب تک کہ اسے گناہ پاخانہ کھانے سے برا نہ لگے۔ اور نیکی میں اسے حلوہ جیسی لذت حاصل ہو۔ محبوب کے حکم میں راحت و خوشی ہوتی ہے اس میں ناگواری نہیں ہوتی۔

(3) تیسرا ثمرہ تسہیل مصائب الدنیا۔ دنیا مصیبت کی جگہ ہے کہیں غمی کہیں تنگدستی۔ کہیں موت وغیرہ۔ دنیا کی ساخت ایسی ہے کہ اس میں مصیبت تو ضرور ہوگی اگر مصیبت کو برداشت کرنا آسان ہو جائے تو پھر دنیا شیریں ہو جاتی ہے ورنہ تلخ۔ اور تمام مصیبتوں کا علاج ذکراللہ ہے ذکراللہ سے جب محبت پیدا ہو جائے گی تو جو مصیبت ہم پر ڈالی جائے گی تو وہ محبوب ڈال رہا ہو گا اور محبوب کی ہر چیز میں دل خوشی محسوس کرتا ہے اور ہر چیز پیاری ہوتی ہے۔ محبوب کا مارنا کشمش کھانا ہوتا ہے ہر مصیبت اللہ تعالی کا فعل ہے مرض۔ فاقہ۔ بچے کی جان لینا وغیرہ یہ سب خدا تعالی کے کام ہیں تو جو اللہ تعالی سے تعلق رکھے وہ مغموم نہیں ہوتا۔ اور اللہ تعالی کی مصیبتوں کی حد نہیں۔ حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ ایک آدمی کے دو لڑکے اس شکل میں پیدا ہوئے کہ دونوں کی پشت پیوست تھی۔ جب بڑے ہوئے تو ایک رکوع کی حالت میں جھک کر دوسرے کو اٹھا لے جاتا۔ اس کے تھک جانے پر دوسرا اسی طرح کرتا۔ تو ایک اللہ والا ملا اس نے کہا کہ خدا کا شکر کرو۔ اس کے ہاں نعمتوں کی بھی حد نہیں اور مصیبتوں کی بھی حد نہیں۔ اس سے زیادہ تکلیف بھی دے سکتا ہے ایک نے کہا اس سے اور زیادہ کیا تکلیف ہو گی؟ آخر کار ان میں سے ایک کو موت آئی۔ اب اگر آپریشن کر کے جدا کرتے ہیں تو ڈاکٹر نے کہا کہ دوسرے کی موت بھی واقع ہوتی ہے پریشانی بڑھ گئی۔ مکھیاں آئیں۔ چیل کوے آئے۔ لاش میں عفونت پیدا ہو گئی۔ تو وہی بزرگ آئے اس سے توبہ کرائی۔ پھر دعا کی وہ میت الگ ہو کر نیچے آ گری۔ تو اللہ تعالیٰ کی مصیبتوں کی بھی حد نہیں۔ اور محبوب کی مصیبت مصیبت نہیں ہوتی۔ دنیا کی بھی یہی حالت ہے بچہ کی بے اعتدالی پر ماں باپ بھی پیٹتا ہے اور دشمن بھی۔ مگر دونوں میں بڑا فرق ہے۔ ماں باپ کی مار پیٹ میں تو راحت ہے اللہ تعالیٰ جب محبوب بن گیا تو وہ ایسی تکلیف نہیں دیتا جس میں نقصان ہو۔ دشمن کی مار مضر ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کے کام میں کوئی نہ کوئی فائدہ ہوتا ہے حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ تھے ان کا ایک بیٹا تھا جو تعلیم پوری کر چکا تھا اب ملازمت کی انتظار تھی۔

اتفاقاً سخت بیمار ہو گیا۔ انہوں نے حضرت رحمتہ اللہ علیہ کو خط لکھا کہ میرا بیٹا میری امیدوں کا آخری سہارا سخت بیمار ہے دعا فرما دیں۔ پہلے تو حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے ڈانٹ تحریر کی کہ آپ کو ابھی تک دنیا پر نظر ہے کہ بیٹے کو امیدوں کا سہارا لکھتے ہو۔ فرمایا بیٹے کی موت ہو یا کوئی اور مصیبت ہو یہ تصور رکھیں (1) کہ اللہ رب العلمین میرا اور میرے بیٹے کا مالک ہے وہ جو چاہے سو کرے۔ (2) وہ رحیم ہے۔ اللہ جو معاملہ کرے وہ رحمت ہے۔ (3) صفت حکیم ہے۔ اللہ جو معاملہ کرے وہ حکمت پر مبنی ہوتا ہے حکمت فائدہ کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہر کام حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ اگر تیرے بیٹے کی جان لے گا تو اس میں فائدہ ہو گا۔ خواہ آپ جانیں یا نہ جانیں۔ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کا جواب اس وقت پہنچا جب بیٹے کو دفنا کر آ رہے تھے۔ خلیفہ صاحب فرماتے تھے کہ مولانا رحمتہ اللہ علیہ کے خط آنے کے بعد وہ مصیبت و تکلیف ختم ہو گئی۔

بعض حضرات کو تو جوش محبت اتنا پیدا ہوا کہ وہ چاہتے جو مصیبت آسمان سے آئے وہ دشمن کی بجائے ہم پر آئے۔

شعر:۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

صحابہ کرامؓ بعض وقت موت کی دعا کرتے تھے کہ

اللہ کے ہاں جلدی پہنچ جائیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ تم اللہ کو نہیں دیکھ سکتے جب تک موت نہ آئے۔ تو صحابہ کرامؓ موت کی درخواست کرتے تو اس پر آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اللہ سے موت کی درخواست نہ کرے۔ یہ بندگی کی شان کے خلاف ہے۔ تم ہو کون جو اللہ کے کام میں دخل دیتے ہو۔ اگر کہنے کو جی چاہتا بھی ہے تو پھر یوں کہو کہ یا اللہ اگر زندگی میں میری بھلائی ہو تو زندگی بخشو اور اگر موت میں میری بھلائی ہو تو موت دی جائے۔ اگر دنیا کی تکلیف آجائے۔ مرض۔ فقر۔ تنگدستی۔ غریبی تو اس وجہ سے موت کی دعا مانگنا حرام ہے۔ ہاں دین کے فتنے سے بچنے کیلئے اگر موت کی دعا مانگی جائے تو وہ جائز ہے اگر دین بگڑنے کا خطرہ ہو تو موت کی دعا طلب ایمان ہے۔ حصن حصین میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے کہ یا اللہ اگر تو نے مصیبت ڈالنی ہے تو دین کی مصیبت نہ ہو۔

(4) چوتھا ثمرہ۔ النجاۃ من سوء الخاتمہ۔ برے خاتمہ سے بچنا۔ اگر موت کے وقت مومن ہوں گے تو آخرت میں مومن ہونگے۔ اگر خاتمہ کفر پر ہو تو آخرت میں کفر ہو گا۔ ابلیس کوشش کرتا ہے کہ مرتے وقت بگڑ جائے۔ یورپ میں مالداری کے باوجود خودکشی کے بہت زیادہ واقعات ہوتے ہیں۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں خاتمے کے اچھے اور برے ہونے پر باب باندھا

ہے۔

جب آدمی ذکر اللہ کرتا ہے تو اسے اللہ سے محبت ہو جاتی ہے اگر ذکر نہیں کرتا تو اللہ سے محبت نہیں ہوتی۔ نزع کے وقت خواہ آنکھ کی جھپک میں جان نکلے مگر اس سے بڑی تکلیف کوئی نہیں۔ تکلیف کا احساس روح کرتی ہے دیکھو اگر تلوار سے ہاتھ کٹے تو وہ پڑی تو ایک اعضاء پر ہے مگر روح کو کتنی تکلیف ہوتی ہے۔ حالانکہ ہاتھ کٹا ہے روح تو نہیں کٹی۔

جس وقت جان کنی ہوتی ہے فرشتہ روح کھینچتے ہیں۔ روح جب اپنی اصل گذر گاہ سے اکھڑے تو کتنی تکلیف ہو گی۔ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت علیؓ کا قول نقل کیا ہے فرمایا اگر ہزار پہلوان بیک وقت کسی پر تلوار چلائیں تو اس سے بھی زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔ اللہ تعالی مومن کو بیہوش کر دیتا ہے موت کی کارروائی پھر شروع ہوتی ہے۔ مومن پر یہ اللہ تعالی کی کرم نوازی ہے بیہوشی کی حالت ایمان کیوجہ سے ہوتی ہے۔ مومن کو اگر دوزخ میں ڈالا جائے گا تو اس پر بے ہوشی طاری ہو جائے گی۔ اور اسے تکلیف نہیں ہو گی۔ یہ اللہ کریم کی خاص کرم نوازی ہو گی۔ موت کے وقت شیطان یہ خیالات ڈالتا ہے کہ یہ ساری مصیبت موت لا رہی ہے۔ تو اس کا مقصد موت سے نفرت پیدا کرا کر ایمان سوخت کرنا ہے۔ لیکن جو ذکر اللہ کرتا ہو گا وہ تو کہے گا میں تو ادنی چیز چھوڑ رہا ہوں اور اعلیٰ

مقام پر جارہا ہوں۔ ذاکر تو کہتا ہے کہ میں تو فانی دنیا کی مصیبت کو چھوڑ کر بلند اور ابدی مقام پر جارہا ہوں۔ اے شیطان تو مجھے کیا دھوکا دے گا۔ تو ذکر اللہ کرنے والا ایمان پر مرتا ہے۔ اللہ تعالی سب کا خاتمہ ایمان پر کرے۔ آمین۔

درس نمبر: ۱۴
۱۵ رمضان المبارک ۱۹۶۴ء

اللہ تعالیٰ کے ثبوت کے دلائل

بسم اللہ کے بیان میں اسم کا بیان ہو چکا اب لفظ اللہ کا بیان شروع ہوتا ہے - پہلے میں لفظ اللہ کی تعریف کر دوں - ساری تعریف ہے کہ اللہ اس کو کہتے ہیں جس میں تمام کمالات پائے جائیں اور تمام نقص سے پاک ہو- لفظ اللہ میں استحقاق کے لحاظ سے یہ معنی بیک وقت پائے جاتے ہیں (۱) عبادت کہ اللہ اللہ کرنا عبادت ہے (۲) تسکین قلب جس طرح قرآن شریف میں آیا ہے اَلَا بِذِکْرِ اللہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ کہ ذکر اللہ سے قلب مطمئن ہوتا ہے (۳) حیرانی کہ یہ تمام کارکردگی دیکھنے کے بعد جب عقل سے اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات پر غور کریں تو عقل حیران رہ جاتی ہے۔

اللہ کے ثبوت کی چند بزرگوں کی دلیلیں دیتا ہوں نہ کہ فلسفی دلیلیں کیونکہ عوام کا مجمع ہے اور بزرگوں کی دلیلیں خیر و برکت والی ہوتی ہیں۔

برہانِ غرقی

سب سے قبل میں حضرت امام جعفر رحمتہ اللہ علیہ جو حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے استاد ہیں جن کی قبر مدینہ منورہ میں ہے ان سے ایک آدمی نے اللہ تعالیٰ کے ثبوت کی دلیل پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ سمندر میں آپ ایک کشتی پر سوار ہوں وہ کسی سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے ایک تختہ تمہارے ہاتھ میں رہ جائے پھر وہ تختہ بھی تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور تمہاری جان لبوں تک پہنچ جائے کیا اس وقت زندگی کی امید ہوتی ہے کہ نہیں! جواب دیا کہ امید تو ہوتی ہے۔تو فرمایا کہ یہ امید اس ذات سے ہوتی ہے جس کی تو دلیل پوچھ رہا ہے۔

(۲) برہان سفینی

حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے زمانہ میں ایک آدمی دہریہ ہو گیا یعنی خدا کا منکر ہو گیا تو حاکم وقت نے کہا کہ حضرت امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کا عام جلسہ کی صورت میں اس دہریہ کے ساتھ بحث کرائی جائے تو طرفین سے تاریخ مقرر کرائی گئی۔ بغداد کے درمیان دریاء دجلہ ہے۔ یعنی بغداد غربی اور شرقی، تو بحث کی جگہ بغداد شرقی مقرر کی گئی اور امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ بغداد غربی میں رہتے تھے تو وقت مقررہ سے امام صاحب کچھ دیر سے پہنچے تو دہریہ نے کہا کہ اسلام میں عہد شکنی بری بات ہے تو حضرت نے کہا کہ پہلے اس کا جواب دے دوں فرمایا کہ جب میں دریا پر آیا تو کوئی کشتی

موجود نہیں تھی دریا کی گہرائی کیوجہ سے میں معذور تھا تو ایک درخت خود کٹ گیا اور اس کے تختے بننے لگے اوپر سے میخیں آتی تھیں جو ان تختوں کو جوڑتی تھیں تو کچھ دیر میں وہ کشتی کی صورت میں بن کر میری طرف آ گئی میں اس میں بیٹھ گیا اور وہ چل پڑی اور دوسرے کنارے پر آ کر رکی جہاں میں نے جانا تھا تو دہریہ حاکم وقت کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا کہ اس پاگل سے مناظرہ کروں جو کہتا ہے کہ درخت خود بخود کٹ کر کشتی کی شکل بن گیا۔ تو حاکم نے کہا کہ اس کا جواب وہ خود دیں گے۔ فرمایا اگر اس میں بے وقوفی ہے تو بڑا پاگل تو تُو ہے کہ ایک کشتی کے متعلق تو کہتا ہے کہ صانع کے بغیر نہیں بن سکتی اور یہ جو نظام چل رہا ہے! یہ کسی صانع کے بغیر چل رہا ہے تو دہریہ مشرف باسلام ہوا۔

پہلے زمانہ میں کفر نرم تھا آج کا کفر سخت ہے کیونکہ قبل زمانہ کے کافر شکست کے بعد مسلمان ہو جاتے تھے اور آج کل کے شکست کے بعد بھی نہیں مانتے کہ اور ہمارا کوئی مباحثہ کریگا۔

(۳) برہان صوتی

امام مالک رحمتہ اللہ علیہ سے کسی شخص نے ثبوت پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ کتنے آدمی زندہ ہیں اور کتنے فوت ہو گئے ہیں کسی کی نہ تو صورت ملتی ہے اور نہ کسی کی آواز ملتی ہے اور نہ جانے کہ رب العزت کے ہاں کتنے نقوش ہیں معلوم ہوا کہ انسان ان سے

قاصر ہے کیونکہ کاریگر گرگابی بناتا ہے یا پیالے وغیرہ بناتا ہے تو پیالے سبھی ایک ہی صورت کے بنتے ہیں اور گرگابیوں کے نمبر نہ لگائے تو خلط ملط ہونے کا خدشہ ہے۔تو وہ ذات صرف اللہ تعالیٰ ہی ہیں جنہوں نے انسان کو اس طرح پیدا کیا ہے کہ نہ تو کسی کی صورت ملتی ہے اور نہ کسی کی آواز۔

(۴)۔ برہان توتی

(توت عربی زبان میں بھی شہتوت کو کہتے ہیں) امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے ثبوت کی دلیل پوچھی، فرمایا کہ توت کے پتے گائے کھائے تو پھوسی اگر بکری کھائے تو مینگنی اگر شہد کی مکھی کھائے تو شہد اگر ریشم کا کیڑا کھائے تو ریشم۔تو یہ صرف رب العزۃ کی قدرت ہے کہ ایک ہی چیز کے کھانے سے مختلف چیزیں نکلیں۔

(۵)۔ برہان بیضوی

حضرت امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے ثبوت کے متعلق۔ سوال کیا آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انسان سے انسان حیوان سے حیوان پیدا فرماتے ہیں اور مرغی کو انڈے سے پیدا فرماتے ہیں یہ کام اللہ تعالیٰ نے اس لئے کئے ہیں کہ بندہ شریک نہوسکے، بچہ چاہے انسان یا حیوان کے پیٹ میں ہو نہ وقت

مقررہ سے قبل باہر آسکتا ہے۔ اور نہ اندر رہ سکتا ہے۔ اگر اس طرح اندر یا باہر وقت مقررہ سے قبل آجائے تو مر جائے گا مرغی کا انڈہ بچہ کیلئے فولاد کا پہاڑ ہے تو وقت مقررہ پر دنیا کے فلاسفر کان لگا کر بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ وقت مقررہ ہے اور مرغی نہ تو پرائمری پاس ہے نہ ایم۔اے وغیرہ تو جب وقت مقررہ آئے تو مرغی اسی وقت چونچیں مار کر بچہ کو نکال لیتی ہے۔تو یہ بات اس کے دل میں رب العزۃ ڈالتے ہیں کہ یہ وقت مقررہ ہے تو تب مرغی چونچیں مار کر بچہ نکال لیتی ہے جب بچہ نکل آئے تو کوئی بستر وغیرہ نہیں تو رب العزۃ مرغی کے دل میں یہ بات ڈال دیتے ہیں کہ اپنے پروں کو ان پر ڈال دے تو جب بچہ جوان ہو جاتا ہے تو مارتی ہے کہ اب اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جاؤ۔ کیونکہ اب دوسرے بچوں کا وقت آگیا ہے۔

(٦) برہان نباتی

حضرت شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے اللہ تعالیٰ کے ثبوت میں دلیل پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ ایک بزرگ کے فرمان کے مطابق وہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ اور حضور علیہ السلام اکرم تشریف فرما ہیں تو آسمان سے فرشتے نوری تھالوں میں نوری میوہ جات لاکر شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ کو دے رہے ہیں تو اس وقت شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ یہ اشعار پڑھ

رہے ہیں۔

بلغ العلیٰ بکمالہ　　کشف الدجیٰ بجمالہ

حسنت جمیع خصالہ　　صلوا علیہ و آلہ

تو میں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسولَ اللہ آپکی موجودگی میں بھی یہ انعام شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ پر۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سعدؔی نے جتنے اشعار لکھے ہیں ان سب میں سے اللہ کو صرف ایک شعر پسند ہے۔

برگِ درختانِ سبز در نظر ہوشیار
ہر ورق دفتر ایست معرفت پروردگار

درس نمبر: ۱۵

یکم مارچ ۱۹۶۴ء

بُرہانِ حُبّی

آج میں اللہ تعالیٰ کے ہستی اور ثبوت کے سلسلہ میں ساتویں دلیل برہان حبّی پیش کرتا ہوں۔

برہان حبی

برہان حبّی یعنی محبت والی دلیل۔ محبت اصل میں ایک تعلق کا نام ہے محبت اس باطنی اور قلبی کا نام ہے جس سے محبوب کی طرف کشش ہو محبت کے لئے ایک قاعدہ ہے کہ محبت موجود اور محسوس چیز ہوتی ہے یعنی ایک چیز موجود بھی اور محسوس بھی ہے موجود مثلاً اس چیز کو آنکھ بھی دیکھے۔ مال موجود بھی ہے۔ نظر بھی آتا ہے اولاد کے ساتھ محبت اولاد موجود بھی ہے اور نظر بھی آتی ہے۔ یا ایک انسان کے ساتھ محبت ہو تو وہ بھی موجود ہے اور نظر بھی آتا ہے دنیا میں عام محبت اسی طرح ہے جو چیز نظر بھی آتی ہے اور موجود بھی ہے۔ یہ تو محبت کی عام قسم ہے۔ دوسری قسم

محبت کی یہ ہے کہ کسی وقت میں موجود ہو اور کسی وقت میں محسوس ہو اور محبت کے وقت نہ موجود اور نہ محسوس مثلاً ہم امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ محبت رکھتے ہیں جو کسی وقت میں تو موجود بھی اور محسوس بھی تھے مگر اس وقت نہ موجود ہیں نہ محسوس مگر ہمیں ان سے محبت ہے۔

تیسری قسم محبت کی یہ ہے کہ چیز نہ تو کسی وقت موجود ہو۔ اور نہ کسی وقت محسوس ہو تو اس چیز سے تو قطعاً محبت نہیں ہو سکتی کیونکہ سو سال سے جو انسان گزرے ہیں۔ ان سے محبت نہیں اور جو بعد میں آئیں گے ان سے بھی نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ محبت کے لئے وجود ضروری ہے۔

مثلاً محبت کشش کا نام ہے اور اس کیلئے کوئی کھینچنے والا چاہیے اور جو موجود نہ ہو وہ کیا کشش کریگی۔ تو اب اس قاعدہ کے مطابق کہ کوئی معدوم چیز کشش نہیں بن سکتی دوسری بات یہ ہے کہ جب وجود دائمی ہو تو محبت بھی دائمی ورنہ محبت بھی دائمی نہ ہو گی مثلاً پنجاب کے مشہور بزرگ گزرے ہیں۔ داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ جن کا نام حضرت علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ ہے ان سے محبت تب پیدا ہوئی جب ان کی پیدائش ہوئی اور جب بزرگی پائی تو یہ محبت دائمی نہیں۔ مگر جب سے انسان آیا پیدا ہوا اور آئندہ زمانہ تک انسانوں کے دلوں میں محبت اللہ تعالیٰ کی رہی ہے اور رہے گی یعنی

محبت اللہ کے ساتھ اب بھی پہلے بھی اور آئندہ بھی موجود رہے گی۔
اور محبت کا معنی ہے دلوں کو کھینچنے والی اگر رب العزۃ نہوں تو
انسانوں کے دلوں کا کھینچنا بھی نہ ہو مثلاً مشہور ہے کہ مقناطیس
ایک پتھر ہے جو لوہے کو کھینچتا ہے۔ سلطان محمود غزنوی کے
وقت جب مندر فتح کیا گیا تو کمرہ میں ایک ایسا بت پایا گیا جو
درمیان میں بغیر کسی سہارا کے لٹکا ہوا تھا بالکل اس طرح جس طرح
پرندہ ہوا میں لٹکا ہوا ہو سلطان حیران ہو گیا۔ ہندوؤں کے لئے تو یہ
وجہ معبودیت تھی تو لشکر میں علما و مفکرین شامل تھے تو مشورہ دیا گیا
کہ دیواروں کو کھودو تو مقناطیس کے گرنے سے بت بھی گر گیا
تعمیر کرنے والے معمار نے کمرہ کی چار دیواروں کو یکساں تعمیر کیا
پھر اس میں مقناطیس لگا کر عین درمیان میں لوہے کا بت لٹکا دیا تو
یکساں کشش کی وجہ سے بت درمیان میں رہ گیا۔یعنی بات یہ ہے کہ
کشش کیلئے کوئی وجود ضروری ہے۔ جس طرح کہرباء ایک زردی اور
سرخی مائل پتھر ہے جو گھاس کو کھینچتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کشش
وہاں ہوتی ہے جہاں کوئی عامل موجود ہو ابتدا عالم سے لے کر اب
تک اللہ کی محبت ہر ایک کے دل میں موجود ہے مگر کسی کے دل
میں نیک محبت اور کسی کے دل میں بری محبت مگر دراصل محبت کا
ہر ایک کو اقرار ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ محبوب کبھی معدوم
نہیں ہوتا اور اللہ ہر ایک کا محبوب اور ہر وقت موجود ہے اگر رب

العزۃ موجود نہو تو لوگوں کے دلوں میں کشش نہو۔ تو یہاں یہ سوال پیدا ہوگا کہ یورپ ممالک میں تو منکرین خدا پائے جاتے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق یورپ میں صرف ۳۶ ہزار افراد منکرین خدا ہیں تو ہر زمانہ میں خدا کے ماننے والے زیادہ اور منکرین خدا کم آرہے ہیں۔ جب زبان پر صفرا غالب آجائے تو زبان کو میٹھی چیز بھی کڑوی معلوم ہوتی ہے تو کیا وہ کڑوی ہوجاتی ہے؟ تو معلوم ہوگیا کہ واقع میں تو چیز درست ہے مگر دل میں مرض ہے۔ مگر اللہ کی محبت سب چیزوں پر غالب ہے آپ نے دیکھا کہ صحابہ کرامؓ نے مکہ معظمہ جیسے شہر سے محض اللہ کی محبت کیلئے ہجرت کی تو معلوم ہوا کہ کھتری اور بہتری کا فیصلہ اللہ تعالیٰ پر ہے نہ کہ شہر کی زینت پر، لندن اور امریکہ کی جو دنیاوی زینت ہے وہ مکہ معظمہ میں کہاں ہے؟ جو سامانِ آرائش یورپی ممالک میں پائے جاتے ہیں وہ مکہ میں نہیں۔ خود قرآن شریف نے فرمایا ہے کہ بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زینت پسند نہیں۔ جہاں بلڈنگ وغیرہ ہوں بلکہ سب شہروں سے بہتر اللہ کے نزدیک مکہ معظمہ ہے

جو شہر ہوا تیری ولادت سے مشرف
تیری امت کا وہ اب تک کعبہ ہی رہا ہے

بعض بزرگوں کا قول ہے کہ عرش اور لوح محفوظ سے بھی

کعبۃ اللہ کا زیادہ مرتبہ ہے۔ یورپ ممالک خواہ کتنے ہی مزین ہوں اللہ کی محبت تو نہیں۔ تو ان پر تھوکنے کی ضرورت ہی نہیں۔ اتنا پیارا شہر صحابہ کرامؓ نے اللہ کی راہ پر قربان کیا۔ جب جنگ بدر کا موقع آیا تو گردنیں قربان کردیں جان سے اوپر کیا محبوب چیز ہے اولادیں۔ مال و جان اللہ کی راہ پر قربان کردیں۔ تو معلوم ہوا کہ اللہ کے ساتھ محبت کی۔ تو جو موجود چیزیں محبوب ہیں ان پر قربان کر دیں جو کہ موجود نہیں۔ بزرگانِ دین نے فرمایا ہے کہ محبت کا حقدار صرف اللہ تعالیٰ۔ ہیں۔

غرق عشق جنوں غرقست اندریں
عشق ہائے اولین و آخریں

برہان ذکری

برہان ذکری حقیقت میں ذکری دلیل محبت پر انسان کی دلیل ہے۔ جب کوئی چیز انسان کو محبوب ہو تو اس کا بار بار ذکر کرتا ہے۔ مثلاً بیٹا محبوب ہے تو اس کا ذکر بار بار زبان پر لائیگا مال ہو تو مال کا ذکر زبان پر لائے گا۔ اگر کسی سے عشق مجازی ہو تو اس کی تذکیر کریگا اتنی بات ہے کہ اگر محبوب ناقص تو زبان پر ذکر بھی ناقص۔ یہ ایک وجدانی دلیل ہے جس شخص کو اللہ تعالیٰ توفیق دے اس میں اللہ کا نام لینا پڑتا ہے۔ جیسے کان بیمار ہو تو سن نہیں سکتا۔ اگر آنکھ بیمار ہو تو دیکھ نہیں سکتی۔ اگر ہاتھ بیمار ہو تو کوئی چیز پکڑ

نہیں سکتا۔ اگر دل میں تاریکی ہو نور نہ ہو تو یہ ایک مرض ہے۔ لیکن جب یہ ذکر اللہ کرتا ہے تو وہ اپنے دل میں ایک عظیم قدرت محسوس کرتا ہے۔ جب یہ بات ہے کہ جس کے نام لینے میں یہ تاثیر ہو کہ اس کے نام لینے سے ایسی لذت آتی ہو کہ دنیا کی کسی چیز میں بھی لذت نہ آتی ہو۔ ایک بزرگ نے چاروں سلسلہ کے ذکر کئے ہوئے تھے تو مجھ سے ایک ذکر پوچھا میں نے بتا دیا اتفاقاً انہیں دنوں میں ان کی تازہ شادی ہوئی تھی۔ میں نے پوچھا کہ ذکر کر رہے ہیں کہا کہ دنیا میں سب سے بڑی لذت ہمبستری کی ہے۔ اگر ایسی لاکھ لذتیں جمع ہوں تو بھی ذکر اللہ سے کم ہیں تو یہ ہو سکتا ہے کہ معدوم چیز کے نام میں اتنا اثر ہو؟ ہرگز نہیں ہو سکتا اور وہ ذات صرف اللہ جلالہ ہیں جب اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے کیساتھ محبت ہو جاتی ہے تو کیا اس نے کسی کو مال دیا ہے یا کوئی مربع الاٹ کیا ہے یا کوئی اور دنیاوی فائدہ کیا ہے جس سے اللہ والوں کے ساتھ محبت پیدا ہوتی ہے۔ حالانکہ ان بزرگوں نے کسی کو کوئی چیز نہیں دی۔ متحدہ ہندوستان کے وقت میں میں امام ربانی کے مزار پر گیا تو ساتھ ہی کابل کے بادشاہوں کے مزار ہیں تو ایک آدمی نے بادشاہ کے مزار پر تو جوتا رکھ دیا اور امام ربانی کی مزار کی طرف جھک گیا۔ تو میں نے اللہ اللہ کیا اور کہا کہ دیکھو کابل اور غزنی سے چل کر امام ربانی کے در کی خاک کو تو سرمہ بنا رکھا ہے اور اپنے بادشاہوں کے مزار پر جوتا رکھدیا

تو یہ صرف ذکر اللہ کا اثر ہے تو جو اللہ کا بادشاہ ہے وہ قبروں میں بھی بادشاہ ہے اور لاکھوں لوگ ان کی زندگی کے وقت بھی اور بعد میں بھی عقیدت مند رہے ہیں یہ گویا برہان ذکری ہے۔

برہان شعوری

یادرکھو بیسویں صدی کے دور میں سائنس سے محبت والے علوم پڑھائے جاتے ہیں ۔ جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں ان کے پڑھانے اور تصنیف کرنے والے اللہ سے تعلق نہیں رکھتے ۔ اس لئے آج کل کے طالب علم اور اکثر لوگ منکر خدا ہوتے جا رہے ہیں قبل زمانہ میں جو کتابیں پڑھائی جاتی تھیں ان کے مصنف اور پڑھانے والے اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لئے ان کے پڑھانے میں برکتیں ہوا کرتی تھیں۔

اکبر مرحوم فرماتے ہیں :-

خدا کے باب میں بحثوں کی دھوم رہتی ہے
ہست میں شبہ نہیں چیز نا معلوم ہے
ہر ذرہ چمکتا ہے نور الہٰی سے
ہر سانس یہ کہتی ہے کہ ہم ہیں تو خدا بھی ہے

اقبال مرحوم نے فرمایا ہے کہ میں جب جرمنی گیا تو کسی نے پوچھا کہ خدا ہے کہ نہیں میں نے کہا :- یہ نہ پوچھ کہ خدا ہے کہ

نہیں بلکہ ہم ہیں کہ نہیں۔ تو یہ شعر فرمایا:

تو مے گوئی کہ من ہستم خدا نیست　　جہان آب و گل را انتہا نیست
ہنوز راز من کشود ست　　که چشم آنچہ بیند ہست
بزرگ آنچہ مقصود نگو ناز خیال نوشت　ہست در دیدہ مانند نظر پیدا نیست

تو عرش سے فرش تک سارا گولہ کیطرح سمجھو اسی طرح انسان کے گولہ کیطرح اللہ تعالیٰ بھی گولہ ہیں کہ موجود تو ہیں مگر نظر نہیں آتے۔امام غزالی فرماتے ہیں کہ اللہ کا وجود بحث کے قابل نہیں اس کا ہونا بدیہی ہے جو خدا کو بے دلیل نہ مانے وہ مریض ہے۔ ہر زمانے میں ایک چھوٹا گروہ منکر خدا رہا ہے نزول قرآن کے زمانہ میں بھی موجود تھا۔ اب میں فیصلہ کرتا ہوں کہ مومن کہتے ہیں کہ خدا ہے اور ملحد کہتے ہیں کہ خدا نہیں۔

جس طرح یورپ امریکہ نے کہا کہ خدا نہیں ممکن ہے کہ ہمارے ملک میں بھی کوئی کہتا ہو کہ خدا نہیں ہے۔ یہ کوئی قرضہ تو نہیں کہ ایک کہے کہ قرضہ دینا ہے اور دوسرا کہے کہ قرضہ نہیں دینا تو بس معاملہ ختم مومن کہتا ہے کہ خدا ہے ملحد کہتا ہے کہ خدا نہیں تو ملحد منکر خدا سے توجیہ تخلیق کائنات پوچھی جائے گی۔

یونان میں دیمقراطیس کہتے ہیں کہ دنیا میں چھوٹے انسان تھے بعض نے حرکت کی کہ انسان بن گئے بعض حرکت کی آسمان چاند ستارے وغیرہ بن گئے موجودہ دور میں یورپ کے ترقی کے زمانہ میں (۱) چیز یہ ہے کہ جن کو جہاں کا ملبہ کہتے ہیں وہ مادہ زمانہ میں

برقپارے کہلاتا ہے۔ یعنی کہ بجلی یہ ایٹمی تجربہ کی رو سے آسمان و زمین ومافیہا چیزیں ختم ہوں گی تو برقپارے ہوں گے۔ (۱) برقپارے (۲) دیمراقیطس اس کے آگے انسان کی روشنی اور نور ہے تو ایک منزل قرآن کی باقی ہے کہ اقرار کرے کہ آخری نور اللہ کا ہے۔ کسی یورپ والے نے سوال کیا کہ مسلمان تو تنگ نظر ہوتا ہے مسلمان نے کہا کہ آپکی انتہا نظر دنیا کے ختم تک ہے اور ہماری نظر وہاں سے شروع ہوتی ہے یہ کیا کہ بسکٹ کیک کھا لینے پر اکتفا کر لیا ہماری نظر تو عالم اخروی کی طرف ہے۔

فرنگ سے بہت آگے ہے منزل مومن قدم کشائے مقام انتہائے رانیست

ہم کیا کہیں احباب کیا کارنمایاں کر گئے
بی۔ اے ہوئے پنشن ملی مر گئے

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اگر خدا کی ہستی کا مسئلہ اگر مومن اور ملحد کی عقل کی عدالت میں پیش ہو تو یقیناً ڈگری مؤمن کو ملے گی خلاصہ کہ موجودہ کائنات مؤمن اور مسلم کیا کہتا ہے کہ کس طرح بنی۔

مؤمن یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالی تھے اور دنیا نہ تھی اللہ نے نقشہ مرتب کیا یہ گویا صورت علمی تھی جو پہلے دماغ میں سوچی جاتی ہے۔ پھر کاغذ پر نقش کی جاتی ہے جس طرح اللہ نے لوح میں نقشہ مرتب کیا اس کو صورت لوحی کہتے ہیں اس کے بعد اس ذات نے جو علیم ہے حکیم ہے قدیر ہے

کیا اس کو صورت لوحی کہتے ہیں اس کے بعد اس ذات نے جو علیم ہے حکیم ہے قدیر ہے عالم بالا وغیرہ کو نہایت محکم طریقہ سے بنایا یہ ہے مومن کی توجیہ مطلب یہ ہے کہ صورت علمی اور لوحی کے بعد خدا کے ماننے والے کہتے ہیں اور خدا کے منکرین نے صرف ایک بات کہی کہ ایک مادہ جس میں زندگی علم حکمت نہیں جس طرح برقپارے نہ علم نہ حکمت۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ دو مرد ایک مومن اور ایک ملحد ایک بیاباں میں چل پڑے دیکھتے ہیں کہ ایک عظیم الشان محل ہے جب اس محل میں داخل ہوئے تو دیکھتے ہیں کہ سب سامان موجود ہے مثلاً قالین برتن۔ چارپائیاں وغیرہ کوئی آدمی نہیں دونوں حیران ہو جاتے ہیں کہ یہ کیسے بنا تو ملحد توجیہہ بتاتا ہے کہ مٹی پانی میں مل گئی اور پانی مٹی میں اس مقدار میں مل گیا کہ گارا بن گیا۔ اینٹیں بن گئیں گویا ہر چیز خود بخود بن گئی مگر مومن نے کہا کہ نہیں یہ کسی معمار نے تعمیر کیا ہے جس نے قبل اس کا ذہن میں نقشہ بنایا ہو گا پھر کاغذ پر اتارا ہو گا پھر اس کی تعمیر کا کام شروع کیا ہو گا۔ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر مومن یہ تعریف کرے اور ملحد یہ تعریف کرے تو عقل کہے گا کہ ملحد بکواس مارتا ہے تو بڑے کارخانہ میں جو مومن توجیہہ کریگا کہ علیم و حکیم و قدیر ذات نے اسے تعمیر فرمایا ہے تو یہ توجیہہ صحیح ہے۔

درس نمبر: ۱۶
۶ مارچ ۱۹۶۴ء

جذبۂ محبّتِ الٰہی

اللہ تعالیٰ کی ذات کا مسئلہ انسان کی فطرت میں داخل ہے اور دل کی آواز ہے لیکن کبھی دل بھی بگڑ جاتا ہے۔ تو اس صورت میں دل اللہ کا انکار کرتا ہے۔ جس طرح صفراوی زبان کا ذائقہ کڑوا ہوتا ہے کہ تو جب کوئی چیز کھائے تو کڑوی محسوس ہوتی ہے۔ تو اس کا یہ معنی تو نہیں کہ چیز بھی کڑوی ہے۔ دراصل شئی تو میٹھی ہے۔ جس طرح زبان و دل کا بگڑ جانا فطرتی طور پر ہے۔ اسی طرح ایک خدا کا جذبہ و محبت بھی فطرتی طور پر موجود ہے۔ آپ دیکھیں کہ شکمِ مادر سے جب انسان پیدا ہوتا ہے۔ تو وہ جسمانی خواہشات کا جذبہ ساتھ لاتا ہے۔ مثلاً کھانا پینا وغیرہ اور جب بلوغ کو پہنچتا ہے تو بیوی کا جذبہ کرتا ہے۔ پیاس لگے تو پینے کا جذبہ بھوک لگے، تو کھانے کا جذبہ یہ جسمانی خواہش کا جذبہ ہے۔ لیکن ساتھ اللہ تعالیٰ سے محبت کا جذبہ بھی لاتا ہے۔ کسی جزیرہ میں جاؤ ان میں ایک خدا کا جذبہ ضرور ہو گا۔ کسی کے اندر جذبہ غلط استعمال ہو گا۔ کسی کے اندر صحیح استعمال ہو

گا۔ غرض یہ کہ ایک خدا کا جذبہ ہر ایک کے دل میں موجود ہے۔ مثلاً بت پرست بتوں کی محبت کرتے ہیں۔ عیسائی گرجوں میں، ہندو مندروں میں، مسلمان مسجدوں میں جس سے یہ معلوم ہوا کہ ایک کی محبت ہے۔ مگر کہیں صحیح کہیں غلط ہے۔ فطری محبت کے علاوہ ایک بڑی چیز مشاہدہ ہے۔ اگر دنیا میں ایک ایسا انسان موجود ہو جس کا ذہن ہر شئی سے خالی ہو تو اسے ایک میدان میں کھڑا کر دیں وہ نگاہ ڈالے کہ میرے پاؤں کے نیچے زمین ہے۔ اور زمین پر دریا بہہ رہے ہیں اور آسمان چاند کے علاوہ ستاروں سے مزین ہے۔ اور جب انسان دن میں کام کیوجہ سے تھک جاتا ہے تو اچانک رات کی صورت میں انقلاب آجاتا ہے۔ تو کائنات عالم کے مشاہدہ کے بعد آپ کا تاثر کیا ہے۔ جبکہ دنیا کی کم سے کم یعنی چھوٹی سے چھوٹی چیز کسی بنانیوالے کے بغیر نہیں بنتی مثلاً کرسی کسی بنانے والے کے بغیر نہیں بنتی جس طرح پیالہ، جوتا وغیرہ۔ تو اتنا بڑا کارخانہ جو گویا بے شمار حکمتوں پر مشتمل ہے۔ یہ خود بخود کس طرح بن گیا۔ ضرور اس کارخانے کو وجود دینے والی ایک ایسی ہستی ہے جو ہمیشہ موجود ہے۔ سائنس نے جو علم حاصل کیا ہے اس سے تو بیشتر کروڑوں اربوں حکمتیں موجود ہیں۔ اس مشاہدہ سے انسان مجبور ہو جاتا ہے۔ کہ ضرور کوئی ہستی موجود ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ فَاَقِمْ وَجْهَكَ الخ سیدھا رکھ اپنے منہ کو

سب سے کٹ کر صرف ایک رب کے ہو جاؤ۔ سورۃ روم میں رب العزۃ نے فرمایا ہے کہ فطرۃ اللہ الخ کہ رب العزۃ نے فرمایا ہے کہ میں نے انسان کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ اپنے رب کو پہچانے جو نہ پہچانے وہ انسان ہی نہیں۔ کوئی بزرگ اپنے وظیفہ میں مشغول تھے کہ ایک شخص نے پوچھا کہ حضرت اللہ کی ہستی کی دلیل فرماویں۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی دلیل پوچھتے ہو یہ تو بلا دلیل بات ثابت ہے۔ جب پانی ثابت ہے تو کہے کہ پانی موجود ہے یا آگ جل رہی ہے تو کیا اس کی دلیل کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اگر آپ باہر اللہ کی ذات کو نہیں دیکھتے تو میں ذکر بتاتا ہوں کہ دل کی کائنات میں رب العزت کی ذات کو دیکھو تو فرمایا کہ روزانہ ۵۰۰ مرتبہ لاالٰہ الا اللہ تلاوت کیا کرو چالیس دن کے بعد بتلانا۔ جب دن پورے کر لئے تو حضرت نے پوچھا کہ بتلاؤ خدا ہے؟ تو اس شخص نے کہا ہاں اللہ کی ذات موجود ہے۔ تو حضرت نے پوچھا کہ کس طرح معلوم ہوا کہا کہ دراصل میرے دل میں آگ کے شعلہ کی مانند چمک تو موجود تھی۔ مگر غفلت کی ڈھکن اس کو ڈھاپے ہوئی تھی۔ مثلاً چولہہ پر ہانڈی رکھی ہو تو معلوم نہیں ہوتا کہ آگ روشن ہے۔ کہ نہیں۔ اللہ کی یاد و محبت دل میں تو ہے۔ مگر غفلت کا ڈھکنا آیا ہوا ہے غفلت کا ڈھکنا ہٹ جائے تو خود بخود اللہ کی یاد و محبت چمکتی ہے۔

کہ یہ کیا چیز ہے کہ انسان اس پر ہر چیز قربان کرنے

پر تیار ہو جاتے ہیں اس لئے عارف نے کہا کہ:

این چیست بردلہا شب خون صد شہر

جب اللہ کی محبت کا جوش غالب آتا ہے تو سب چیزیں قربان کر کے اللہ کو راضی کرتا ہے۔ جس طرح صحابہ کرامؓ نے جان و مال و اولاد کو قربان کر کے رب العزۃ کو راضی کیا تو جس پر پوری کائنات قربان کرنے کے لئے تیار ہے تو کیا وہ کوئی چیز نہیں؟ نہیں وہ رب العزۃ کی ذات ہے۔

رحمٰن کی تفسیر

اب رحمٰن کے معنی و تفسیر بیان کرتا ہوں یعنی رحمت خداوندی کا بیان۔ رحمت خداوندی ایک ایسی چیز ہے۔ یا اللہ رحم کر۔ بہر حال رحمت خداوندی بڑی چیز ہے۔ اللہ کا نام جو معنی مخصوص میں ہے وہ کسی دوسرے پر نہیں بولا جاتا بعض اللہ کے نام اللہ کے لئے بولے جاتے ہیں اور بعض غیر کے لئے مگر معناً بہت فرق ہوتا ہے۔ تو من جملہ وہ الفاظ جو اللہ کے لئے مخصوص ہیں وہ تین ہیں۔ اللہ۔ رحمٰن۔ رحیم۔ نام رحیم غیر اللہ پر بھی اطلاق ہوتا ہے مگر معنی میں فرق ہوتا ہے جس سے شرک نہیں ہوتا قرآن پاک میں ہے۔ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ الخ مومنوں پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مہربان ہیں۔ لیکن رحیم کا لفظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اور معنی میں اور اللہ تعالیٰ پر اور معنی میں بولا جاتا ہے۔ یعنی کئی لحاظ سے فرق ہے۔ جب

ہم زمین کو دیکھتے ہیں کہ روشن ہے اور اسی وقت سورج کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ یہ روشن ہے یعنی دونوں کو روشن کہا گیا سورج کی روشنی نہ ہو تو زمین پر دھوپ نہ ہو گی۔ لیکن روشن دونوں کو کہیں گے مگر بڑا فرق ہے۔ سورج میں روشنی کامل ہے اور زمین میں ناقص روشنی ہے یعنی اگر دن میں روشنی ہے تو زمین میں بھی روشنی ہے۔

تو اللہ کی رحمت کا اور معنی اور رسول ﷺ کی رحمت کا اور معنی۔ اللہ کو اور رسول ﷺ کو رحیم کہا گیا مگر بہت فرق ہے مثلاً زمین و سورج کی روشنی درحقیقت یہ بحث آئے گی کہ کائنات میں جو رحمت کا اثر موجود ہے وہ اللہ کا اثر ہے۔ رحمت کے ۲ معنی ہیں۔

(۱) رحمت حیوانی جو انسان میں پائی جاتی ہے۔ جو انسان کو دوسرے پر رحم کرنے میں بے چین کر دیتی ہے مثلاً کسی انسان کے سامنے کوئی محتاج آیا بازو کٹے ہوئے ھیں۔ صدا لگائی تو آپ کے قلب پر اثر پڑا تو کچھ اسے دیدیا۔ رحمت انسانی میں خاص یہ ہے کہ غرض موجود ہوتی ہے اور بے چینی موجود ہوتی ہے۔ مگر رحمت خداوندی اس سے پاک ہے نہ کسی بے چینی کا نتیجہ ہے انسان چونکہ ناقص ہے تو نقصان کی وجہ سے رحمت کرتا ہے اور کوئی غرض نہ بھی ہو مگر دل کی بے چینی دور کرے اگر یہ نہ کروں تو بے چین رہوں گا۔ مثلاً اولاد پر مال وغیرہ کی شفقت سے دل کی پریشانی و بے چینی دور ہو جاتی ہے۔ اور کچھ غرض بھی نہ ہو تو ثواب آخرت تو مقصود ہے۔

لیکن اللہ کی رحمت کسی غرض کی محتاج نہیں۔ اس کی ذات کا تقاضا ہے کہ رحمت ہو اس کی رحمت کی چند قسمیں ہیں۔(۱) ابدان یعنی سر سے پاؤں تک جو جسم ہے اس کا ایک ایک جزاور ایک ایک حصہ اس کی رحمت ہے۔ یہ بے مانگے ملی ہے نہ کسی سے درخواست کی ہے نہ کوئی سفارش کی ہے پورا بدن رحمت ہے۔ اس کی رحمت کا اندازہ اس آدمی کو ہو سکتا ہے جو پہلے بینا ہو مگر بعد میں نابینا ہو جائے۔ اس سے آنکھ کی رحمت کے متعلق پوچھو تو کہے گا۔ کہ پوری کائنات آنکھ کے مقابلہ میں کچھ نہیں۔ ہم میں سے بہتوں کو یہ احساس نہیں کہ تندرستی نعمت ہے۔ مگر جب مرض لاحق ہوتا ہے تو اس وقت تندرستی کا علم ہوتا ہے۔ مثلاً اگر آنکھ کو تکلیف ہو تو کہتا ہے کہ اس جیسی اور کوئی تکلیف ہی نہیں۔ اسی طرح ناک، کان وغیرہ۔ بہرحال سر سے پاؤں تک ابدان رحمت ہی ہے۔ ۲ اولاد یہ بھی ایک رحمت ہے۔ بہت بادشاہ گزرے ہیں، وہ کہتے تھے کہ اگر کسی آدمی کے ذریعے بیٹا مل جائے تو تمام بادشاہی اس کے سپرد کر دوں لیکن اللہ نے سب کاموں کی کنجی اپنے پاس رکھی ہے جس کو چاہے نر و مادہ دیدے جس کو چاہے نر دیدے جس کو چاہے مادہ دیدے جس کو چاہے نہ دے گویا ہمارا وجود کروڑوں اربوں نعمتوں سے ملا کر بنایا گیا ہے۔ ابدان، اموال، اولاد، عزت، اقتدار یعنی حکومت رحمت عامہ کے ضمن میں پانچ چیزیں

ذکر ہیں ویسے دیکھا جائے تو پوری کائنات اوپر سے نیچے تک رحمت ہے گویا انسان اللہ کی رحمت میں غوطہ لگا رہا ہے۔ ان رحمتوں کا نام رحمت عامہ ہے۔ تفصیل کیلئے ہر انسان ہر شئی خواہ اللہ کے دشمن ہوں یا دوست سب شریک ہیں مثلاً شیطان اللہ کا دشمن ہے مگر اللہ نے اس کو جو سہولتیں ضرورت تھیں وہ دے رکھی ہیں۔ اسی طرح کافر، ہندو، وغیرہ انہیں بھی اللہ نے کثیر رحمتیں عطا فرمائی ہیں اور مسلمانوں کو جو وجود ملا ہے وہ بھی سب رحمت ہے۔ تو جب دشمن اور دوست برابر ہیں تو معلوم ہوا کہ یہ رحمت اہم نہیں بعض مسلمان کافر کی صحت و دولت کو دیکھ کر للچاتے ہیں حالانکہ انہیں یہ علم ہے کہ یہ رحمت عامہ ہے جس میں ہر ایک شریک ہے خواہ مسلم ہو خواہ کافر۔ اور آج کل کے کمزور مسلمان یورپ ممالک کے لوگوں کو دیکھ کر یہ کوشش کرتے ہیں کہ سب کچھ دیگر بھی یہی تہذیب و تمدن مل جائے یہ مسلمان کیلئے کتنی بد نصیبی ہے کہ اللہ نے تو مسلمان کیلئے رحمت خاص مخصوص کر رکھی ہے۔ مگر انسان اس کو ترک کر کے رحمت عامہ چاہتا ہے۔ یہ دنیاوی رحمتیں تو اللہ کے نزدیک کچھ بھی نہیں ماسوا ہمارے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ ہے بخاری و مسلم شریفین میں لو کان الدنیا اوکما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ پوری کائنات جو اللہ کی رحمت ہے اگر خدا کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی اس کی حیثیت ہوتی تو

کافر کو اس کی تکفیر کی وجہ سے پانی کا ایک گھونٹ بھی رب العزت عنایت نہ فرماتے۔ دیکھو ایک تو مچھر بذاتِ خود بہت چھوٹا پھر اس کے پر کے برابر بھی خالق کے نزدیک پوری کائنات کی کوئی اہمیت نہیں۔ مگر ہمارے لحاظ سے تو بہت بڑی چیز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بے قدری کے باوجود کفار کو بھی رحمت مل رہی ہے۔ یہ رحمت عامہ ہے جس میں یورپ وغیرہ سب شریک ہیں۔ اسکے بعد رحمت خاصہ ہے۔ اسکے کچھ اجزاء دنیا میں ہیں اور کچھ آخرت میں ملیں گے۔ رحمت خاصہ تین ہیں۔ ایمان، طاعت۔ جنت یہ کسی کافر کو نصیب نہیں سورۃ اعراف میں رب العزۃ کا قول ہے وَنَادیٰ اصحاب النار الخ کہ اہل نار یعنی کافر کہیں گے کہ جنت والو یہاں تو بلا کا عذاب ہے کچھ پانی یا پھل وغیرہ وہیں سے گرا دو مگر ان سب رحمتوں کی اللہ نے کافروں پر بندش فرمادی ہے۔ یہ ہے رحمت خاصہ جس کی رب العزۃ کے نزدیک قدرو منزلت ہے اور جو صرف مسلمان کے لئے مخصوص ہے۔

ایک بزرگ گزرے ہیں۔ حضرت عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ صاحب ان کو سات دن کا فاقہ تھا چلتے چلتے سہارنپور پہنچے تو قریب ایک باغ دیکھا جس میں پھل و بہت عمدہ عمارتیں تھیں اس میں داخل ہوگئے تاکہ وضوء کر کے نماز ادا کریں۔ تو شیطان نے خیال ڈالا کہ اے عبدالقدوس تو اللہ کا دوست ہے اور تجھے سات دن کا فاقہ

ہے مگر یہ باغ ایک ہندو کا ہے جو اللہ کا دشمن ہے۔ کہتے ہیں کہ اللہ دوستوں کو بچاتا ہے۔ شیطان یہ وسوسہ بار بار ذہن میں ڈال رہا ہے اور بزرگ کے دماغ کو چکرا رہا ہے۔ جب سجدہ میں گئے تو غائبی آواز آئی کہ اگر باغ وغیرہ منظور ہے تو وہ آپ کو دیدیتے ہیں اور ایمان ہندو کو دیدیتے ہیں۔ تو بزرگ نے عرض کی یا اللہ یہ تو سات دن کا فاقہ ہے سات سال کا فاقہ دے دو مگر ایمان ہندو کو نہ دو یعنی مجھ سے ایمان سلب نہ کرو یہ اللہ کی رحمت کی قدر ہے۔ جس طرح ہم روزانہ کہتے ہیں السلام علیکم نماز میں بھی کہتے ہیں یہ اللہ کی خاص رحمت ہے۔

درس نمبر: ۱۷
۸ مارچ ۱۹۶۴ء بروز اتوار

الرّحمٰن و الرّحیم میں فرق

رحیم سے قبل رحمٰن گزر چکا ہے رحمٰن کا معنی اللہ نے جو نعمتیں دنیا میں عنایت فرمائیں۔ اس لئے اس کو رحیم سے قبل لکھا کہ دنیا آخرت سے قبل ہے آخرت کی رحمتیں رحیمیت سے مل رہی ہیں دنیا غمکدہ ہے خوشی کی جگہ نہیں اسکو فناہ و زوال ہے اور آخرت کو بقا ہے مگر لوگ اس فناہ و زوال زندگی پر خوش ہیں اور خدا سے دل کا تعلق منقطع کر لیا ہے

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ دنیا اگر سونے کی ہوتی اور فانی ہوتی اور آخرت اگر مٹی کی ہوتی باقی ہوتی تو عقل مند انسان آخرت کو ترجیح دیتا حالانکہ معاملہ بالکل اس کے برعکس ہے دنیا مٹی کی ہے اور فانی ہے۔ آخرت سونے کی ہے اور باقی ہے باوجود اس بات کے کہ ہمیں دنیا کی تمام نعمتوں کا علم نہیں ۔ اللہ کی وسعت رحمت کو دیکھیں تو اللہ نے صرف نعمت پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ ساتھ خوبصورتی بھی عنایت فرمائی خود

نعمت کا مسئلہ دیکھو تو اللہ نے انسان کو نعمت بھی خوبصورت دی یعنی تمام مخلوقات سے اشرف المخلوقات بنایا کسی جانور چرند پرند وغیرہ کو انسان جیسی خوبصورت نعمتیں عنایت نہیں فرمائیں تو رحمٰن نے صرف نعمت نہیں دی بلکہ خوبصورتی بھی دی مثلاً نباتات کو دیکھو کہ کس طرح خوبصورت بنایا ہے۔

اگر خدا کی رحمت صرف حاجت روائی ہوتی تو انسان کیلئے صرف غلہ کافی تھا پھلوں کی کیا ضرورت تھی لیکن اناج کیساتھ اللہ نے پھل بھی عنایت فرمائے تاکہ لذت پیدا ہو جائے اور پھول دیکھو کہ اللہ تعالیٰ سے ان کی درخواست بھی نہیں کی گئی اور یہ نعمت بھی ملی یہ صرف خوبصورتی کے لئے ملی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمانیت نے تین چیزوں کو پیدا کیا انسان کے اندر خوبصورتی۔ حیوانات اور نباتات کے اندر خوبصورتی قرآن شریف میں ہے کہ انسان کیلئے چار قسم کے جانور ضروری ہیں بھینس گائے بکری وغیرہ گھوڑے کو اللہ نے انسان کی سواری کیلئے پیدا فرمایا پرندوں میں سے مور کو اتنا شرف ہے کہ ابھی تک اس کا پر قرآن شریف مین رکھا جاتا ہے یہ شرف صرف مور کو حاصل ہے۔ آدمی چڑیا گھر میں جائے تو خوبصورت پرندے دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔ کہ اللہ نے یہ کتنی خوبصورتی بخشی ہے یہ بھی صرف انسان کیلئے ہے۔ ان پرندوں میں سے جو حلال ہیں وہ تو انسان کھاتے ہیں اور جو حلال نہیں وہ آنکھ کی

خوبصورتی کے لئے تو ہیں۔

تو جس طرح حیوانات وغیرہ انسان کی ضرورت کیلئے پیدا فرمائے اور معدنیات میں بھی انسان کی ضرورت پوری فرمائی باوجود اس کے کہ انسانی ضرورت مختصر تھی یعنی صرف غلہ سے انسان کی خواہشات کافی تھیں لیکن خدا نے انسان کی خوبصورتی کا خیال رکھا، مثلاً معدنیات میں سے پٹرول، تیل، سونا چاندی وغیرہ انسان کے لئے میسر ہوتا ہے یہ صرف خوبصورتی کے لئے۔ یہ بھی کافی نہیں سمجھا اس کے علاوہ اللہ نے پہاڑوں کے شکم تہ میں ہر قسم کے جواہرات مزین فرمائے ہیں جو بہت بڑے بادشاہوں کے گھر کی عورتیں انہیں خوبصورتی کیلئے استعمال کرتی ہیں۔ آپ دیکھیں جس خدا نے ہماری خواہشات سے جو چیزیں زائد پیدا فرمائی ہیں وہ سب ہماری خوبصورتی کے لئے پیدا فرمائی ہیں۔ اس دنیا کی رحمت ایک بارش بھی ہے اگر یہ بارش والی نعمت اللہ تعالیٰ عنایت نہ فرماویں تو یہ دنیا خشک مٹی کا ڈھیر بن جائے۔ آپ اگر کہیں کہ ہمارے ہاں تو دریا نہریں وغیرہ ہیں یہ سب غلط ہے کیونکہ یہ دریا وغیرہ بھی بارش کی وجہ سے ہیں۔ اگر بارش نہو تو دریا بھی ختم ہو جائیں یہ بارش دریاؤں کیلئے منبع ہے۔ قرآن میں آیا ہے وَيَنشُرُ رَحْمَتَهُ کہ خدا وہ ذات ہے جو بارش کو پھیلاتا ہے بلکہ اب یہ تو معلوم ہو گیا کہ بارش خدا کی عظیم نعمت ہے اگر بارش کو اللہ نہ پھیلاتا بلکہ ایک جگہ

جمع فرماتا اور لوگوں کو کہتا کہ جاؤ اپنی ضرورت کے مطابق اٹھا لاؤ تو یہ انسان کیلئے کتنی دقت کا موجب بنتا نہیں اللہ نے حکم فرمایا کہ چلو اور انسانی ضروریات پوری کرو دیکھو گلگت وغیرہ سے دریا بہہ رہے ہیں اور کہاں تک فائدہ پہنچا رہے ہیں یہ سب انسان کی مشکل کے لئے کیا گیا ہے تاکہ انسان کو آسانی سے پانی میسر ہو اللہ نے حکم دیا کہ تیرا انسانی زندگی سے تعلق ہے اس لئے تو گھر گھر سفر کرتا رہے کہ انسان تجھ سے فائدہ اٹھائیں اور جو پانی انسانی زندگی کے لئے بے فائدہ اور ضرر رساں ہے اسے حکم فرمایا کہ تو اپنی جگہ مقیم رہ چلنے کی اجازت نہیں تاکہ انسان کو تکلیف نہ ہو وہ سمندر ہے۔ دیکھا کتنا بڑا پانی کا ذخیرہ ہے۔ مگر چلنے سے معزور ہے یہ سب خدا کی قدرت ہے۔

بہرحال یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی قدرت ہے کہ ایک ہے نعمت دوسری ہے نعمت رسائی دیکھو آپ جب لاہور سے کوئی چیز خریدتے ہیں تو اسے لانے میں کتنی اشیاء کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو اللہ نے یہ بہت بڑا انعام فرمایا تو اس کی رحمانیت نے صرف اتنا کام نہیں کیا کہ نعمت اور حسن عطا فرمایا بلکہ اس کی رسائی کا بھی انتظام فرمایا جس کی بہت ضرورت تھی۔ یہ تو اللہ کی رحمانیت کا بہت بڑا ذخیرہ ہے جس کی تفصیل کے لئے کافی عرصہ کی ضرورت ہے لیکن چند چیزیں بیان کرتا ہوں جن کی انسان کو ضرورت ہے

(۱) آگ ایسی انسان کو سخت ضرورت ہے۔ ایک تو آگ کی حیثیت اس طرح ہے کہ انسان کی حاجت کے وقت ضرورت ہے اگر ضرورت نہ ہو تو ضرر ہے مثلاً کھانا پکانا پکانے کے وقت تو ضرورت ہے مگر جب یہ شعلہ کپڑا وغیرہ کو لگ جائے تو اس وقت ضرر ہے تو اللہ صاحب حکمت ہے حکیم نے سمجھا کہ آگ کے شعلہ کی ضرورت ہے۔ مگر ہر وقت نہیں تو اللہ نے یہ انتظام فرمایا کہ ضرورت کے وقت ظاہر اور بلا ضرورت آگ کا شعلہ پوشیدہ فرمایا ہم یہ تو جانتے ہیں کہ لکڑی، کوئلہ وغیرہ کے اندر آگ موجود ہے مگر پوشیدہ ہے۔ تو ماچس کی امداد سے ظاہر ہو جاتی ہے اگر آگ موجود نہ ہوتی تو ماچس سے ظاہر نہ ہوتی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے نفع کے وقت ظاہر اور ضرر کے وقت پوشیدہ رکھا۔ (۲) پانی جس کی ہوا سے کم ضرورت ہے۔ اللہ نے پانی کو ہر ہر قدم پر پھیلایا تاکہ جہاں انسان ہو اس کی ضرورت کیلئے پانی ہو اس لئے جہاں بھی کھودو پانی کا ذخیرہ موجود ہے جو لازوال ہے۔

(۳) ہوا کی ضرورت یہ پانی کی ضرورت سے زیادہ ضرورت رکھتی ہے کیونکہ ہر وقت سانس لینا پڑتا ہے اور سانس بیداری میں بھی اور نیند کی حالت میں بھی لینا پڑتا ہے۔ اگر بیداری کے وقت کسی دوسری جگہ سے لینی پڑتی تو اس جگہ پہنچنے تک دم نکل جاتا لیکن اللہ نے کہا کہ سانس کا تعلق ناک منہ سے ہے جب جس وقت چاہو

سانس لو خواب کی حالت ہو یا بیداری کی حالت ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کو زیادہ عطا فرمایا جسکی زیادہ ضرورت تھی۔ آدمی تین چار مرتبہ کھانا کھاتا ہے تو آگ کی ضرورت کم، پانی اس سے زیادہ پیتا ہے اس کی ضرورت زیادہ تو آگ سے زیادہ عنایت فرمایا اور ہوا کا درجہ ان دونوں سے زیادہ ہے صوفیا کرام کا قول ہے کہ انسان ۲۴ گھنٹوں میں ۲۴ ہزار دفعہ سانس لیتا ہے۔ تو اس لئے صوفیا کرام نے دن میں ۲۴ ہزار مرتبہ لفظ اللہ کا ذکر فرمایا تاکہ ہر سانس جو کہ اللہ کی عظیم رحمت ہے شکر ادا ہو جائے۔ آگ کی ضرورت کم ہے وہ پیسوں سے نکل سکتی ہے اور پانی کی ضرورت زیادہ ہے اس کو زیادہ فرمایا تاکہ قیمت نہ لگے اس سے زیادہ ہوا کی ضرورت ہے اسے سب سے زیادہ کیا اس کے لئے اگر ڈپو کھلے ہوتے کہ راشن کارڈ لے گیا اور کچھ سانس خرید کرلایا تو اس میں کتنی دقت ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ نے اتنا انتظام فرمایا کہ جہاں جاؤ گاڑی ہو یا جہاز یا سفر سمندر جہاں کہیں بھی جاؤ ہوا آپ کے ساتھ ہے یہ ہے انسان پر اللہ کی نعمت رسائی۔ وَاِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا کہ اگر سب مل کر اللہ کی نعمتوں کو گنو تو بھی نہیں گن سکتے ابوالحسن خرقانی بہت جلیل القدر بزرگ گزرے ہیں فرماتے ہیں کہ انسان آج اس طرح ہو جائے جس طرح کل اسے خدا سے امید ہے تو یہ کتنی عظیم بات ہے۔ اور دوسرا قول فرمایا کہ نیک بندہ وہ ہے جو نیکی کرے اور اللہ سے

ڈرے اور بد بندہ وہ ہے جو برائی کرے اور خدا سے نہ ڈرے واقعی قرآن کا ترجمہ بھی یہی ہے جو بزرگان دین نے کیا ہے۔ تیسرا قول فرمایا کہ بھوکا پیٹ شیطان کا قید خانہ ہے اور بھرا پیٹ شیطان کا اکھاڑہ ہے۔ کیونکہ غریب آدمی پر شیطان کا داؤ چلنا مشکل ہے یورپ اور امریکہ کا پیٹ بھرا ہے تو وہ شیطان کا اکھاڑہ ہیں کیونکہ دو جنگیں عظیم گزر چکی ہیں اور رات دن جو یورپ ممالک وغیرہ اسلحہ تیار کر رہے ہیں۔ یہ شیطان اپنا اکھاڑہ تیار کر رہا ہے حضرت پیران پیر رحمتہ اللہ علیہ یہ ابوالحسن خرقانی کے مریدوں سے کے مرید ہیں فرمایا کہ سب سے روشن دل وہ ہے کہ جس کے دل میں خلق نہ ہو اور سب سے سیاہ دل وہ ہے جس کے دل میں خالق نہ ہو۔ یہ چند جملے ابوالحسن خرقانی رحمتہ اللہ علیہ کے ذکر کئے ہوئے ہیں۔ انسان کے اندرو باہر جو کچھ ہے وہ اللہ کی رحمت ہے جو کائنات میں دیکھتے ہیں یا کائنات کے باہر ہے یہ انسان کیلئے سب اللہ کی رحمتیں ہیں۔ یہ جو کچھ گزرا ہے اس کا تعلق رحمانیت سے ہے اور تیسرا درجہ رحیمیت کا ہے جس کا تعلق رحمت آخرت سے ہے چاہے یہاں ملے یا چاہے آخرت میں ملے بزرگان فرماتے ہیں کہ رحیمیت کے عمل یہاں ہیں اور ثمرہ وہاں ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ عمل و ثمر کی موسم ایک ہو مثلاً ہم لوگ گندم وغیرہ کا بیج بوتے ہیں تو بوتے ایک مہینہ میں ہیں اور اس کا ثمرہ یعنی جزا دوسری موسم میں ہوتا ہے

مثلاً آپ نے تعلیم تو پنجاب یونیورسٹی میں کی اور سفیر بنائے گئے کنیڈا وغیرہ میں یعنی عمل کہیں کیا اور ثمرہ کہیں ملا رحیمیت خداوندی کے تحت ۲ چیزیں ہیں (۱) ایمان (۲) طاعت بندگی یعنی ان عقیدوں پر یقین رکھنا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر پہنچائے ہیں مگر عمل کے کہیں مکمل نتائج ملتے ہیں کہیں معمولی خود آدمی جب پیاز کاشت کرتا ہے تو پیاز کی گھٹیا کچھ عرصہ بعد بنتی ہے۔ مگر پتی تو پہلے دن موجود ہوتی ہے مگر جب انسان کو ضرورت ہو تو پتی قبل از وقت کاٹتا ہے اور مکمل وقت پر پیاز کی گھٹیا کاٹتا ہے اسی طرح ایمان و طاعت کا ثمرہ کچھ تو یہیں ملیگا اور کچھ آگے چلکر ملے گا۔ جس کو ایمان نصیب ہو اس کی دنیا کی زندگی عمدہ ہو گی ورنہ دنیا کی زندگی مصیبتوں میں ہو گی یہی وجہ ہے کہ یورپی دور سے قبل دنیا غریب تھی اور عمدہ تھی۔ ابوداؤد شریف میں ہے کہ حضرت علیؓ ایک دن بہت بھوکے تھے۔ تو فرمایا کہ کوئی ذریعہ نہ تھا کہ بھوک دور کروں مدینہ سے باہر نکل کر ایک یہودی کا باغ تھا جب میں نے دیوار کے سوراخ سے جھانکا تو یہودی نے دیکھ لیا کہا کہ اے بدو! ملازمت کریگا۔ میں نے کہا ہاں یہ ہیں حضرت علیؓ شیر خدا تو اس باغ میں ایک کنواں تھا جس کے ڈول کو دس آدمی کھینچتے تھے۔ یہودی نے کہا کہ ایک ڈول کے بدلہ ایک کھجور دونگا۔ حضرتؓ علی اکیلے ڈول کھینچتے رہے اور یہودی ایک ڈول کے بدلہ میں ایک دانہ

دیتا رہا۔ جب دس دانہ ہو گئے تو حضرت علیؓ وہ دانے اٹھا کر چلے اور کہا کہ اب مجھے ملازمت کی ضرورت نہیں۔

آپ کو معلوم ہے کہ دور غربت میں ایک بھی خود کشی کا واقعہ نہیں گزرا۔ آپ تاریخ اٹھا کر دیکھیں تو آپکو خود کشی کا واقعہ کہیں نہ ملے گا مگر آج اس کے مقابلہ میں خود کشی کی وارداتیں روزانہ ہو رہی ہیں۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ امیر وہ ہے جس کا جوڑ اللہ سے ہو غریب وہ ہے جس کا تعلق اللہ سے کٹ جائے۔

ابو الحسن رحمتہ اللہ علیہ ایک بزرگ گزرے ہیں۔ ایک آدمی نے ان کو رقم کی ایک تھیلی پیش کی اور کہا کہ یہ لنگر میں شامل کر دو تاکہ غریبوں کی امداد ہو جائے۔ تو حضرت نے فرمایا کہ تیرے پاس اور مال بھی ہے اس نے کہا ہاں بہت مال ہے۔ پھر فرمایا تجھے مال کی خواہش ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ فرمایا کہ ہمیں خواہش نہیں اور تمہیں خواہش ہے اس لئے اس تھیلی کے تم ہم سے زیادہ مستحق ہو۔ یہ کہہ کر رقم کی تھیلی واپس کر دی۔

درس نمبر: ۱۸

۱۳ مارچ ۱۹۶۴ء

رحمتِ وَھبیّہ اور رحمتِ کَسبیّہ

رحمت کی ۲ قسمیں ہیں دنیا کی ہو یا آخرت کی (۱) وہبیہ (۲) کسبیہ، وہبیہ کہ وہ رحمتیں جو ہمارے نہ کرنے پر اللہ نے عنایت فرمائیں۔ کسبیہ کہ وہ رحمتیں جو ہماری کوشش پر ملیں۔ بسم اللہ میں رحمٰن کا لفظ قبل آیا ہے تو رحمانیت کے تحت دنیا کی وہ کونسی رحمت ہے جو اللہ نے نہ کرنے پر عنایت فرمائی گویا کل چار قسمیں بن گئیں دنیا کی وہبیہ و کسبیہ آخرت کی وہبیہ و کسبیہ۔ رحمت وہبیہ دنیاوی۔ کہ تخلیق فوائد زمین و آسمان و مافیہا تو یہ کوئی معمولی رحمت نہیں قبل تشریح ہو چکی ہے کہ سر سے لیکر پاؤں تک رحمت وہبیہ ہے یعنی بغیر عمل و فعل و مانگے کے عطا ہوئی ہے میں کہتا ہوں کہ بندہ خدا جب ہمارا وجود تک ہی نہ تھا مانگتے ہی کیا پھر یہ جو گرداگرد کارخانہ ہے مثلاً پیاس کے وقت پانی موجود۔ بھوک کے وقت کھانا موجود۔ سورج چاند ستارے غلہ وغیرہ سب رحمت وہبیہ ہے ہمارے بزرگوں میں سے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ گزرے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ اگر کائنات پر نظر ڈالیں تو تین چیزیں حاصل ہوتی ہیں ایک منعمِ انعام کرنے والا دوسرا منعم جس پر انعام کیا گیا تیسرا باقی سب نعمتِ خدا ہے۔

رحمت کسبیہ دنیاوی

یعنی جس میں ہمارے فعل کو تعلق ہو دراصل اس کا تعلق بھی اللہ کے ساتھ ہے۔ مثلاً دنیا کی زندگی کا گزران یہ رحمت کسبی ہے مثلاً زراعت اس میں ہمارے کسب کو تعلق ہے اگر زراعت ختم ہو جائے تو ایک سیکنڈ میں تمام دنیا یورپ وغیرہ ختم ہو جائیں اس میں انسان سب سے قبل عمدہ تخم حاصل کرتا ہے پھر ہل چلا کر نشیب و فراز درست کرتا ہے پھر وقتاً فوقتاً تخم ڈال کر پانی دینا پڑتا ہے پھر نگرانی پھر کٹائی پھر صفائی کرنی پڑتی ہے۔ یہاں اللہ کا قانون ہے کہ خرمن گندم بغیر عمل انسان کے خود فائدہ نہ دیگی تو معلوم ہوا کہ یہ مذکورہ بالا اشیا کے باوجود انسان کاشت نہ کرے تو وہ کتنا بے وقوف ہے۔اس کے علاوہ تجارت ملازمت و صنعت حرفت وغیرہ یہ سب رحمت کسبیہ دنیاوی ہے بہرحال یہ معلوم ہوا کہ گزرانِ زندگی کیلئے جتنے ذریعہ ہیں سب رحمت کسبیہ دنیاوی ہے۔جو وہبیہ ہے وہ وہبیہ اور جو کسبیہ ہے وہ بھی سو فیصد وہبیہ تاکہ انسان ناز نہ کرے کہ میں نے خود کما کر کھایا ہے حکمت کے لحاظ سے اللہ نے انسان کو فارغ نہیں رکھا۔ مثلاً زراعت وغیرہ سب اللہ بغیر مشقتِ

انسانی کے عنایت فرما سکتا ہے کسبیہ بھی سو فیصدی وہبیہ ہے مثلاً
زراعت آپ تب کریں گے جب تخم۔زمین۔پانی۔بیل۔وغیرہ تمام
لوازمات مہیا ہوں ان لوازمات کو کس ذات نے پیدا فرمایا!تو معلوم
ہوا کہ آغازِ سلسلہ سے تمام چیزیں اللہ نے پیدا فرمائی ہیں خود اللہ
نے انسانی جوڑا اپنی قدرت کاملہ سے پیدا فرمایا تو کسبی میں وہبیہ
شامل ہے۔زمین سے بغیر کاشتکار کے شئی اگتی نہیں اور اس میں
انسانی عمل ضروری ہے تو خود انسان رحمت وہبیہ ہے۔زمین کو
پانی سے سیراب کرتے ہو اور کاشت میں ہوا کا تعلق ہے اور دن
رات کا بھی تعلق ہے۔مثلاً اگر سارا دن ہو تو نباتات خشک ہو جائیں
اور اگر ساری رات ہو تو نمی رہ جائے۔اللہ نے ایسا انتظام فرمایا کہ
کچھ وقت گرمی کچھ سردی تاکہ درمیان میں اعتدال رہ جائے۔اصول
ہے کہ غیر داناء شئی میں دو متضاد حرکتیں جمع نہیں ہو سکتیں مثلاً
پتھر یہ غیر دانا شی ہے یہ صرف اوپر سے نیچے حرکت کر سکتا ہے اور
پانی یہ اونچی جگہ سے نیچے حرکت کر سکتا ہے مگر فلاسفر علم نباتات میں
حیران ہیں کہ یہ بھی غیر دانا شئی ہے مگر حرکتیں متضاد ہیں جڑ نیچے
شاخ اوپر تو اللہ نے یہ کام فرمایا کہ یہ اتنا بڑا درخت اگر گر پڑے تو
کتنا نقصان ہو گا تو مضبوطی کے لئے جڑ اور پھل کیلئے شاخ پیدا فرمائی
یہ نعمت ہم نے اللہ سے کوئی درخواست تو نہیں کی تھی۔خود اللہ
نے اپنی عنایت فرمائی ہے۔ایک بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں آسمان سے نورانی تھال بھرے ہوئے پیش ہو رہے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خصوصیت پوچھی آپ نے فرمایا کہ ویسے شیخ رحمتہ اللہ علیہ نے لاکھوں شعر بنائے ہیں صرف ایک شعر اللہ کو پسند آیا وہ یہ ہے۔

برگ درختان سبز در نظر ہو شیار
کہ ہر ورق دفتریست معرفت پروردگار

اور رحمت کسبیہ وہبیہ اس لحاظ سے ہیں کہ آپ دانہ زمین میں ڈالتے ہیں پوری کوشش کرتے ہیں پانی وغیرہ سب مکمل کرتے ہیں مگر کبھی غلہ وغیرہ اگتا ہی نہیں تو جب تک رب العزۃ حکم نہ فرمائیں نہیں اگتا تو معلوم ہوا کہ رحمت دنیا کی دو قسمیں ہیں وہبیہ، کسبیہ، جو کسبیہ ہے وہ سو فیصدی کسبیہ۔ رحمت آخرت میں بڑا فرق ہے۔ مثلاً رحمت دنیا مٹی کا ڈھیلہ ہے اور آخرت سونے کا ڈھیلا ہے قرآن میں بار بار فرمایا کہ رحمت دین سے دنیا کے علاوہ آخرت ملتی ہے رحمت آخرت بہتر اور پائدار ہے منصور عباسی نے ایک شاہی محل تعمیر کروایا جس کی عمارت پر ۲ کروڑ روپیہ خرچ ہوا جب مکمل ہو گیا تو شہر میں منادی کرائی کہ جو شخص اس میں نقص نکالے گا اس کو انعام ملے گا سب لوگ معائنہ کے لئے آئے بھلا اس زمانہ میں

جس عمارت پر ۲ کروڑ روپیہ خرچ ہو گیا نقص نکلتا لیکن ایک اللہ والے نے بادشاہ کو کہا کہ آپ ناراض نہ ہوں تو عرض کروں کہا کہ پہلا عیب یہ ہے کہ تم نہ ہو گے مکان رہے گا تو یہ وفادار نہیں جب آپ سفر آخرت کرو گے تو یہ ساتھ نہ دے گا۔ دوسرا عیب یہ ہے کہ تمہاری جگہ اگر آپ کا دشمن قبضہ کر لے تو اس کو اپنے اندر جگہ دے گا بادشاہ نے جب یہ نقص سنے تو پشیمان ہوا اور اللہ کے ساتھ تعلق شروع کر دیا۔ بہر حال معلوم ہوا کہ رحمت اُخرویہ بہت بڑی شئی ہے۔ رحمت آخرت کی دو قسمیں ہیں ایک وہبیہ ایک کسبیہ رحمت وہبیہ مثلاً (۱) قرآن شریف رسول اللہ (۲) عقل سلیم (۴) صحت بدن اگر اللہ کی طرف سے رسول ﷺ نہ تشریف لاتے تو یہ کس طرح معلوم ہوتا کہ اللہ کن کاموں سے راضی و ناراض ہے۔ تو گویا معلوم ہو گیا کہ دین کی باتیں بغیر بعثت حضور ﷺ کے معلوم نہ ہوتیں قرآن میں ہے سراجاً منیراً الخ حضور ﷺ دین کی باتوں کے لئے وہ چراغ ہیں جو ہر وقت روشن ہے قرآن میں سورۃ نوح میں سراجاً منیرا سورج کے لئے بھی کہا گیا ہے خود قرآن کو روشنی فرمایا ہے کہ اس کا اتباع کرو تو مطلب یہ ہے کہ کتاب و رسول نہ ہوتے تو سب چیزیں ختم ہو جاتیں۔ ہم نے قرآن و رسول اللہ ﷺ کی نہ کوشش کی نہ درخواست کی یہ اللہ تعالیٰ نے خود ہم پر عنایت فرمائی۔ اس دور میں یعنی پرویزیت کے دور میں جو کتاب یا

صاحب کتاب کے قولوں کو الگ تھلگ کرے گا وہ مسلمانوں کے لئے باعث ہلاکت بنے گا۔

تیسری رحمت عقل سلیم: اگر اللہ تعالیٰ عقل سلیم عطا نہ فرماتے تو بے عقل نہ قرآن نہ سنتہ وغیرہ سمجھتا تو قرآن و سنتہ کا سمجھنا عقل سلیم پر موقوف ہے۔ چہارم صحت بدن اگر یہ مذکورہ بالا قسمیں تو انسان کیلیے موجود ہوں مگر صحتِ بدن نہ ہو تو ان پر عمل کس طرح کریگا۔ مثلاً ادائیگی حج۔ زکوٰۃ۔ روزہ۔ وغیرہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ مسلم و بخاری میں ہے نِعمَتَانِ مَغبُونٌ فِیھِمَا۔ کہ دو نعمتیں اللہ کی ایسی ہیں کہ بہت لوگ دھوکے میں ہیں اور وقت ضائع کر رہے ہیں، مثلاً چینی پر کنٹرول ہو نہ ملے تو جو شخص وقت مقررہ پر نہ خریدے یا خریدے تو صحیح مگر کسی جانور کے سامنے پھینک دے فائدہ نہ حاصل کرے تو وہ کتنا بے وقوف ہے دو چیزیں یہ ہیں الصحت والفراغ۔ ایک تندرستی دوسری فراغت کہ آدمی اذان سنتا ہے مگر نماز نہیں ادا کرتا اور معلوم ہے کہ یہ وقت ہاتھ سے گیا لوٹے گا نہیں۔ بندہ خدا دنیا کی فرصت کا ایک ایک سیکنڈ اتنا قیمتی ہے کہ ساری دنیا اس کی قیمت نہیں مگر ہم اس سے غافل ہیں ایک بار لفظ اللہ کے تلاوت کرنے سے دنیا ومافیہا اس کے اجر کے برابر نہیں حضرت امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ حجامت بنوا رہے تھے مگر زبان لفظ اللہ کا ذکر فرما رہی تھی تو لب مبارک پر کچھ زخم ہو گیا حجام نے

عرض کی کہ حضرت ایک سیکنڈ تو زبان مبارک کو تھام لو فرمایا کہ تو زمانہ کو روک لے میں زبان روک لوں گا بندہ خدا یہ وقت حیاتی کا ثمرہ ہے اگر میں کچھ نہ کروں اور فارغ گزر جائے تو میں دنیا سے کیا حاصل کر جاؤں گا۔اور سلطان اورنگ زیب رحمتہ اللہ علیہ عالمگیر جن کی سلطنت بے شمار تھی ایک مرتبہ اپنے فرزند کو دورہ دکن کیلئے بھیجا مگر سلطان رحمتہ اللہ علیہ نے خفیہ پولیس ساتھ بھیج دی کہ شہزادہ نوجوان ہے شاید کہیں دنیا کے کاموں میں مشغول ہو کر اپنے فرائض ترک نہ کر دے تو شہزادہ شکار میں مشغول ہو گیا دیکھو شکار کوئی شرعاً منع نہیں اگر دنیاوی لحاظ سے دیکھا جاوے تو فائدہ ہے اگر نہ سہی تو ۱۵ روپیہ کے کارتوس استعمال ہوں تو ۴ یا ۵ کا مال تو حاصل ہوتا ہے اس کے مقابلہ میں سنیما کہ رقم بھی ضائع اور حاصل بھی نہیں الٹا گناہ۔ تو ایک جاسوس نے خط تحریر کیا کہ شہزادہ شکار میں مشغول ہے تو سلطان رحمتہ اللہ علیہ نے ایک خط تحریر فرمایا۔ لکھا کہ اے فرزند عزیز دنیا کی فرصت چنگاری کی چمک کے مثل ہے جو بجھے گی لیکن اس فرصت کی قیمت کی انتہا نہیں ان کو اس فائدوں میں لگاؤ جن کو زوال نہیں ان کاموں میں نہ لگاؤ جو عبث ہیں میں یہ شعر لکھ رہا ہوں اسے بار بار پڑھو تا کہ دل آخرت کی طرف متوجہ ہو۔

من نمے گویم زبان کن بالفکر سود باش

دیکھو جو علم پرانے زمانہ کے نیک بادشاہوں کے پاس تھا
آج وہ بڑے عالم پرہیز گار کے پاس نہیں۔ غالب رحمتہ اللہ علیہ
جب حالتِ نزع میں تھے تو کہا کہ۔

دم واپسیں ہے اللہ ہی اللہ

ہم تو مسلمان ہیں ہمیں چاہیئے کہ اس پشیمانی کے وقت سے
جبکہ پشیمانی توبہ اور نیک عمل کوئی فائدہ نہ دیگا قبل اپنی زندگی آخرت
کے کاموں میں لگائیں۔

درس نمبر: ۱۹
۱۵ مارچ ۱۹۶۴ء

کونسی رحمت زیادہ فائدہ مند ہے

آج میں رحمت دنیا و آخرت کا موازنہ۔ مقابلہ۔ اور کونسی رحمت زیادہ فائدہ مند ہے اور دونوں رحمتوں کے حاصل کرنے کی تدبیریں بیان کروں گا۔ موازنہ۔ قرآن، حدیث و بزرگان دین کا متفقہ فیصلہ ہے
کہ انسان کو دونوں رحمتیں جمع کرنی چاہییں لیکن آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی رحمت بہت ہیچ ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب دو چیزیں ہوں ایک میں فائدہ کم اور ایک میں زیادہ تو کوشش دونوں میں کرنی چاہیئے مگر جس میں زیادہ نفع ہو اس کی زیادہ کوشش کرنی چاہے۔ یعنی نفس پر اس کے حاصل کرنے میں زور دینا چاہیئے تو دنیا کے مقابلہ میں آخرت کی رحمت زیادہ نفع بخش ہے تو آخرت کی طرف زیادہ توجہ دینی چاہئیے

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰہِ وَ بِرَحْمَتِہٖ فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوْا

اللہ کی رحمت پر خوش رہو جو دنیا کی سب رحمتوں سے بہتر ہے۔

فرض کر لو کہ دین آخرت کی رحمت اور مال دنیا کی رحمت دونوں کا مقابلہ کیا جائے۔ تو فوائد کے لحاظ سے دنیا کی رحمت کم مثلاً تجارت میں کبھی نقصان کبھی فائدہ ہر وقت فائدہ نہیں ہوتا۔ اگر دس سال فائدہ اور ایک سال نقصان ہو گیا تو نقصان ہوا تو سہی چاہے کم یا کثیر۔ اسی طرح کاشت وغیرہ معلوم ہوا کہ اللہ نے مال کمانے کے ذرائع بنائے ہیں اور مال کے حاصل کرنے میں سو فیصد فائدہ یقینی نہیں کیونکہ اللہ نے یہ وعدہ نہیں فرمایا کہ تجارت میں ہر وقت فائدہ ہے۔ اس کے مقابلہ میں دین مثلاً حج وغیرہ کہ اللہ نے انکا یقینی فائدہ فرمایا ہے کہ آسمان زمین ٹل جائے مگر یہ نہیں ٹلے گا کیونکہ اللہ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیلاً۔ کہ اللہ سے کس کی بات سچی ہے۔ دنیا کی رحمت کا فائدہ کم۔ آخرت کی رحمت کا فائدہ زیادہ۔ اگر ہمیں ایک کام میں ایک ہزار منافع دوسرے میں ۱۰ ہزار تو ہم زیادہ منافع والے میں کوشش کریں گے۔

دین کے دو قسم کے نام ہیں ایک خود دیندار بننا دوسرا دوسرے کو تبلیغ کے ذریعہ دیندار بنانا اس سلسلہ میں جتنا وقت صرف ہو مثلاً دین کا اولین کام ہے نماز پڑھنا اور دوسرے کو تبلیغ

کرنا۔ آج سے دو دن پہلے کراچی کے تبلیغی اجتماع میں میں نے اپنے بیان میں یہ کہا کہ صاحبان آپ کا راستہ درست ہے مگر آپ یہ نہ کہا کریں کہ ہم صحابہ کرامؓ کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں۔ کیونکہ صحابہ کرامؓ نے کبھی ٹفن کیریئر اور بستر بند نہیں اٹھائے تھے وہ حضرات جب مدینہ طیبہ سے نکل کر گئے تو پھر لوٹ کر نہ آئے کسی کا مزار افریقہ میں اور کسی کا چین میں اور کسی کا برما وغیرہ میں ہے کیا انکی اولادیں نہ تھیں؟ یا ان کے کاروبار نہیں تھے؟ صحابہ کرامؓ کے خلوص کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ باقی یہ کہنا بھی غلط ہے کہ تبلیغ صرف یہی راستہ ہے۔ نہیں۔ جو حضرات مدارس میں پڑھا رہے ہیں وہ بھی تبلیغ ہے جو اپنے گھر میں کسی کو دین سمجھا دے وہ بھی تبلیغ ہے۔ جو مساجد میں درس دے وہ بھی تبلیغ ہے۔ جو دکان پر بیٹھ کر رزق حلال کمائے اور لوگوں کو دین سکھائے تو وہ بھی تبلیغ ہے اور جو کھیل کے میدان میں کسی کو دین کے مسائل سمجھا دے تو وہ بھی تبلیغ ہے اور یہ آپ کا طریقہ بھی تبلیغ ہے۔ جس کے پاس وقت ہو وہ ضرور وقت لگائے کامیابی کا راستہ ہے اور جس کے پاس وقت نہ ہو اسے مجبور نہ کیا جائے۔ اگر سارے تبلیغ میں نکل پڑیں تو پھر ضروریات زندگی کس طرح پوری ہو سکیں گی۔ جب میں نے یہ بیان ختم کیا تو ان کے امیر مولانا عبدالرحمن صاحب نے اعتراف کیا کہ یہ غلطی ہم میں تھی۔ اور دس روپے بھی دیئے کہ جو آپ کے دروس لکھتا ہو اسے دیدینا تاکہ وہ ان پیسوں سے کاغذ اور روشنائی خرید لے تاکہ میرا بھی ثواب میں حصہ شامل ہو جائے۔

اس وقت کی کمائی زیادہ نفع بخش ہے۔ دنیا کا وطن اصلی نہیں۔ بندہ خدا جہاں سے جانا ہو وہاں جی کیوں لگائیں؟ بادشاہ ہارون الرشید شکار کو گئے تو شکار کھیلتے ہوئے راستہ بھول گئے تو جنگل میں ایک درخت کے زیر حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما تھے ہارون الرشید نے پوچھا کہ شہر کا راستہ کون سا ہے فرمایا کہ یہ راستہ ہے جب بادشاہ کافی سفر کر گیا تو راستہ بجائے شہر کے قبرستان پر گیا بادشاہ حیران ہو گیا۔ لوگوں نے کہا کہ اس بوڑھے نے آپ کو دھوکہ دیا ہے تو واپسی پر حضرت اسی درخت کے زیرسایہ تشریف فرما تھے تو اس کے خادموں نے حضرت کو پیٹا پیٹنے کے بعد ہارون الرشید نے کہا کہ بوڑھے تُو نے دھوکہ کیوں دیا فرمایا کہ غلطی ہو گئی ہے۔ جب آپ نے شہر کا راستہ دریافت کیا تو اللہ نے دل میں یہ بات ڈالدی کہ شہر وہ ہے جہاں زیادہ رہنا ہو تو زیادہ عرصہ عالم برزخ میں گزارنا ہے اگر آپ کم عرصہ گزارنا چاہتے ہو تو یہ راستہ شہر کو جاتا ہے۔ میاں اگلے زمانے کے بادشاہ اللہ کے خوف سے ڈرتے تھے جب یہ بات سنی تو رو پڑے۔

نصیحت۔ تم اس فائدہ کیلئے کوشش کرو جو تم سے جدا نہ ہو وہ فائدہ آخرت کا۔ دنیا کے تمام فائدے موت کے بعد ختم ہو جائیں گے جو آدمی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی تبلیغ دوپہر سے قبل یا بعد صرف ایک حصہ میں کرے گا تو اس کی کمائی پوری دنیا

بھی کم ہے۔ موازنہ تو معلوم ہوا کہ اگر ہم رحمت دنیا و آخرت کا مقابلہ کریں تو رحمت دنیا کم اور رحمت آخرت زیادہ۔ دنیا کی رحمت میں تسلسل محنت، مشقت کی ضرورت اور آخرت میں محنت و مشقت کی ضرورت نہیں، مثلاً دنیا کی رحمت میں مسلسل محنت کی ضرورت ہوتی ہے قبل مال ہو پھر تجارت پھر مال کا بڑھانا پھر مال کا تحفظ پھر مال کو اکٹھا کرنا گویا سراسر تکلیف اس کے مقابلے میں دین کی ایک دفعہ کی کمائی ہوئی نعمت آخرت میں بغیر زوال کے جمع ہو گئی جس کی حفاظت وغیرہ کی کوئی تکلیف نہیں کرنی پڑتی۔

حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ ایک جلیل القدر بزرگ گزرے ہیں کسی نے کہا کہ حضرت تمام رات عبادت میں مشغول رہتے ہو ایک گھنٹہ تو سو جایا کریں فرمایا کہ اللہ نے قبر میں نیند کی جگہ بنائی ہے۔ جہاں سونے کے لئے وقفہ بہت ہے یہ تو کمانے کی جگہ ہے۔

بخاری شریف میں روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ظاہری موت کے وقت تکلیف تھی تو بی بی فاطمہ رضؓ نے دیکھ کر کہا کہ ہائے میرے باپ کی تکلیف۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ فاطمہ رضؓ یہ تیرے باپ کی آخری تکلیف ہے پھر نہیں آئے گی۔ اب تدبیر بتلاتا ہوں کہ دنیا کی رحمت مال وغیرہ آخرت کی رحمت جنت وغیرہ یہ حاصل کس طرح ہوتی ہیں۔ مال و جنت کی تدبیر ایک ہے وہ

تین اشیا تسلسل۔ محنت۔ مشقت آدمی مال کمائے یا جنتہ کمائے محنت وغیرہ کرنی پڑتی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ رحمت کسبی دنیا یا آخرت دونوں کو اللہ نے محنت وغیرہ کے ساتھ معلق کیا ہے تو جو آدمی کوشش نہ کرے وہ نکما آدمی رحمتوں سے محروم وَاَنْ لَّیسَ لِلاِنسَانِ اِلَّامَاسَعیٰ انسان جتنی کوشش کرے گا اتنا ملے گا۔ اگر بے کار رہیگا تو دونوں رحمتوں سے محروم ہوگا وَھَلْ تجزَونَ اِلَّامَا کُنتُم تَعمَلُونَ جو تم نے عمل کیا وہ ملے گا۔ تو معلوم ہوا کہ عمل حاصل کرنے کی تدبیر یہ ہے کہ جو دین و دنیا کمائے تو اس کے لئے بدن کی صحت ضروری چیز ہے۔ مثلاً اگر ٹانگ خراب ہے تو انسان عمل کرنے سے قاصر ہوتا ہے۔ اگر انسان عمل سے خالی ہو تو وہ بے کار اور زنگ آلود مشین کی مثال ہے دیکھو ایک مشین کچھ مدت نہ استعمال کی جائے۔ تو بوجہ حفاظت کے اسے زنگ لاحق ہو جائے گا اور خراب ہو جائے گی اگر چلتی رہے تو درست رہے گی تو بدن بھی اسی طرح اگر عمل رہا تو درست ورنہ خراب ہو جائیگا۔ مخزنِ اخلاق میں ہے کہ کسی نے پوچھا کہ عمل کیا ہے فرمایا کہ بدن چلتا رہے اگر بدن کے اندر عمل رہا تو فائدہ ورنہ نقصان۔ مثلاً آٹا پیسنے کی چکی اگر آٹا پیسے تو درست رہے گی اور اگر بغیر گندم ڈالے چکی چلائی تو آٹا بھی نہیں ملے گا اور چکی بھی خراب ہو جائے گی۔ تو عمل بہت ضروری چیز ہے۔ عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی۔

عمل دنیا یا دین کا ہو سستی نہ ہو مگر دین کے عمل میں بہت فائدہ ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اتنی کثرت سے عبادت فرماتے تھے کہ آپ کے پاؤں مبارک پر سوز ورم آجاتی تھی۔ اور ہم دین میں اتنی سستی کرتے ہیں کہ اگر فلاں عمل نہ کریں تو کیا مسلمان نہیں؟ یعنی صرف کلمہ رہے باقی عمل نہ کریں۔ قبل زمانہ اور دور حاضر میں ہندو ہاتھ پر نام یا تصویر بنوایا کرتے تھے ایک رئیس نے کہا کہ میری کلائی پر شیر کی تصویر بناؤ تو جب اس نے چمڑہ کو چیرا دیا تو درد محسوس ہوا کہا کہ یہ کیا بنا رہے ہو اس نے کہا کہ دُم بنا رہا ہوں تو رئیس نے کہا دُم کے بغیر بھی تو شیر ہوتا ہے اسے مت بناؤ پھر اس نے ٹانگیں وغیرہ بنائیں تو درد محسوس ہونے پر رئیس نے کہا کہ ان اعضاء کے بغیر بھی تو شیر ہوتا ہے تو بنانے والے نے کہا کہ اس طرح فرماؤ کہ تصویر نہ بناؤ۔ اور ہم بھی نماز وحج وغیرہ دین کے کاموں میں سستی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیا ان کے بغیر مسلمان نہیں ہوتا یعنی انہیں دین سے اڑا دو دنیا کے کاموں میں تو ہم بہت چستی کرتے ہیں مگر دین کے کاموں میں ایک فیصدی بھی چستی نہیں کرتے۔ تو معلوم ہوا کہ ارکان اسلام کے علاوہ مکمل مسلمان نہیں۔ جس طرح انسان کا کوئی عضو کٹا ہوا ہو تو اس کو انسان کہیں گے مگر ناقص انسان۔ اگر آدمی کا لاالہ پر یقین ہے مگر نماز نہیں تو ہاتھ نہیں اسی طرح باقی ارکان۔ تو ایسے لولے لنگڑے دین کو کیا کریں

گے۔ تو معلوم ہوا کہ عمل محنت مشقت یہ تحصیلِ دنیا و آخرت کا ذریعہ ہیں۔ ہم اس لئے گریز کرتے ہیں کہ یہ نفس پر پابندی ہے اگر نفس پر پابندی نہیں تو بندگی نہیں۔ بندگی فارسی کا لفظ ہے کہ اللہ کے حکم میں بند ہو کر اپنی زندگی گزارو اگر اپنے نفس کو آزاد رکھا تو دنیا و آخرت دونوں سے محروم۔ دنیا کو آپ آزادی کہتے ہیں کیا دنیا کمانے میں بندگی نہیں؟ اگر دکاندار روزانہ دکان کھولنے پر نفس کو پابند نہ کرے تو کیا فائدہ ہوگا یا نقصان۔ اسی طرح زراعت ملازمت وغیرہ انسان ایسا بندہ ہے اگر کسی قاعدہ میں بند نہو تو بندہ ہی نہیں۔ مثلاً مسجد تعمیر کرانی ہے تمام ملبہ تیار ہے اگر اینٹوں کو ایک دوسرے سے بند نہ کیا تو عمارت نہ بنے گی اور اسی طرح کلائی اگر بدن سے کٹ کر جدا ہو جائے تو بے فائدہ اگر بازو کے ساتھ بند ہو جائے تو بافائدہ اسی طرح ہر عضو آنکھ ناک کان وغیرہ معلوم ہوا کہ بندگی بنیادی چیز ہے

زندگی آمد برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی

حضرت معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ عبادت کے بغیر جنت کی آرزو گناہ ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے بغیر شفاعت کی امید دھوکا ہے۔ اور اللہ کی اطاعت کے بغیر ثواب کی تمنا حماقت ہے۔ صاف معلوم ہوا کہ جو

کچھ ہے عمل سے ہے عمل کے سلسلہ میں دائم یعنی ہمیشگی ضروری ہے اِنَّ اَحَبَّ الْعَمَلِ اَدْوَمُهَا کہ اللہ کو سب سے زیادہ وہ عمل پسند ہے جو ہمیشہ جاری رہے۔ مثلاً ایک شخص ایک دن میں ۳۰ پارہ تلاوت کر ڈالتا ہے پھر سارا مہینہ فارغ رہتا ہے اور دوسرا شخص روزانہ ایک پارہ تلاوت کرتا ہے وہ اس سے زیادہ بہتر ہے۔ معلوم ہوا کہ عمل میں دوام ضروری ہے۔ حافظ بن حجر رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو روزانہ بندگی کرے اس سے اللہ خوش ہوتا ہے اور جو روزانہ نہ کرے اس سے اللہ ناراض رہتا ہے

جس طرح آپکا ایک ملازم تو روزانہ اپنی ڈیوٹی مکمل کرتا ہے اور دوسرا کبھی حاضر اور کبھی غیر حاضر تو آپ یقیناً اس سے خوش ہوں گے جو روزانہ حاضر ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ایک عمل شروع فرما دیتے تھے تو اس کو ہمیشہ عادت بنا دیتے تھے۔

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کم عمل کو زیادہ پسند فرمایا جو روزانہ ہو اور اس کثیر عمل کو پسند نہیں فرمایا جو روزانہ نہ ہو۔ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پانی کے نل کے نیچے پتھر یا سیمنٹ کو دیکھیں کہ قطرہ قطرہ پڑنے سے سال دو سال میں سوراخ ہو جاتا ہے مگر ان قطروں کی مجموعی مقدار ایک مرتبہ ڈالی جائے تو سوراخ نہ ہو گا۔ تو معلوم ہوا کہ پانی نرم ہونے کے باوجود جب مسلسل قطرہ گرتا رہا

ہے تو سخت چیز کو متاثر کر دیا۔اسی طرح دل کا حال ہے جو عبادت
کم ہونے کے باوجود مسلسل رہے گی دل پر اثر کرے گی۔

درس نمبر: ۲۰

۲۰ مارچ ۱۹۶۴ء

تعوّذ و تسمیہ کیا سبق دیتے ہیں

اب میں یہ بتلاتا ہوں کہ روح استعاذہ یعنی اعوذ باللہ اور تسمیہ یعنی بسم اللہ یہ ہمیں کیا بتلاتے ہیں۔ تمام آسمانی کتب کے علوم جو انسان کے لئے ہیں وہ قرآن میں ہیں اور قرآن اعوذ باللہ و بسم اللہ سے شروع ہوا تو ہمیں یہ اعوذ بغض اور بسم اللہ محبت کا طریقہ بتلاتے ہیں۔ اللہ نے ان دونوں کے ذریعہ بغض و محبت کی تعلیم فرمائی۔ انسان میں اللہ نے یہ دونوں چیزیں رکھی ہیں جو اپنی جگہ پر دونوں چیزیں ضروری ہیں۔

بغض و محبت کا پیدا کرنا حقیقت پر مبنی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ انسان کی فطرت میں اللہ نے فائدہ کھینچنا اور ضرر ہٹانا پیدا فرمایا اللہ نے فیصلہ کیا کہ (۱) محبت پیدا کی جائے تا کہ انسان فائدہ حاصل کرے (۲) ضرر ہٹانا اللہ نے فیصلہ کیا۔ اللہ کو معلوم تھا کہ انسان جب فائدہ کھینچے گا تو لڑائی ہو گی۔ مثلاً ایک آدمی اگر کوئی فائدہ حاصل کر رہا ہو تو دوسرا نقصان پہنچائے گا تا کہ میں فائدہ حاصل

کروں۔ مثلاً عدالت وغیرہ۔ اگر اللہ بغض پیدا نہ کرتا تو آدمی کچلا جاتا یعنی جو کوئی نقصان پہنچاتا آدمی اف تک نہ کرتا لیکن اللہ نے ہر ہر شئی میں یہ چیز پیدا کی تا کہ اپنے مخالف کی مدافعت کر سکے۔ گائے کو اللہ نے ۲ سینگ عنایت فرمائے جس سے وہ ہر مخالف کو دفع کر سکتی ہے کسیکو سینگ اور کسی کو زہر گویا جس مین جو مناسب سمجھا اللہ نے وہ ہتھیار بنایا کیونکہ اللہ نے سمجھا کہ دنیا جنگ کی جگہ ہے۔ بہرحال اللہ نے حکمت کے مطابق دو جذبے پیدا فرمائے محبت و بغض۔ اعوذ باللہ میں اللہ نے شیطان کے ساتھ بغض فرمایا اور بسم اللہ میں فرمایا کہ تمام محبتیں اللہ کی طرف متوجہ ہوں یعنی بغض کا مرکز شیطان و محبت کا مرکز رحمٰن کبھی محبت کا مرکز ایک ہوتا ہے مگر پھیل کر بہت ہو جاتا ہے (۱) انسان کے اندر جذبہ نفس محبت مثلاً بیوی سے، اولاد سے اور مال سے اور مسکن رہنے کی عمدہ جگہ سے۔ ملبس یعنی عمدہ کپڑوں سے محبت۔ یہ تمام شاخیں نفس محبت کی ہیں۔ انسان کو نفس سے محبت پھر نفس کو جس سے محبت تو فلسفہ ہے کہ نفس کو جس سے محبت انسان کو اسی سے محبت۔ مطلب یہ ہے کہ کم چیز پھیل کر بڑی ہو گئی مثلاً سورج کی روشنی محدود ہوتی ہے مگر پھیل کر لامحدود ہوتی ہے۔ اسی طرح دریاؤں کا پانی کہ چشمہ محدود مگر پھیل کر دریا کتنے بڑے ہو جاتے ہیں۔

اعوذ باللہ نے بتلایا کہ عدوات کا مرکز شیطان اور بسم اللہ نے

بتلایا کہ محبت کا مرکز رحمٰن یہ دونوں محدود ہیں مگر بڑھ کر کتنی ہو جاتی ہیں۔ قبل میں رحمٰن کا ذکر کرتا ہوں۔ جب اللہ ہمارا محبوب بنا تو اللہ کو جس سے محبت ہم کو اس سے محبت۔ اور بغض کا مرکز شیطان ہے تو شیطان دشمن ہوا کہ مَحبوبُ المبغُوضِ مَبغُوضٌ۔ شیطان کو جس سے محبت ہمیں اس سے بغض تو محبت و بغض کے دو سلسلہ قائم ہو گئے ایک اللہ سے وابستہ دوم شیطان سے۔ قرآن میں ہے۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ۔ جن لوگوں کو ایمان ہے انہیں سب سے زیادہ محبت اللہ سے ہو تو معلوم ہوا کہ محبت کا مرکز اللہ تعالیٰ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے بتلایا کہ دشمنی کا جو مرکز پیدا کیا ہے وہ کہاں خرچ ہو شیطان بہت بڑا دشمن ہے۔ یہ وہاں خرچ کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا محبوب وہ ہمارے محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں تو ان سے ہماری محبت ضروری ہے۔ حدیث لایؤمن احدکم حتی الخ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن اس وقت ہے۔ جس میں ان کی اولاد، والدین اور تمام چیزوں سے محبوب نہ بنوں اگر ایمان کامل ہوا تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سب سے زیادہ محبت ہو گی۔ محبت بڑی شئی ہے، مگر محبت کو تجارت نہ بناؤ بعض لوگوں نے محبت کو تجارت بنا کر پیسہ کمانا شروع کر دیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے صحابہ کرامؓ سے محبت تھی

ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صحابہؓ سے لہذا ہمیں بھی صحابہ کرام سے محبت (اللہ اللہ فی اصحابی) جن کو صحابہؓ سے محبت ان سے مجھ کو محبت جو صحابہؓ کا دشمن وہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دشمن جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دشمن وہ خدا کا دشمن۔ اس کے بعد تابعین سے محبت جنہوں نے صحابہؓ کی صحبت کا فیض پایا اس کے بعد تبع تابعین سے ان تین دور کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ میرے محبوب ہیں ان سے جن کو محبت مجھ کو ان سے محبت جو ان کا دشمن وہ میرا دشمن۔

حدیث شریف میں ہے۔ خَیرُ القُرونِ قَرنِی ثُمَّ الَّذِینَ یَلُونَھُم ثُمَّ الَّذِینَ یَلُونَھُم الخ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے بہتر میرا زمانہ پھر اس کے متصل یعنی صحابہ کرامؓ کا پھر اس کے متصل یعنی تابعین کا پھر تبع تابعین کا قرآن میں من المھاجرین والانصار جو لوگ اخلاص سے تابعداری کر چکے ہیں مثلاً تابعین اور تبع تابعین کی رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ، تو اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ میں ان سے راضی وہ مجھ سے راضی۔

(۱) محبت محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی (۲) صحابہ کرامؓ کی (۳) تابعین کی (۴) تبع تابعین کی (۵) تمام علماء کرام و بزرگان صالحین سے محبت رکھنا۔

جاء رجل الی رسول اللہ فقال یا رسول اللہ ارائیت رجلاً احب قوماً ولم

یلحق بھم الخ

ایک آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ ایک گروہ سے محبت ہو مگر اس گروہ کا عمل اس کے برابر نہ ہو فقط قلب سے محبت ہو تو اس شخص کا کیا حال ہو گا فرمایا کہ قیامت کے دن ہر آدمی اپنے محبوب کے ساتھ ہو گا اگر بندہ خدا سے محبت تو اس کے ساتھ اگر دشمنان خدا سے محبت تو ان کے ساتھ ہو گا۔ اللہ کا نظام عالم دو ضدوں سے ثابت ہے رات تو دن، نیکی تو بدی۔ رحمٰن تو شیطان، محبت کے مقابلہ میں عداوت کا مرکز شیطان یقینی بات ہے جس طرح اللہ محبوب اس کے محبوب، محبوب۔ جس طرح شیطان مبغوض اس کے محبوب مبغوض۔ بزرگان دین کو چھوڑ دو شیطان کو چار چیزوں کی ضرورت ہے۔ (۱) الکفر والشرک کہ لوگ بزرگوں کے نام پر شرک کریں اور میرا بیڑا پار ہو (۲) بدعتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کل بدعتہ ضلالۃ و کل ضلالۃ فی النار۔ بدعتہ کی مختصر تعریف۔ کہ آدمی خود نیکی و بدی بنائے۔ حالانکہ یہ صرف اللہ اور اس کے بعد رسول ﷺ کو حق ہے جس کو نیکی بنایا وہ نیکی بنایا وہ نیکی جس کو بدی بنایا وہ بدی یہ شریعت ہے۔ اور اگر آپ کہیں کہ اس کے علاوہ خود میں بھی نیکی بدی بناؤں تو یہ آدمی شریعت میں اللہ و اس کے رسول ﷺ کا ہم پلہ بننا چاہتا ہے۔ بندۂ خدا۔ گناہ گار کو توبہ کی توفیق ہو گی کیونکہ وہ گناہ سمجھ کر کرتا ہے بدعتی کو توبہ نصیب نہ

ہو گی کیونکہ وہ گناہ کو ثواب سمجھ کر کرتا ہے۔

یادرکھو شیطان کتنی کشش ڈالے مگر نیکی بدی وہی جو اللہ نے مقرر فرمائی اور اس کے بعد محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کسی دوسرے کو شریعت کی چیزوں کا اختیار نہیں مثلاً اذان کا آغاز اللہ اکبر سے اختتام لاالہ الا اللہ سے آخری کلمہ محمد رسول اللہ کیوں نہیں کہتے۔ حالانکہ کتنا پیارا کلمہ ہے اس کے علاوہ کوئی کافر مومن نہیں بنتا۔ جب تک کہ محمد رسول اللہ ﷺ نہ کہے تو اتنے ضروری کلمہ کو کیوں نہیں بڑھاتے؟ وہ اس لیے کہ حضور ﷺ کا فرمان اس کے خلاف ہے تو معلوم ہوا کہ ہم اپنے جوش سے نیکی بدی نہ بنائیں گے۔ اسی طرح نماز کے قاعدہ اولیٰ میں آپ اَشھدُ اَنَّ محمّداً عَبدُہٗ ورسُولہٗ کے بعد درود شریف کیوں نہیں بڑھاتے حالانکہ درود شریف کی کتنی فضیلت ہے کہ ایک مرتبہ تلاوت کرنے سے ۱۰ نیکیاں ملتی ہیں اور ۱۰ بدیاں معاف۔ تو معلوم ہوا کہ صاحب درود نے منع فرمایا ہے۔ خود مت بڑھاؤ بلکہ محبوب سے پوچھو کہ نیکی ہے کہ نہیں۔ اگر نیکی بدی خود بنائی تو معلوم ہوا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حریف بننا چاہتے ہو۔ مسئلہ امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک اگر اول قعدہ میں درود قصداً تلاوت کیا تو گناہ عظیم اور بھولکر تو سجدہ سہو نکالے۔

آسمان کے نیچے تمام اللہ والوں سے محبت مگر محبت ایسی کہ

اپنے مقام پر رہے حد سے تجاوز نہ کرے۔

(۱) سب سے اول محبت اللہ تعالیٰ سے اس کے بعد محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم سے) حضور ﷺ سے اتنی محبت نہ رکھے کہ اللہ کی سرحد پار کر جائے مگر اللہ تعالیٰ کے بعد درجہ ساری کائنات میں ہمارے محمد رسول اللہ کا ہے۔ شعر

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مبارکہ میں ہے کہ میری محبت اتنی بیان نہ کرو جس طرح کسی نے عزیر علیہ السلام کو اور کسی نے عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بنا کر شرک کیا۔ اے محبت کے تاجروان شرک کرنے والوں کے بعد تو نبی علیہم السلام آئے ہیں۔ جنہوں نے مشرکوں کی اصلاح کی اور میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد تو کوئی نبی نہیں آئے گا جو آکر تمہاری اصلاح کرے۔ تو معلوم ہوا کہ محبت اپنے مقام پر ہو صحابہؓ کی محبت کی سرحد علیحدہ، بزرگوں کی علیحدہ، پیغمبروں کی علیحدہ، ہمارے نبی ﷺ کی علیحدہ، اور خدا کی ان سے علیحدہ، تو جو شخص ان سرحدوں میں اپنی طرف سے کم و بیشی کرے گا وہ قیامت کے دن خدا تعالیٰ کی گرفت میں ہو گا۔

ایک انگریزی تعلیم یافتہ نے انگلینڈ میں پادریوں کے ساتھ مباحثہ کیا کہا کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا ہے پادری نے کہا کہ شرک تو مسلمانوں نے بھی اللہ کے ساتھ کیا میں نے کہا کہ

نہیں، تو پادری نے کہا کہ ایک فتویٰ مسلمانوں سے منگاتے ہیں جس پر فیصلہ ہوگا تو موحد کی طرف سے جواب موصول ہوا کہ اللہ کے ساتھ کسی کا مقام نہیں اس کے بعد حضرت محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہے۔ اور دوسری طرف سے موصول ہوا کہ حضور ﷺ پیدا نہیں ہوئے بلکہ عرش سے ایک نور بذریعہ جبرائیل ﷺ مکہ میں اترا۔ تو پادری نے کہا کہ دیکھو تم تو کہتے تھے کہ مسلمانوں میں شرک نہیں ہے تو انگریزی تعلیم یافتہ نے لکھا کہ اسلام کی پیشانی پر جو شرک کا داغ لگا وہ میں مٹا نہ سکا۔

ہمارے ہاں یہ فائدہ محمد رسول اللہ سے ہوا گویا ہمارے تمام فائدہ کا مرکز محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوئے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ پیغمبر جو دعا مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی تکمیل فرماتا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ پیغمبر خدا بن گیا یا خدانخواستہ خدا اس کا پابند ہے بلکہ دعا تو ایک درخواست ہے اور درخواست وہی کرتا ہے جو محتاج ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن جمعہ کا خطبہ فرما رہے تھے کہ ایک صحابیؓ آیا عرض کی کہ یا رسول اللہ قحط بڑھ گیا ہے جانور بھوک کے مارے مرتے ہیں۔ دعا فرمائیں کہ بارش ہو۔ حضور ﷺ نے دعا فرمائی کہ بارش شروع ہو گئی۔ حدیث میں ہے کہ سات دن بارش رہی حضور ﷺ جمعہ کے دن اسی طرح خطبہ فرما رہے تھے وہ یا

دوسرا صحابی آیا کہ یا رسول اللہ اب تو بارش کیوجہ سے آمدورفت ختم ہو گئی ہے اور نقصان ہوتا ہے۔ دعا فرمائیں کہ رُک جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال فرمایا کہ شہر کے باہر جنگلوں میں بارش ہو جائے تا کہ جانوروں کیلئے گھاس پیدا ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی حدیث میں ہے کہ مدینہ شریف سے بادل غائب اور اس کے ارد گرد بارش شروع رہی۔

کسی بزرگ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا بشر ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ بشر بے شر ہیں کہ آپ کی ذات میں کوئی شر کوئی نقص نہیں۔۔۔ سب سے اول محبت اللہ تعالیٰ کی دوم درجہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلی اللہ علیہ وسلم کا مگر یہ محبت ایسی ہو کہ خدا کی سرحد سے نہ ملے۔ بزرگان کی محبت ایسی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سرحد سے نہ مل جائے۔ اگر خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے کہ سرحد ملا دو تو ہم ملا بھی دیتے۔ ہمارا اس میں کیا نقصان ہے۔ لیکن انہوں نے فرمایا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا مقام دینا شرک فی اللہ ہے اور ولی کو نبوت سے ملانا شرک فی النبوۃ۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ مجھ کو خدا کے نام سے پکارو تو ہم پکارتے ہمارا کیا نقصان ہوتا ہے؟ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام زندگی بندگی میں گزاری ہے۔

قرآن میں ہے کہ مکہ والوں نے مطالبہ کیا ہم اس وقت

ایمان لائیں گے۔ جب آپ آسمان پر چڑھ جائیں۔ ہمارا یقین ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس ارداہ کی دعا فرماتے تو مقبول ہو جاتی لیکن آپ نے فرمایا قُلْ سُبْحَانَ رَبِّی هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا۔ کیا یہ آیت آپ کے بہاولپوری قرآن میں نہیں ہے؟ گناہ گار کو توبہ کی توفیق ہو گی مگر بدعتی کو توفیق توبہ نہ ہو گی کیونکہ وہ بدی کو نیکی سمجھ کر کرتا ہے۔

درس نمبر: ۲۱

۲۲ مارچ ۱۹۶۴ء

اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت

اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنا ضروری ہے اور اللہ کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے تو ہم پر ان کی محبت فرض حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو صحابہؓ سے محبت تو صحابہ کرامؓ کی محبت فرض۔ اس طرح جو لوگ اللہ کی اطاعت کرنیوالے ہیں علماء و اولیا کرام ان سے ہمیں محبت رکھنی ہو گی وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ۔ مومن کو سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے ہے۔ معیار محبت اللہ تعالیٰ و محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کہ دعوی تو سب کرتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے محبت ہے اس طرف سے تو محبت ہے مگر اللہ کی طرف سے محبت ہے کہ نہیں؟ ہمارے کہنے سے کیا۔ اللہ جواب دے کہ مجھے تجھ سے محبت ہے۔ تو یاد رکھو جب ہمیں اللہ و محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبت فرض ہے تو ہمیں یہ کرنا چاہیے کہ اللہ و محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کس طرح سمجھیں کہ انہیں بھی ہم سے محبت ہے کہ نہیں۔ تو اللہ و اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس جو ترازو ہے اگر ہم اس کے مطابق درست

نکلے تو اللہ و محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہم سے محبت ہے۔معیار محبت دونوں محبتیں فرض حدیث لایؤمن احدکم حتیٰ الخ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فرمان ہے کہ جب تک میں اولاد، والدین وغیرہ سے زیادہ محبوب نہ ہوں تو کوئی آدمی مومن نہیں بنتا۔ بہت لوگ ایسے ہیں کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جدائی پر نہیں روتے اور ماں باپ مر جائے تو روتے ہیں تو یہ بظاہر کیسے ہوا؟ بزرگان وغیرہ و شارحین کرام نے فرمایا کہ اس کے باوجود بھی یہ ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ماں باپ سے زیادہ محبت ہو وہ یہ ہے کہ محبت کی دو قسمیں ہیں۔

محبت طبعی و عقلی۔ مثلاً طبعی وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہ نسبت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے والدین کے ساتھ طبعی طور پر محبت زیادہ رکھی ہے یہ تقاضہ طبیعت ہے، اللہ کے ہاں تقاضہ طبیعت تول نہیں۔ عقلی محبت کہ محمد کے طفیل ایمان اور ایمان کے طفیل جنت تو یہ فائدہ ہمیں محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہوا۔

اگر کروڑہا روپیہ پیش کریں تو موت کا وقت ٹلتا نہیں۔بیماری نہیں ٹلتی۔بڑھاپا نہیں ٹلتا۔جنت کا اثر ایسا ہے کہ زندگی میں زوال نہیں۔ بزرگ کا قول ہے کہ ایمان کے ذریعہ جو جنت ملتی ہے اس میں دیر تاخیر نہیں بلکہ جب آدمی مرتا ہے تو جنت۔فرمایا جنت کی

زندگی ایسی عزت ہے کہ ذلت نہیں اور ایسی امیری ہے کہ غربت
نہیں اور ایسی بقا ہے کہ فنا نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ والدین سے
کیا فائدہ ہوا تنہائی میں بیٹھ کر سوچے کہ جو فائدہ حضور ﷺ سے ہوا
وہ ان کے ماسوا کسی سے ملا؟ تو معلوم ہو گا کہ جو فائدہ نبی ﷺ سے
ہوا وہ کسی سے نہیں ملا تو جو آدمی تنہائی میں حضور ﷺ و والدین کی
محبت کا تول کرے تو ضرور زیادہ محبت بنسبت والدین کے
حضور ﷺ سے ہو گی یہ محبت عقلی ہے جو حضور ﷺ و اللہ تعالیٰ کو
پسند ہیں اس میں دونوں محبت فرض ہو گئیں معیار محبت و جائزہ
دعویٰ المحبت فی الغویٰ ولکن لایخفی کلام المنافق۔ الخ دعویٰ تو کرتے
ہیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ و اس کے رسول ﷺ سے محبت ہے مگر رب
العزۃ تول کریں گے کہ معیار محبت اصلی ہے کہ نقلی قل انکنتم تحبون
اللہ کہہ دے اعلان کر دے اپنی امت یا تمام لوگوں کو کہ اگر واقعی اللہ
تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو فاتبعونی میری اتباع کرو۔ اگر انسان کہے
کہ مجھے رب العزۃ سے محبت ہے یہ تو یکطرفہ محبت ہوئی دوسری
بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی فرماویں کہ مجھے تم سے محبت ہے ادنی
کی طرف سے اظہار محبت کچھ نہیں بڑی قیمت تو یہ ہے کہ اللہ بھی
فرماویں کہ مجھے انسان سے محبت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ میری اتباع اگر کرو تو آپ کے دونوں دعوے سچے ہوتے
ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے محبت ہے اور اللہ نے فرمایا کہ محمد ﷺ

کی اتباع کرو تو اللہ تعالیٰ کو تم سے محبت۔ تو ڈبل محبت ہو گئی اسی اتباع کا نام سنتہ اور خلاف اتباع کا نام بدعتہ ہے۔ اسلام کے نازک مسئلہ کا دارومدار ان دونوں پر ہوا بدعت و سنتہ۔ بدعت یہ ہے کہ غیر دین کو دین بنانا۔ سنتہ کہ اللہ و محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت کا معیار پیغمبر کی اتباع پر چلنا ورنہ دونوں محبتیں ختم۔ ولکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنتہ اگر مومن بننا ہے تو اپنی زندگی کو حضور ﷺ کی زندگی کے مطابق بناؤ یہ تمہارا مومن و مسلم بننا ہے

اب یہاں بدعتہ و سنتہ وغیرہ کی حقیقت کھل جائیگی۔ یہاں تین چیزیں معلوم ہو گئیں ایک یہ کہ آدمی گناہ کو گناہ سمجھ کر کرتا ہے تو وہ فاسق گناہ گار کہلائے گا۔ اور دوسرا آدمی گناہ کو دین سمجھ کر کرتا ہے وہ بدعتہ ہے یہ بہت بڑا گناہ ہے تیسرا کہ دین کو دین سمجھ کر کرنا غیر دین کو دین نہ سمجھنا کتاب و سنتہ کے مضامین متفقہ فرماتے ہیں کہ گناہگار یعنی گناہ کی نسبت بدعتہ بہت بڑا گناہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ گناہ کو گناہ سمجھ کر کرنا کم گناہ۔ گناہ کو دین سمجھ کر کرنا بڑا گناہ تو اگر ہر سال مولوی نیا دین بناتا رہے تو کیا ہم اس کی پیروی کرتے رہیں؟ ہرگز نہیں کیونکہ یہ جنت والا ثمرہ تو حضور ﷺ کی اتباع اور پیروی کرنے پر ملیگا نہ کہ اس مولوی کی اتباع پر جو ہر سال نیا دین بناتا رہے مثلاً درزی کو ایک آدمی کہے کہ میاں یہ کپڑا ہے۔ فلاں نمونہ کی شیروانی بنا دو اس کی لمبائی

وغیرہ خود مقرر کر دی - اب درزی دیکھتا ہے کہ شیروانی کی دو آستینیں ہوتی ہیں اور آستینیں عمدہ چیزیں ہیں تو اس نے ایک اپنی طرف سے بڑھا کر پیٹھ پر معین کر دی۔ لمبائی کا خیال نہ رکھا بجائے ۱۸ کے ۱۹ انچ رکھدی۔ تو اپنے حساب پر شیروانی فٹ کر کے مالک کے پاس لے گیا اور تیس روپیہ معاوضہ مانگا مالک نے دیکھ کر کہا کہ تم معاوضہ کے لائق ہو کہ جرمانہ کے؟ معاوضہ تو تب ملتا جب میرے کہنے کے مطابق تیار کرتے اب آپ فیصلہ کریں کہ دنیا کی عدالت اسے جرمانہ لگائیگی یا معاوضہ ادا کروائیگی؟ یہی حال اس شخص کا ہے جو حضور ﷺ کی پیروی نہیں کرتا بلکہ اپنے دماغ سے نیا دین بناتا ہے اور نیا دین حضور ﷺ کے خلاف ہے تو جو اس کے خلاف ہو وہ کافر ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر آدمی ہوا میں اڑ رہا ہو یا پانی پر چل رہا ہو اگر حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت کے خلاف ہو تو اس کو آدمی نہ جانو بلکہ وہ ہندو جوگی ہے۔ دوسرا شخص کپڑا بمع نمونہ دیا گیا اور اس نے نمونہ کے مطابق تیار کر دی۔ تیسرا شخص جس نے کپڑا تو رہنے دیا مگر اپنی طرف سے دوسرے نمونہ کی شیروانی تیار کی یہ شخص گناہگار کی مثل ہے کہ تم نے ہمارے منشاء کے مطابق تیار نہیں کی۔ بدعتی وہ کہ حضور ﷺ کے خلاف چلے مگر دین سمجھ کر حدیث ما ابتدع قوم بدعۃ الا وقد

انتقص منهم بقدرها من سنتی الی القیمہ ثم لا یعود الخ حضرت حسانؓ سے مروی ہے کہ کوئی قوم بدعتہ کا ارتکاب نہیں کرتی کہ دین نہیں مگر اللہ تعالیٰ اس بدعت کے انداز کے مطابق ان بدعتیوں کو سنتہ سے محروم کر دیتا ہے پھر وہ سنت قیامت تک واپس نہیں لوٹتی بخاری و مسلم شریفین میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں

کان رسول اللہ اذا خاطب احمرت عیناہ و علا صوتہ و اشتد غضبہ کانہ منذر جیش ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خطرناک حملہ آور سے ہمیں ڈرا رہے ہیں کہ بچو۔ تقریر کیلئے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع ضروری ہے یہ نہ کہ ممبر پر چڑھ کر گانا بجانا شروع کر دیا۔ حضرت حنظلہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقریر کا اثر بیان کرتے ہیں کہ مر ابی بکر تو ابی بکر نے فرمایا قال کیف انت حنظلہ جواب قلت نافق حنظلہ کہ حنظلہ منافق ہو گیا۔ ہم نفاق میں سر تک ڈوب گئے کان رسول اللہ یذکرنا بالجنتہ والنار جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنت و نار کا ذکر فرماتے ہیں تو آنکھیں بہہ پڑتی ہیں گویا جنت و دوزخ کو سامنے دیکھتے ہیں ثم عافسنا الاولاد پھر جب واپس جاتے ہیں تو اولاد وغیرہ سے محبت ہو جاتی ہے اور جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا وہ ختم ہو جاتا ہے۔ تو یہ بھی منافقت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں کچھ اور، اور گھر کچھ اور حالت، تو یہ ایک نفاق ہے جب یہ تقریر فرمائی تو ابی بکرؓ فرمانے لگے کہ یہ تو میرا حال ہے کہ دل کانپ رہا ہے آنکھیں برس رہی ہیں مگر جب واپس

لوٹتے ہیں تو سب ختم ہو جاتا ہے۔

فذھبنا الی رسول اللہ ﷺ پھر ہم حضور ﷺ کے پاس چل پڑے کہ فیصلہ سنیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی مجلس میں یہ حالت اور بعد میں یہ حالت۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم ہمیشہ رہتے ما کنتم عندی جس طرح میری مجلس میں حالت ہوتی ہے لصافحتکم الملائکۃ تو فرشتگان آپ سے مصافحہ کیا کرتے فرمایا لیکن حنظلہؓ یہ گھڑی گھڑی کی بات ہوتی ہے۔ یہ نفاق نہیں بلکہ یہ میری وجہ سے ایک نور ہوتا ہے جو گھر واپس جانے سے گھر کے کاموں میں نہیں ملتا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ والی حدیث جو پچھلے صفحہ پر گذری ہے اذا خاطب الخ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ممبر پر چڑھے تو آپ کی آنکھ کا رنگ سرخ ہو گیا آواز زور دار ہو گئی فرمایا ان احسن الحدیث کتاب اللہ سب سے بھلی بات اللہ کا قرآن و احسن الھدی ھدی محمد و شر الامور محدثاتھا تمام شریر کاموں میں سے شر بات یہ ہے کہ دین میں بری بات دین بنا کر پیش کرنا۔ اس کے بعد گویا ایک دوسری روایت حدیث۔ الفاظ حدیث من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھو رد۔ جو تبدیلی کرے گا وہ مردود ہے۔ مسلمانوں کے جھگڑے اس طرح ختم ہو سکتے ہیں دیکھیں جس مولوی نے نیا دین بنایا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے خلاف ہو تو ہمیں چاہیے کہ اس نئے دین کو

پھینک دیں۔

مامون الرشید بیٹا ہارون الرشید کا اس کی سلطنت مراکش سے لے کر کشمیر تک تھی اس نے اپنے دور حکومت میں ایک نیا مسئلہ پیدا کر دیا کہ قرآن مخلوق ہے غیر مخلوق نہیں اگر کوئی غیر تخلیق کہتا تو گردنیں اڑا دیتا بہت علماء کی گردنیں اڑا دیں کہ گردنوں کے ڈھیر لگ گئے۔ ایک مولوی حضرت عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ یمن کے رہنے والے تھے انہوں نے سوچا کہ علماء کی گردنوں کے ڈھیر لگ گئے ہیں مگر مامون الرشید نے مسئلہ نہیں سمجھا مولوی عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا بیٹا ساتھ لیا اور سفر کیا بیٹے کو کہا کہ مجھ سے سوال کرنا کہ قرآن مخلوق کہ غیر مخلوق۔ کیونکہ آدمی ڈر کے مارے یہ مسئلہ چھیڑتے نہیں تھے۔ تو بچہ نے موقع پر مسئلہ پوچھا مولینا نے کہا کہ بچہ قرآن غیر مخلوق ہے بچہ نے کہا کہ مامون تو تخلیق کہتا ہے مولینا نے فرمایا کہ مامون بخ مارتا ہے۔ تو مامون نے حکم دیا کہ پکڑ لاؤ تو مولینا اور بچہ پکڑے گئے انہوں نے چھ میل کا فاصلہ اس طرح طے کیا کہ دونوں طرف فوجیں زرہ پوش اور ننگی تلواریں لئے کھڑی تھیں بیٹا کچھ گبھرا کر قدم اٹھا رہا تھا۔ مولانا نے کہا قدم جماؤ بڑائی صرف خداوند کریم کے لئے ہے۔ مامون کے پاس پہنچے مامون نے کہا کہ کیا آپ نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔ کہا کہ بیان کیا ہے اور جب تک جان رہے گی بیان کرتا رہوں گا۔ مامون نے کہا کہ تم نے

میری رائے کے مطابق کیوں نہیں کہا۔ مولینا نے کہا کہ یہ جو مسئلہ تخلیق کا چھیڑا ہے جو نہ مانے اس کی گردن قتل کر دیتے ہو۔ کیا یہ دین کا مسئلہ ہے۔ کہا ہاں! تو مولینا نے فرمایا کہ دین کس سے حاصل کیا کہا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تو مولانا نے فرمایا کیا نبی ﷺ کریم نے بھی یہ مسئلہ چھیڑا کہ خاموش رہے کہا کہ خاموش رہے تو مولینار حمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اے بد بخت جس مسئلہ میں محمد ﷺ خاموش رہے کچھ نہیں فرمایا تو تُو کیوں نہیں خاموش رہتا۔ آپ اس مسئلہ کو مت پھیلاؤ۔ مامون کتنا معتزلی ہو۔ لیکن اس زمانے کے لوگ بہت سمجھ دار تھے۔ مامون نے یہ سن کر دل میں توبہ کی اور یہ فقرے تلاوت کیے کہ یسکت عما سکت عن رسول اللہ کہ جس مسئلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہیں فرمایا ہم اس مسئلہ میں زبان بند کرتے ہیں۔ اسی مسئلہ کی تحریک میں امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ پکڑے گئے مامون نے کہا کہ اگر چار دن کے اندر مل جائیں تو پکڑو و گرنہ نہ پکڑو امام احمد حنبل رحمتہ اللہ چھپ گئے تین دن کے بعد جامع مسجد کی طرف نکل پڑے ایک دوست ملا کہ آج آخری دن ہے آپ چھپ جائیں اس کے بعد گرفت نہیں، امام رحمتہ اللہ نے فرمایا کہ یہ اعلان میں نے سنا تھا مگر میں تین دن سے زیادہ روپوش نہ ہوں گا، اگرچہ میری گردن اڑا دیجائے یہ تو معمولی بات ہے۔ مگر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت

کے خلاف نہ کروں گا کیونکہ حضور ﷺ غار میں تین دن کے علاوہ زیادہ روپوش نہیں ہوئے آپ کو پکڑ کر جیل میں قید کر دیا گیا آپ کو کوڑے لگائے، طرح طرح کی تکلیفیں دیں۔

یادرکھو یہ امام حنبل رحمتہ اللہ علیہ ہیں جنکو ساڑھے سات لاکھ حدیث مبارک یاد تھیں کوئی معمولی ہستی نہیں تھیں۔ امام صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے خود اپنی داستان لکھی کہ مجھ پر ایسی تکلیفیں ڈالیں کہ بعض وقت شیطان دل میں وسوسہ ڈالتا کہ اپنے مسئلہ سے دستبردار ہو جا لیکن ایک شرابی نے میری جان بچائی شرابی نے کہا کہ کیا حال ہے میں نے کہا کہ اچھا حال ہے شرابی نے کہا کہ گھبرائیے نہیں میں بیس سال سے شراب پیتا ہوں اور بیس سال ہو گئے ہیں کہ روزانہ ۲۰ کوڑے کھاتا ہوں مگر اس کے باوجود میں اپنی عادت پر ڈٹا ہوا ہوں۔ آپ تو ماشاء اللہ ایک حق مسئلہ میں گرفتار ہیں گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔ امام رحمتہ اللہ نے فرمایا کہ دل پر ایسا اثر پڑا کہ پھر شیطانی وسوسہ غالب نہ ہو سکا۔ آپ نے تمام عمر خربوزہ نہیں کھایا۔ آخر موت کے وقت فرمایا کہ دل خربوزہ کو بہت چاہتا ہے۔ خربوزہ کھلاؤ۔ خربوزہ لایا گیا آپ نے خربوزہ لے کر واپس کر دیا کہ خربوزہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت تو ہے لیکن یہ علم نہیں کہ حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کس طرح تناول فرمایا تھا۔ کاٹ کر یا ویسے اگر میں کاٹ کر کھاؤں، شاید حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم)

نے کاٹ کر نہ کھایا ہو تو سنت کے خلاف ہو جائے گا۔ اس لئے آپ
نے خربوزہ نہ کھایا اور جاں بحق ہو گئے۔

درس نمبر: ۲۲

۲۷ مارچ ۱۹۶۴ء

شیطان سے بُغض اور اللہ سے محبّت

ہمیں ایک سبق اعوذ باللہ سے ملا۔ دوسرا بسم اللہ سے، حدیث حضرت ابی ہریرۃؓ فرماتے ہیں کہ مسلمان ہر جائز کام بسم اللہ سے شروع کرے۔ تمام دین سبق کے نیچے ہے۔ اللہ نے قدرت انسانی کے اندر دشمنی کا جذبہ مرکز شیطان سے وابستہ کیا پھر درجہ بدرجہ اس کی پارٹی والوں سے۔ اور محبت کا اصلی مرکز اللہ پھر درجہ بدرجہ اللہ تعالیٰ کے محبوب کے ساتھ، تو معلوم ہوا کہ بسم اللہ نے ہمیں اللہ تعالیٰ کی محبت کا سبق دیا اور اعوذ باللہ نے ہمیں شیطان سے بغض کرنے کا سبق دیا۔ ان میں دو چیزوں کا مختصر بیان کرتا ہوں آگے وسیع روشنی ڈالوں گا چار چیزیں رب العزت کو سخت ناپسند ہیں۔

(۱)۔ شرک: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ نے فرمایا کہ دنیا میں شرک اس لئے پھیلا کہ شیطان نے لوگوں کے دلوں میں یہ بات بٹھائی کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ دنیا کے بادشاہوں کی طرح

ہیں۔ مثلاً متحدہ ہندوستان کے شاہجہاں کو لے لو کہ بڑے بڑے کام تو اپنے لئے رکھے باقی چھوٹے عملہ پر مقرر کر دیئے۔ تو جو بہت عالم و بزرگ تھے۔ انہوں نے سمجھا کہ آسمان زمین وغیرہ بنانا و تباہ کرنا تو رب العزت نے اپنے لئے رکھے اور باقی کام دوسروں کے سپرد کئے۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کی پیاری چیز کو شریک کیا۔ آج تک شیطان کو تو شریک نہیں کیا، اللہ کے ساتھ شریک کس طرح کیا کہ اللہ تعالیٰ کے جو نیک بندے تھے ان کی تصویریں یا مجسمہ بنائے، مانگتے تو اللہ تعالیٰ سے ہیں مگر دل لگانے کیلئے تصویر یا مجسمہ بنا دیا ہے ایک نسل چلتی چلتی یہاں تک پہنچی کہ مانگتے تو اللہ تعالیٰ سے ہیں مگر یہ ہماری درخواست اللہ کے پاس پہنچائیں گے جس طرح فرعون وغیرہ ان کو ذریعہ سمجھتے تھے۔ جس طرح کمشنر سے کام ہو تو ڈپٹی کمشنر وغیرہ سے سفارش کرواتے ہیں تو گویا اللہ تعالیٰ کو بالکل انسان کی طرح سمجھا آسمان کے نیچے کوئی ایسا کافر نہیں گذرا جس نے ان بتوں یا تصویروں وغیرہ کو دینے والا مانا ہو بلکہ وہ یہ کہتے تھے کہ ان کے علاوہ ہماری درخواست نہیں جا سکتی۔ قرآن۔ ولئن سألتھم من خلق السمٰوٰت والارض۔ کہ تم مشرکوں سے پوچھو کہ آسمان وارض کو کس نے پیدا فرمایا ہے تو کہیں گے اللہ تعالیٰ نے اور پھر یہ پوچھیں یہ بت کیا ہیں تو کہیں گے۔ ھؤلاء شفعاؤنا عند اللہ۔ کہ یہ ہماری اللہ تعالیٰ کے پاس سفارش کرنیوالے ہیں۔ وما

نَعبُدُ ھُم اِلّالِیُقرِ بُونَا اِلَی اللہِ زُلفٰی۔ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔
حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ اپنے زمانہ کے مجدد بزرگ اور بڑے عالم تھے۔ ایک بزرگ نے فرمایا کہ میں حج کو سفر کر رہا تھا۔ ایک یمنی بزرگ سے ملاقات ہوئی مجھ سے پوچھا کس سے علم حاصل کیا میں نے کہا شاہ عبدالعزیز رحمتہ اللہ سے کہا کہ میں نہیں جانتا پھر پوچھا کہ وہ کس سے پڑھا تھا میں نے کہاں فلاں سے۔ کہا میں نہیں جانتا میں نے کہا فلاں نے شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ محدث دہلوی سے پڑھا تھا۔ کہا کہ اس کو میں جانتا ہوں۔ فرمایا کہ جس طرح ایک درخت طوبیٰ جنت میں ہے جس کی شاخ جنت کے ہر مکان میں ہے۔ ہم پر اللہ تعالیٰ نے منکشف کیا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے لیے شاہ ولی اللہ درخت طوبیٰ کے مثل ہے اور جس شخص نے اس درخت کی شاخ یعنی علم حاصل نہیں کیا وہ بہت محروم شخص ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ انسانی وخدائی میں کیا فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ اربون کام فرمائے تھکتا نہیں بجز ان کے خود ہر کام کو پہنچتا ہے کسی کے سپرد نہیں فرماتا اس نے نظام ایسا رکھا کہ پتہ میری اجازت کے بغیر نہیں ہلیگا۔ انبیاَ علیہم السلام و انسان جن ملائکہ وغیرہ میری مشیت میرے ارادہ کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے واقعہ تو واقعہ ارادہ بھی میرے ارادہ کے بغیر نہیں کر سکتے انسان نے اللہ تعالیٰ کی وہ قدر نہیں کی جس کی وہ لائق تھے ہر کام اللہ کے

ارادہ سے ہوتا ہے قرآن میں ہے

واذاسئلک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذادعان

کیا بغیر واسطہ کے درخواست موصول ہوتی ہے یا کہ کسی کے ذریعہ گویا جب رب العزۃ سے مانگے تو اللہ تعالیٰ ہاتھ پھیلاتے ہیں کہ مجھ کو درخواست دیدے لیکن تو کہتا ہے کہ میں تجھے نہیں دیتا۔ فلیستجیبوالی ولیئومنوابی لعلہم یرشدون۔ لوگوں نے کہا کہ جس طرح انسان ہر کام نہیں کر سکتا اسی طرح نعوذ باللہ رب العزۃ بھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے تو ہر کام اپنے پاس رکھا ہے

اللہ تعالیٰ نے تو کہا کہ مانگو صرف مجھ سے لیکن یہ کہتے ہیں کہ ہماری درخواست تھرو نہیں جاتی۔ کچھ لوگوں کو تحصیلدار کے دفتر میں کام ہوتا ہے کچھ کو کمشنر وغیرہ کے دفتر میں ہر ایک اپنی حاجت روائی کے لئے اس حاجت کے متعلقہ دفتر میں جاتا ہے جہاں لوگوں کی حاجت روائی تقسیم ہو گیا اللہ کے دربار میں سوا دربار مسجد کے اور کوئی دربار ہے کہ جو چیز مانگو وہ اسی دفتر سے تعلق رکھتی ہے یہیں سے مانگ۔ اَنَّ المَسَاجِدَ لِلّٰہ فلاتد عُوامعَ اللّٰہِ احداً۔ مانگنے کے سلسلہ میں مسجد میں آؤ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ مانگو بچپن سے ماں باپ الحمدللہ الخ سکھاتے ہیں اور ہر نماز میں ہر رکعت میں ہم یہ تلاوت کرتے ہیں ایاک نعبد وایاک نستعین کہ صرف تجھ سے مانگتے ہیں۔ اور

صرف تیری بند گی کرتے ہیں مگر اتنا کہنے کے باوجود بھی غیر اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہیں۔

حضرت پیران پیر شیخ عبد القادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ ان کے پیر حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی عوارف المعارف میں فرماتے ہیں کہ اس شخص سے بڑا بے ادب کوئی نہیں ہو سکتا کہ اللہ نے نزد فرمایا کر سیدھی مجھ سے درخواست کرو اور وہ کہے کہ میں تو دوسروں کے ذریعہ کروں گا۔

توحید یہ ہے کہ ہر امید و خوف و ضرر و نفع کا مرکز صرف رب العزۃ کو سمجھے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد درجہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ خود قرآن شریف بیان کر رہا ہے اگر قرآن نہوتا تو شاید یہ لوگ ہمارا کیا حال کرتے قرآن فرماتا ہے قل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا الا ماشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محمد ! کہدے کہ میں اپنے نفس کے نفع نقصان پر قادر نہیں ہوں مگر جو اللہ تعالیٰ چاہیں۔ گھر گھر میں قرآن ہے جس بزرگ کا ترجمہ دیکھو اسی طرح ہو گا۔ شرک بری چیز ہے عیسائی کہتے ہیں کہ اللہ کے ایک لاکھ ۲۴ ہزار پیغمبروں کے دور میں بھی مشرک رہے ہیں۔ مگر جو نبی آخر الزماں کی خیر الامم امت ہے اس سے بڑھ کر مشرک کوئی نہیں کیونکہ ان کے دو تین بت تھے اور ان کے تو بے شمار ھیں۔ ہم نے جہاں جھنڈا دیکھا وہاں رش کر دیا پرستش شروع کر دی دو چار روز ہوئے میں اوچ شریف میں زیارت کیلئے گیا ہوں

اور امام ربانی و پاکپتن شریف وغیرہ کی خانقاہوں کی زیارت بھی کی ہے مگر اس طرح کی جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا پیغمبر علیہ السلام کے علاوہ کسی کا درجہ خدا کے بعد نہیں۔ شرک ختم مختصراً۔ اس کے بعد دوسری بدعتہ وہ ہے کہ دین کو غیر دین اور غیر دین کو دین بنانا تخلیق الطاعتہ من غیر دین۔ دین بنانا تو اللہ تعالیٰ کا حق ہے، ہمیں کیا حق ہے کہ دین تجویز کریں اگر ہم اپنا بنایا ہوا دین لے گئے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میرے پاس اس کا اجر نہیں کیونکہ یہ دین میں نے تو نہیں بھیجا۔ بدعت کے متعلق حدیث شریف میں آیا ہے۔ خیر الامور عوازمھا و شر الامور محدثتہا و کل محدثتہ بدعتہ و کل بدعتہ ضلالہ و کل ضلالتہ فی النار او کما قال الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ کہ دین میں نئی بات پیدا کرنے والے کے لئے جہنم ہے۔ دو بنیادی چیزیں ہیں بدعتہ و شرک دو اور ہیں جو سارے دین کی روح ہیں ایک الحب لغیر اللہ۔ البغض لغیر اللہ۔ ہمیں محبت حالانکہ اللہ تعالیٰ کو اس شئی سے محبت نہیں ہمیں بغض حالانکہ رب العزۃ کو اس شئی سے بغض نہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کو تمام نیکیاں پسند اور تمام گناہ ناپسند ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کے ناپسند ہمیں پسند اور پسند ہمیں ناپسند (تشریح قرآن) آسمان پر روشنی ڈالتے ہیں تو بہت ستارے نظر آتے ہیں۔ لیکن روشنی کا مرکز سورج ہے ستاروں میں روشنی آفتاب کی جھلک کی روشنی ہوتی ہے۔ متعدد اشیاء ہوتی ہیں مگر مرکز ایک ہوتا

ہے تو تمام برائیوں کا مرکز شیطٰن اور تمام نیکیوں کا مرکز رحمٰن اور بھلائیوں کا مرکز رحمٰن اس لیے پہلے اعوذ باللہ کی تعلیم دیگئی کہ دل میں شیطٰن کا بغض زندہ رکھنا اور اس کے بعد تعلیم بسم اللہ کی دی گئی کہ دل میں رحمٰن کی محبت زندہ رکھنا۔ امام غزالی رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ پیاسے کو اتنا پانی پسند نہیں جتنا شیطان کو گناہ پسند ہے شیطان انسانی اور جنی ہوتے ہیں جو لوگ بری بات کہنے والے ہوں وہ انسانی شیطان ہیں۔ قران من الجنتہ و الناس اللہ تعالیٰ کو پسند طاعت و نیکی اور شیطان کو پسند کفر و گناہ ، اسی نکتہ کے تحت کائنات تقسیم ہے کہ شیطانی مرکز کہ لوگوں کا عقیدہ بگاڑو یہ بڑا گناہ ہے جو کفر ہے اور دوسری کہ گناہ کرواؤ یہ کفر سے کم ہے یعنی پارٹی ہے مثلاً عیسائی عیسائیت میں اور مرزائی مرزائیت میں وغیرہ کوشاں ہیں اور شیطان نامراد ان کارناموں پر بہت خوش ہوتا ہے۔ تو مطلب یہ ہے کہ شیطان و رحمٰن کے کارندے پھیلے ہوئے ہیں۔ رحمٰن کے کارندے دنیا میں رحمٰن کے کام کو پھیلاتے ہیں اور شیطان کے کارندے دنیا میں شیطان کے کام کو پھیلاتے ہیں۔ تو بدلوگ شیطان کے کارندے اور نیک لوگ علما کرام وغیرہ رحمٰن کے کارندے۔ قرآن شریف میں دونوں پارٹیوں کے متعلق بیان ہے اولئک حزب الشیطٰن الخ کہ شیطان کی پارٹی نقصان میں ہے اولئک حزب اللہ اور اللہ کی پارٹی کامیاب ہے نفع میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے

دین کو پھیلانے والے سب اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی پارٹی ہیں اور اللہ تعالے نے تو دنیا میں خبر دیدی ہے کہ میری پارٹی کامیاب ہے۔ اس سلسلہ میں تحفظ ضروری ہے کہ مثلاً ملک میں متعدد پارٹیاں ہیں، مسلم لیگ کے ممبر مسلم لیگ سے محبت رکھتے ہیں کیونکہ مقصد ایک ہے اور عوامی لیگ والے عوامی لیگ سے کیونکہ مقصد ایک ہے اگر یہ ممبر آپس میں نفرت نہ رکھیں بلکہ محبت رکھیں تو ان کے مقصد میں پختہ ارادہ نہیں تو کامیابی کی کوئی توقع نہیں۔ اب ایک پارٹی رحمانی اور ایک شیطانی اگر ہم نے شیطانی پارٹی سے نفرت نہ کی تو کام کو محفوظ نہ کر سکیں گے اگر اپنی پارٹی کے علاوہ شیطانی پارٹی سے محبت رکھی تو معلوم ہوا کہ ہمیں اپنی پارٹی سے پختہ محبت نہیں۔

تو قرآن میں ہمیں اعوذ باللہ سے یہ سبق ملا کہ شیطان اور اس کے کارندوں سے بغض کرنا اور بسم اللہ سے یہ سبق ملا کہ رحمٰن اور اس کے کارندوں سے محبت کرنا۔ ابی داؤد، ترمذی، نسائی شریفین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث صحیح ہے کہ من احب للہ جو شخص اللہ تعالیٰ کیلئے محبت کرے وابغض للہ اور اللہ تعالیٰ کے لئے بغض کرے واعطی للہ اور اللہ کیلئے دے یعنی اللہ تعالیٰ کے دین پھیلانے میں جو صرف کرے ومنع للہ اور اللہ تعالیٰ کے لیے روکے یعنی شیطانی کارندوں کو کچھ نہ دے فقد استکمل الایمان۔ تو اس کا

ایمان مکمل ہے۔ تو معلوم ہو گیا کہ محبت اللہ کی وجہ سے بغض اللہ تعالی کی وجہ سے مال دینا نہ دینا اللہ کی وجہ سے یہ چار چیزیں جس میں ہوں تو اس کا ایمان مکمل ہے۔ محبت للہ کی تشریح کہ دو چیزیں ہیں کہ اللہ تعالی کو اعمال یا اشخاص سے محبت تو آپکو بھی اس سے محبت۔محبت وہ نہیں جو ہم خود اختیار کریں بلکہ وہ جو بتلائیں۔ مثلاً رب العزۃ کو انبیاً علیہم السلام سے محبت خصوصاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت تو ہم پر ان کے ساتھ محبت فرض۔ اللہ تعالی کو ملائکہ اور تمام مؤمنین و صالحین سے محبت تو ہم پر بھی محبت فرض یہ نہیں کہ اللہ کے ساتھ تو محبت اور اس کے محبوب کے ساتھ محبت نہیں قرآن میں ہے۔ اللہ ولی المؤمنین۔انبیاً علیہم السلام کے ساتھ محبت ایک ملائکہ کے ساتھ محبت دوم، سوم مؤمنین کے ساتھ محبت۔ مومنین درجہ بدرجہ ہیں تو محبت درجہ بدرجہ ہو جو زیادہ اقارب ہیں ان سے زیادہ محبت ، محبت تمام مؤمنوں سے ہو مگر اپنے اقارب سے محبت زیادہ ہو۔ اسلام پر اگر ایک دس منٹ عمل ہو جائے تو تمام مسلمان سدھر جائیں، قرابت اسلام کی شرط نہیں اگر رشتہ دار غیر مسلم ہو تو اس سے باقی کے علاوہ محبت زیادہ ہو۔ جنگ حنین کے موقع پر کفار کا لشکر ۴ ہزار اور مسلمانوں کا لشکر ۱۲ ہزار تھا یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی ورنہ ہمیشہ مسلمانوں کی تعداد اکثر دس گنا کم رہی ہے تو اس موقعہ پر بعض

اصحابہؓ نے کہا لن نغلب الیوم۔ آج ہمیں کوئی شکست نہیں دے سکتا اللہ تعالیٰ کو یہ لفظ ناپسند گزرے کہ یہ مجھ پر نہیں بلکہ تعداد پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ تو ہوازن قبیلہ ۴ ہزار کی تعداد میں پہاڑوں میں چھپ کر بیٹھ گئے اور مسلمانوں کو کوئی پتہ نہیں تو جب انہوں نے تیر برسانا شروع کئے تو حضور ﷺ اور چند صحابہ کے علاوہ باقی سب بھاگ گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر دیکھو کہ اکیلے چند اصحابہ کے ساتھ میدان میں کھڑے ہیں ٹھہر کر پکارا کہ نبی شکست کے وقت بھی نبی ﷺ ہوتا ہے۔ میں نبی ﷺ ہوں بعد میں جب لڑائی لڑی گئی تو اللہ تعالیٰ نے فتح دی اور بہت مال غنیمت ملا کیونکہ کفار تمام مال لیکر آئے ہوئے تھے۔ چھ ہزار افراد جو قیدی ہوئے عورتیں، بچہ وغیرہ شامل تھے، چالیس ہزار چھٹانک چاندی۔ بے شمار اونٹ، بھیڑ، بکریاں وغیرہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا تو صحابہؓ نے کہا کہ چلو حضور ﷺ کیخدمت میں مال کی تقسیم جنگ کے قاعدہ کے مطابق درخواست کریں۔ ان قیدیوں میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن شیماؔ تھیں۔ جب انہیں آپ کی خدمت اقدس میں لایا گیا، آپ ﷺ نے فرمایا کوئی نشانی دیں۔ بچپن میں ان کی پیٹھ پر آپ نے دانت مبارک چبھوئے تھے اس کے نشان باقی تھے وہ دکھائے گئے اس پر آپ نے فرمایا یاد آگیا۔ تو آپ نے اپنی چادر مبارک بچھا کر انہیں اس پر بٹھایا اور مرحبا فرمایا پھر فرمایا کہ جی چاہے

تو آپ میرے ہاں عزت سے قیام کریں اور اگر اپنی قوم میں جانا پسند کریں تو آپ کو روانہ کر دیں۔ کہنے لگیں اب تو میں جانا چاہتی ہوں پھر آ جاؤں گی۔ اور ایمان لائیں۔ تو آپ ﷺ نے انہیں غلام، کنیز اور ایک اونٹ دے کر بڑے احترام سے روانہ کیا اور قبیلہ ہوازن کیوجہ سے یہ رضاعی بہن ٦ ہزار قیدی بھی چھڑا کر لے گئی۔ ہوازن کے لوگ مسلمان بھی ہو گئے کیونکہ اماں حلیمہ قبیلہ سعد بن بکر بن ہوازن سے تھیں۔ ان لوگوں نے کہا آپ نے ہمارے قبیلہ کی خاتون کا دودھ پیا ہوا ہے۔ اگر آج کوئی دوسرا بادشاہ ہوتا تو وہ ہم پر رحم کرتا۔ مگر ہمیں آپ سے رحم کی زیادہ امید ہے۔ کیونکہ آپ تو فضل و شرف میں ہر ایک سے بڑھ کر ہیں۔ قبیلہ بنی سعد آج تک فخر کرتا ہے کہ ہماری عورت کا نبی ﷺ اکرم نے دودھ نوش فرمایا اور بندہ خدا وہ فخر کیوں نہ کریں، کوئی کم ہستی نے تو دودھ نہیں پیا؟ ایک مرتبہ بنو سعد کا ایک مردج پر آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے زیادہ اس سے محبت فرمائی تو معلوم ہو گیا کہ درجہ بدرجہ محبت ہونی چاہیے رشتہ داروں سے زیادہ محبت۔ بات یہ ہے کہ دارومدار سب محبت پر ہے۔ حضور ﷺ کو باقاعدہ محبت تھی بے قاعدہ نہ تھی تو ہمیں بھی اسی قاعدہ پر محبت رکھنی ہو گی۔ حضر بلالؓ حبشی سے محمد رسول اللہ ﷺ کو محبت تھی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرما گئے تو کچھ دنوں بعد حضرت بلالؓ

حبشی ہجرت فرما گئے پوچھا گیا کہ کیا وجہ آپ نے فرمایا کہ روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب دیکھتا ہوں تو جی جلتا ہے تو ڈر لگتا ہے کہ جان نہ نکل جائے آج سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ حبشی کی آذان ختم ہو گئی یہ ہوتی ہے محبت حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں تشریف لے آئے فرمایا بلال رضی اللہ عنہ ہجرت کیوں کی، بس جب صبح ہوئی بستر اٹھایا مدینہ کی راہ لی جب مدینہ میں خبر ملی تو بچے، بچیاں وغیرہ سب مدینہ سے باہر بلال رضی اللہ عنہ کی خاطر آ گئے کہ استقبال کریں گے۔ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو کہا کہ کیا خدمت کروں بچے بچیوں نے کہا کہ اذان سنا دو فرمایا میں نے تو پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی کو اذان نہیں سنانی۔ انہوں نے کہا ہم بھی حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پڑوسی تو ہیں۔ اس وقت اذان کیلئے صرف چھت تھی جس پر اذان دی جاتی تھی مگر ۳ میل دور آواز جاتی تھی جب اذان فرمائی تو ہر ہر گھر سے بچے بچیاں اور بڑوں کے رونے کی آوازیں آنے لگیں کیونکہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ یاد آگیا یہ ہوتی ہے محبت۔

یہ اس لئے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حبشی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے محبت تھی نہ کہ ابولہب جو چچا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ حبشی سے محبت تھی قرآن میں ہے۔ تبت یدا ابی لھب و تب ما اغنی

عنہ الخ اللہ نے فرمایا کہ ابولہب اس کی کمائی برباد ہو جائے اور اس کی بیوی جو حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے راستہ میں کانٹے بچھایا کرتی تھی۔ ہماری محبت بھی اسی قاعدہ صحیح کے مطابق ہونی چاہیے۔ دیکھو سلطان سکندر کتنا بڑا بادشاہ گزرا ہے مگر نام حضرت بلال رضؓ حبشی کا زندہ ہے اقبال کہتا ہے"

اقبال کس کے عشق کا فیضِ تمام ہے
رومی فنا ہوا حبشی رضؓ کو دوام ہے

مگر ہم ان سے محبت کرتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ بغض فرماتے ہیں کفار کی دوستی سے ہندوستان کی حکومت گئی جب انگریز آئے تو نظام حیدر، حیدر آباد دکن سے اور کوئی بنگال وغیرہ سے انگریزوں کے ساتھ ہوئے تو جب قلعہ باقی رہ گیا باقی سب سلطنت مسلمانوں کی برباد ہو چکی تھی تو سکھوں نے قلعہ پر حملہ کرنے سے انکار کر دیا کہ اس قلعہ کے سامنے لاکھوں مسلمانوں کی گردنیں جھکا کرتی تھیں یہ ان کی مقدس جگہ ہے ہم اس پر حملہ نہیں کرتے تو انگریزوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ان میں ایک قوم پیسہ کی اتنی لالچی ہے کہ پیسہ کے عوض خانہ کعبہ کو بھی حملہ میں لے لیں۔ وہ مسلمان ہیں تو چند عہدوں کی لالچ دے کر مسلمانوں سے تیر چلوائے فائر کروائے تو قلعہ میں بہت سی شہزادیاں اس حالت میں شہید ہوئیں کہ تلاوت قرآن کر رہی تھیں۔ اسی طرح ابن علقمی جو مستعصم

کا ماتحت تھا صرف ذاتی کش مکش کی بنا پر ہلاکو و چنگیز کے ساتھ مل
گیا میدان سے فوج کسی دوسرے علاقہ میں منتقل کر دی اور جب
مستعصم نے پوچھا کہ حملہ آور آچکے ہیں کیا کریں کہا کہ صلح کرلیں یہ
آپ کو کچھ نہیں کہیں گے بلکہ اپنی لڑکی کا بیاہ آپ کے لڑکے
سے کریں گے آپ ہتھیار ڈالدیں تو صرف اس سازش کی وجہ سے
علماء کرام و بنو العباس قبیلہ کے لوگ دس لاکھ کی تعداد میں ایک دن
میں قتل کردئے گئے اور دریائے دجلہ کا پانی پانچ دن سرخ رہا۔ آج
مسلمان کافر دوستی ترک کردیں تو سب کام درست ہو جائیں۔ ورنہ
ہم پر بھی خدا کی آفت قریب ہے۔

درس نمبر: ۲۳
29 مارچ 1964ء

شیطانی اعمال سے نفرت

اعوذ باللہ و بسم اللہ کا بیان کیا تھا کہ بسم اللہ ہمیں سبق دیتا ہے کہ محبت کا مرکز رحمان اور اعوذ باللہ ہمیں سبق دیتا ہے کہ عداوت کا مرکز شیطان۔ تو ہماری رائے عداوت شیطان کی طرف متوجہ ہو۔ اور پھر مبلغ شیطانی کی طرف۔ یعنی شیطانی چیزوں کی تبلیغ کرنے والے۔ تیسرے شیطانی اعمال مثلاً کفر۔ گناہ کبیرہ یا صغیرہ یہ اعمال شیطانی ہیں ان سے عداوت۔شیطانی راہ پر لے جانے والے کام سے عداوت رکھنی چاہیئے۔ تو شیطان کی منشا پوری کرنے والی تین چیزیں ہیں نمبر 1 شیطان، نمبر 2 مبلغین شیطانی، نمبر 3 اعمال شیطانی۔ ہمیں ان تینوں سے عداوت رکھنی چاہیئے۔ کسی نے حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ حضرت ایمانً گناہ چھوٹا کہ بڑا۔ فرمایا یہ بتاؤ چنگاری اور انگارہ میں کیا فرق ہے۔ اس آدمی کا دل تھا کہ اگر صغیرہ کہیں تو گناہ کر ڈالوں کپڑوں کے صندوق میں انگارہ و چنگاری دونوں مضر ہیں۔ دل صندوق۔ ایمان

کپڑا۔ اگر کم گناہ کیا تو یہی نقص امن کا خطرہ اور اگر گناہ کبیرہ کیا تو تب بھی نقص۔ تو مسلمان اس وقت بچ سکتا ہے جب ان تین مذکورہ بالا سے عداوت رکھے۔ بدعت تو اس سے بھی بڑھکر ہے کیونکہ وہ تو غیر دین کو دین سمجھ کر کرتے ہیں جسکی وجہ سے بدعتی کو مرتے دم تک توبہ نصیب نہ ہو گی۔

اور بسم اللہ کے بیان میں بتلایا کہ یہ سبق دیتا ہے کہ محبت کا مرکز رحمان ہے تو سب سے اول محبت رب العزۃ سے دوم اللہ تعالی کے مبلغین سے وہ انبیا علیہم السلام ہیں درجہ بدرجہ خاص کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اسکے بعد علماء ربانیین سے محبت علماء کرام وہ جن کا علم و عمل صحیح ہو کیونکہ یہ اللہ تعالی کا اسٹاف۔ عملہ ہے۔ اور تیسرا ہمیں اعمال رحمانی سے محبت رکھنی چاہیے۔ اور اعمال اللہ تعالی کو تین پسند ہیں نمبر 1 ایمان، نمبر 2 طاعت، نمبر 3 بدعت سے بچنا۔ اعمال رحمانی بدعت سے بچنا۔ ایمان طاعت تو اللہ تعالی کی محبت کے سلسلہ میں ان سے ہمیں محبت رکھنا ہو گی مسلمانوں پر مہربانی کرنی ہو گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور مسلمان جو کسی بھی قصبہ میں ہو اس سے محبت کرنی ہو گی۔ ایک مرتبہ صحابہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض وقت لوگ نیک لوگوں سے محبت کرتے ہیں

لیکن اعمال انکے برابر نہیں تو قیامت میں کیا بات ہو گی۔ فرمایا اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ۔ جس کو جس سے محبت ہو گی قیامت میں اسی کے ساتھ ہو گا۔ اور فرمایا کہ آج تک میرے صحابہؓ کسی جملہ سے اتنے خوش نہ ہوئے ہونگے جتنا کہ اس جملہ سے دیکھو صحابہؓ برگزیدہ ہونے کے باوجود بھی قیامت کا خیال رکھتے ہیں۔ اور ہم اتنے گناہگار ہونے کے باوجود دنیا کا خیال رکھتے ہیں صحابہؓ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی عاشق تھے غزوہ بدر میں انہوں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ حکم فرماویں کہ اپنی جانوں کو سمندر میں ڈالدو تو ہم اپنی جانیں سمندر میں ڈالنے کے لئے تیار ہیں۔ ابوداؤد شریف میں حدیث ہے کہ ایک صحابیؓ کو اللہ تعالی نے مال دیا تو اس نے ایک بالاخانہ تعمیر کرالیا۔ قبل زمانہ میں مدنیہ منورہ میں بالاخانہ نہیں ہوا کرتے تھے اتفاق سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے گذرے فرمایا یہ کس کا مکان ہے تو صحابیؓ کا نام بتایا گیا۔ کچھ دیر کے بعد وہ صحابیؓ مجلس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تشریف لے آئے تو سلام کیا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ مبارک اپنی طرف اچھا نہ پایا جو روزانہ ہوا کرتا تھا۔ ہم ساری عمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف زندگی بسر کرتے ہیں اور دو تین مولود شریف پڑھ کر عاشق رسول بن جاتے ہیں۔ عاشق رسول دنیا میں کیا شمار۔ بلکہ آخرت میں بھی عاشق رسول شمار ہو۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

بے توجہی کی ایسی چوٹ لگی کہ اتنی والدین کے مرجانے پر نہ لگے۔ صحابہؓ سے پوچھا گیا کہ بے توجہی کی کیا وجہ ہوگی تو باقی صحابہؓ نے مکان والا واقعہ سنا دیا تو وہاں سے سیدھے گئے اور مکان کو گرا کر زمین کے برابر کر دیا فقط مکان کا واقعہ سنا اور یہ یقین نہیں کہ رنجش مکان والی کہ کسی اور بات کی اور کوئی حرام چیز تو نہیں بنائی بنایا تو مکان تھا مگر یہ شایان صحابہؓ کے موافق نہ تھا کیونکہ صحابہؓ تو دین نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو پھیلانے کے لئے آئے ہیں نہ کہ بنگلہ بنانے کیلئے انکو تو مسافر رہنا چاہیئے۔ ہمیں بھی یہاں سے سبق حاصل کرنا چاہیئے کہ ناجائز تصرف سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوتے ہین دیکھو کتنی محنت کی چیز بنی ہوئی تھی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنی ناراضگی برداشت نہ ہو سکی مگر لطف کی بات یہ ہے کہ اس گرانے کا حضرت سے ذکر تک نہیں کیا ہمارے ہاں تو اگر کوئی کسی پر احسان کرے تو ہزار بار جتلاتا ہے ایک مولوی صاحب کو کسی نے آم کا تحفہ دیا 12 مہینہ میں مختلف وقت پوچھا کرتا تھا کہ مولوی صاحب آم میٹھا تھا پسند آیا کہ نہیں۔ پھر اتفاق سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں سے گذر ہوا تو مکان نہیں تھا پوچھا تو واقعہ بیان کیا گیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا اس جگہ خرچ کرنی چاہیئے جو کبھی جدا نہ ہو خیر صحابہؓ کو حقیقی معنی میں محبت تھی۔ ایک دن صحابہؓ کو خیال گذرا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا

زندگی میں تو دیدار نصیب ہوتا ہے مگر یہ زندگی تو محدود اور تنگ ہے
آخرت میں ہم ادنیٰ درجہ میں ہونگے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مقام
عظیم میں ہونگے دیدار نصیب نہ ہوگا تو مل کر حضور صلی اللہ علیہ
وسلم کی خدمت اقدس میں گئے عرض کی کہ بڑی مصیبت پیش آئی
اور واقعہ سنایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اللہ تعالیٰ کی توجہ
ہوئی خود اللہ نے فرمایا۔ مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ
اللّٰہُ عَلَیْہِمْ الخ۔ تو اللہ تعالیٰ نے عرش سے حکم فرمایا کہ جس نے اللہ و
رسول سے سچی محبت سے اطاعت کی تو اسکو جنت میں معیت
نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہوگی اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ 20
صدی کے زبانی جمع خرچ والے عاشق آئیں گے۔ تو اس لئے فرمایا
مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ الخ کہ اللہ و اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی
اطاعت جو کریگا اسے جنت میں معیت نصیب ہوگی۔ معلوم ہوا کہ
محبت لسانیہ کا ثمرہ نہیں بلکہ محبت حقیقی کا ثمرہ جنت میں معیت
ہے۔ تو کتنی مہربانی اور کتنا بڑا احسان فرمایا کہ اربوں روپیہ سے
بھی یہ معیت نصیب نہ ہوا ایک تو رسول کی معیت عظیم دولت شہید
وصالحین وغیرہ دوسرا جو ان سے صرف محبت رکھے گا اور اطاعت
میں برابری نہیں تو وہ بھی جنت میں ساتھ ہوگا۔

دنیا میں کروڑ پتی اگر یہ اعلان کر دیں کہ جو ہماری
محبت رکھے گا اسے اتنا مال دیا جائے گا یہ کتنا احسان ہے مگر اسکے

مقابلہ میں معیت اخروی کو بقا ہے جو ہمیشہ رہے گی تو یہاں یہ شبہ ہو گا کہ درجہ کی برابری ہو گئی! جواب معیت کیلئے اطاعت ذریعہ ہوتی ہے مراتب کا فرق ہوتا ہے۔ جو تابعدار ہو وہ اپنے آقا کا نوکر اور غلام ہوا۔ تو میں یہ پوچھتا ہوں کہ کراچی کے میٹروپول ہوٹل میں اگر صدر ایوب کی دعوت ہو تو اسکا خاص چپڑاسی بھی تو ساتھ جائے گا تو کیا اسکے مرتبہ میں پہنچ جائے گا۔ تو ادنی وغیرہ سب غلاموں کی صورت میں جنت کی معیت میں ہونگے۔ جس نے اللہ تعالی کی اطاعت کی وہ خادم اور مخدوم سب ملکر جنت میں ہونگے۔ انگریز کے دور حکومت میں اس خبیث نے ہم سے سب نعمتیں چھین لیں اطاعت وغیرہ سب کچھ تباہ کر دیا اور ایک ایسی دنیا مسلط کر دی کہ مسلمانوں کو پوری تاریخ سے بیگانہ کر دیا نہ ذھن رکھا نہ فکر مسلمانی نہ نیکی ایک بات باقی تھی نیکوں سے محبت۔ انگریز خبیث نے ایسا کیا کہ وہ محبت بھی نصیب نہ ہوئی۔ انگریزوں نے علماء کرام و نیکوں کے خلاف نفرت پھیلائی تاکہ انہیں نیکوں کی محبت نصیب نہ ہو۔ مسلمان ہو کر کسی داڑھی والے کو دیکھ لیں تو اتنی بری مذاق کرتے ہیں کہ سننے کی نہیں ہوتی پھر خوش ہوتے ہیں۔ محبت کے سلسلہ میں پہلا سبق تسمیہ واستعاذہ کا دیا کہ وہ مرکز عداوت و مرکز محبت ہے۔ دوسرا یہ کہ اعوذ باللہ ہمیں [اور بسم اللہ] اعتقادی سبق دیتے ہیں کہ مسلمان کا کیا عقیدہ ہونا چاہیے۔ ہم نے اعوذ باللہ میں اللہ تعالی سے سہارا لیا

یعنی ضرر کے ہٹانے اور نفع کے حاصل کرنے میں ہم نے اللہ تعالی سے سہارا لیا اور شیطان سے بچ گئے۔ صرف اللہ کے سہارا سے ہمیں ان اعوذ باللہ و بسم اللہ نے درس دیا کہ سہارا صرف اللہ تعالی کا ہے ورنہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا لفظ ملا دیا جاتا۔ تو معلوم ہوا کہ موثر صرف اللہ تعالی کی ذات پاک ہے۔ اب میں اس مسئلہ کو واضح کرتا ہوں کیونکہ یہ بنیادی مسئلہ ہے ایک ہے موثر ایک سبق یہ دیا کہ موثر وہ ہے جو اصلی کام خود کرے اور دوسرا اسباب اس چیز کا نام ہے جو کام کا ذریعہ بن جائے تو سبب کام کا ذریعہ اور موثر کام کرنے والے کو کہتے ہیں۔ موثر حقیقی مسلمان کے عقیدہ میں صرف رب العزۃ ہیں باقی سب اسباب ہیں۔ تقسیم اسباب۔ اسباب دو قسم کے ہیں ایک اسباب مامورہ دوسرا اسباب منعیہ۔ اول اسباب مامورہ کہ اللہ تعالی نے امر فرمایا دوم اسباب منعیہ کہ اللہ تعالی نے منع فرمایا۔ پھر دو قسم ہیں اسباب قطعیہ، یقینیہ اسباب قطعیہ یہ ہیں کہ ایمان عمل صالح یہ جنت کے لئے سبب ہیں۔ مثلاً روٹی کھانا سیر ہونے کیلئے۔ پانی پینا پیاس بجھانے کیلئے۔ قرآن اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ الخ اللہ تعالی نے فرمایا کہ جسکو جنت لینا ہے نیک عمل کرے مگر ہم اسباب دنیا میں کوشش کرتے ہیں حالانکہ یہ چند دن کیلئے ہیں اور آخرت کے اسباب باقی ہیں۔ پھر اسباب یقینیہ و قطعیہ کی دو قسمیں ہیں اخرویہ و دنویہ اخرویہ مثلاً ایمان طاعت وغیرہ

اور دنویہ کہ زندگی برقرار رکھنے کیلئے روٹی پانی وغیرہ اور یہ دنویہ فانی اور اخرویہ باقی رہے گی۔ یہ ہماری بدبختی ہے کہ ایک پر عمل کرتے ہیں دوسری پرجی نہیں چاہتا۔ حالانکہ اپنی چاہ کو تو اللہ تعالی کی چاہ پر قربان کردینا چاہیئے۔ کیونکہ اللہ تعالی تو فائدہ فرماتے ہیں۔ گاندھی نے بھوک ہڑتال کی تو ہم نے دین کو چھوڑ کر بھوک ہڑتال شروع کردی۔ اگر آدمی بھوک ہڑتال کر کے مرجائے تو خدا کے نزدیک دس ہزار مسلمان کے قاتل سے زیادہ مجرم ہے تو فقہ کا مسئلہ ہے کہ دوسرے کے قاتل کا تو جنازہ پڑھا جائے مگر خود کشی کرنے والے کا جنازہ بھی نہ پڑھا جائے خود کشی درست نہیں کیونکہ ہمارا وجود ہمارا نہیں بلکہ اللہ تعالی نے یہ وجود اس لئے عطا فرمایا کہ کھا پیکر اسکو باقی رکھو اور آخرت کیلئے کام کرو جس مین ہمیشہ رہنا ہے مگر ہم بالکل غافل ہیں۔ مثلاً مشین کو تیل دیا جاتا ہے تاکہ صحیح سالم رہ کر چینی وغیرہ اپنا مقصد پورا کرتی رہے۔ اگر اس مشین کو ختم کیا جائے تو یقینی بات ہے کہ مقصد فوت ہوجائے گا۔ اگر ایک آدمی کسی کو مشین دے کہ کپڑے سی لو وہ بجائے کپڑے سینے کے توڑ دے تو مالک ناراض نہ ہوگا کہ جس کام کیلئے دی تھی اسکے تو خلاف کیا ہے اس لئے خود کشی جرم۔ جسم کو آخرت کی کمائی کیلئے رکھو تم نے توڑ دیا تو مالک ناراض ہوگا اور سخت گرفت میں لے گا۔

اسباب قطعیہ کی دو قسم ہیں اسباب ظنیہ کے متعلق

بھی حکم فرمایا کہ اس کو اختیار کرو مثلاً زراعت۔ تجارت، صنعت و حرفت ملازمت یا دنیاوی تعلیم حاصل کرنا یہ ظنیہ ہیں یقینیہ نہیں۔ یہ روزی کے سبب ہیں ان اسباب کو مشین زندہ رکھنے کیلئے اختیار کرو کیونکہ روزی اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں چند لوگ مسجد میں بیٹھ کر ذکر اللہ کرنے لگے حضرت دُرّہ لیکر انکے پاس آ گئے فرمایا کہ تم روزی کمانے کیلئے دوڑو۔ نکمے مت بیٹھو کیونکہ سونا چاندی آسمان سے نہیں برستے۔

عمر ابن عبدالعزیز ابن جوزی نے علماء کو خطاب کیا کہ تم کمائی میں لگ جاؤ امت محمدیہ پر بوجھ مت بنو مگر آج کل تو روزی یہ ہے کہ امت محمدیہ کو غیر دین کی طرف پھیرو کسی کو کافر کہو تو نذرانہ تیار ہے۔ اور دین کی خدمت کو تو کچھ سمجھتے ہی نہیں۔ یا بیمار ہو جائے تو علاج کرو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہر مرض کیلئے دواء ہے فَاِذَا وَافَقَتْ دَوَاءُ الدَّاءِ جب مرض لاحق ہو تو دواء کرو مریض اللہ تعالیٰ کے حکم سے شفایاب ہو جائے گا ان کو ظنیہ کہا ذرا ظنی میں غور کریں تو سب چست ہیں مثلاً تاجر اپنی تجارت میں کتنا ہوشیار رہتا ہے صنعت و حرفت وغیرہ میں انسان کتنا ہوشیار رہتا ہے۔ ان کو ظنیہ کہا یقینی وہ کہ ان ٹل ہو کہ سبب اختیار تو نتیجہ حاصل۔ ظنیہ کی مثال زراعت

معاش کے لئے بڑا ذریعہ ہے۔ معاش کیلئے سب سے اول پیشہ آدمؑ سے زراعت شروع ہوا ہے اسکے بعد صنعت یہ ادریسؑ سے شروع ہوا ہے لیکن جب ہم کاشت کرلیں کبھی تو اولے پڑ گئے کبھی کھیتی نہیں ہوئی کبھی سردی کا غلبہ ہو گیا یہ اس بات کی دلیل ہوئی کہ موثر زراعت نہیں اسی طرح تجارت بھی ہمیشہ کامیاب نہیں رہتی اس سے بہت لکھ پتی بنے۔ بہت لکھ پتی اس تجارت میں اپنا پیسہ تباہ کر بیٹھے تو رب العزۃ نے فرمایا کہ کام تم کرو موثر میں ہوں میری منشا کہ نفع دوں یا ضرر۔ برما میں ایک ہندو کا لکڑی کا کارخانہ تھا جو جنگل سے ہاتھیوں پر ساگوان کی لکڑی کثیر تعداد میں منگوایا کرتا تھا جن سے گاڑی کے ڈبے بنائے جاتے تھے اس ہندو نے مسلمان عیسائی اور ہندو قوم کیلئے ہر ہر قصبہ میں الگ الگ رہائش کے مکان پانی کے تالاب باورچی خانے وغیرہ غرضیکہ ہر شے الگ بنائی ہوئی تھی اس ہندو کو اللہ تعالی نے کروڑ پتی سے زائد رقم عطاء فرمائی ہوئی تھی اسکے علاوہ کسی قوم میں سے مسلمان جائے کہے کہ مسجد بنوانی ہے دس ہزار روپیہ خرچ آتا ہے تو پانچ ہزار خود دیتا پانچ ہزار اس سے لیکر کام شروع کرا دیتا۔ ایک مرتبہ مولانا مرتضی حسن صاحب ناظم تعلیمات دیوبند برما تشریف لے گئے تو کہا کہ ہندو کو دیکھیں تو سہی آج کل اگر کوئی آدمی 20 روپیہ تنخواہ پائے تو مولوی کو دیکھتا ہی نہیں۔ کسی نے کہا کہ مولوی صاحب آئے ہیں تو قدموں پر گرا

خود تخت پر بیٹھا اور مولوی صاحب کو کرسی پر بٹھایا ہندوؤں کی عادت کے مطابق ہاتھ باندھ کر باتیں کرنے لگا برما میں بکا کائینکا کا لفظ اس طرح ہے جس طرح ہم بات کرتے بھول جائیں تو کہتے ہیں کیا کہا۔ اسی طرح ہر بات کے ساتھ کہتا بکا کائینکا کہنے لگا مولانا دنیا اچھی چیز نہیں بکا کائینکا پھر کہا کہ یہ آپ کی برکت دعا کی وجہ ہے بکا کائینکا مولانا نے فرمایا کہ اگر دنیا عمدہ چیز ہوتی تو تجھے ملتی۔ نہ تعلیم ہے نہ بات کرنے کا ڈھنگ ہے تو ہندو نے کہا کہ بالکل صحیح فرمایا تو تواضع موجود تھی۔ جو یقینی ذرائع ہیں وہ ان ٹل ہیں امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے مسئلہ فرمایا کہ تحت طاقت کی کنجی اللہ تعالی کے پاس ہے کیونکہ عقلمند تنگدست ہیں اور اکثر بیوقوف دنیا میں بہت کامیاب ہیں۔

ایک شعر فرمایا جس کا معنی یہ ہے۔

اگر دولت عقلمندی سے ہوتی تو میں آسمان سے ملتا مگر دنیا میں اکثر عقلمند عاجز ہوتے ہیں۔ واقع میں دیکھا جائے تو مؤثر حقیقی رب العزۃ ہیں اسباب ممنوعہ دو قسم ہیں مباشرتی اور ارادی۔ وہ یہ ہے کہ آدمی گناہ کیلئے سبب نہ بنے یعنی آدمی ممنوع اسباب اختیار نہ کرے اللہ تعالی کے سوا کسی کو اختیار نہیں۔ نظام عالم اللہ تعالی کے ارادہ اور چاہ پر چلتے ہیں۔ یہ سبق ہمیں بسم اللہ و اعوذ باللہ نے دیا کہ موثر حقیقی صرف اللہ تعالی ہیں اور کوئی نہیں بن سکتا کیوں نہ کتنے بڑے ہوں۔ کیا ابراھیمؑ کی خواہش نہ تھی کہ میرا باپ مسلمان ہو جائے۔ کافی

نصیحت کے باوجود کفر کی حالت میں فوت ہوئے قرآن اِنَّکَ
لَاتَھدِیْ مَنْ اَحبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللہَ یَھدِیْ مَنْ یَّشاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کی مدنی زندگی میں 16، 17 ماہ کی عمر میں فرزند فوت ہو گیا جب خبر
دیگئی تو کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا نہ تھی کہ میرا فرزند زندہ رہ
جائے جب تشریف لے گئے تو حضرت ابراھیم کی جان نکل چکی
تھی فرمایا کہ آنکھ آنسو اور دل غم محسوس کرتے ہیں مگر زبان سے وہ
بات نکالینگے جس سے اللہ تعالی ناراض نہ ہوں۔ وہ بادشاہ ہے جس
طرح چاہے کرے صرف حضرت ابراھیم نہیں بلکہ صرف حضرت
بی بی فاطمہؓ کے علاوہ باقی سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی
مبارک میں جانبحق ہو گئے۔ حضرت عبداللہ اور حضرت قاسم مکہ میں
فوت ہو گئے مدینہ میں حضرت بی بی رقیہؓ اور حضرت بی بی ام کلثومؓ
فوت ہوئیں اور حضرت بی بی فاطمہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے
وصال کے بعد چھ ماہ زندہ رہیں۔ یہاں ہمیں یہ سبق ملا کہ نظام عالم
صرف اللہ تعالی کے ارادہ سے قائم ہے۔ کیا نوحؑ کا ارادہ نہیں تھا کہ
میرا بیٹا سیلاب سے بچ جائے مگر نبی علیہ السلام کی آنکھوں
کے سامنے بیٹا موجوں کی زد میں آکر ڈوب گیا۔ معلوم ہو گیا کہ تمام
کائنات عالم کے اختیارات اللہ کے پاس ہیں۔ اور یہ بہت بڑی
طاقت ہے جو سب کاموں کو اپنے ارادہ سے پورا مکمل فرماتا ہے۔
دنیا میں دیکھو کہ ہر صدر نے کام عملہ پر تقسیم کئے ہوئے ہیں اگر

آدمی کو ایک دفتر میں کام ہو تو درست ورنہ کتنی پریشانی ہوتی ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں ایک پادری دہلی میں آیا دعوی کیا کہ میرے اعتراض کا کوئی مسلم جواب دے سکتا ہے! تو محبت کے دعوی کرنے والے ملاؤں نے سمجھا کہ اسکا جواب صرف شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ دے سکتے ہیں پادری نے شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض کیا کہ مسلم عقیدہ کے مطابق مسلمان کو اللہ سے محبت اللہ تعالی کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے تو میدانِ کربلا میں اللہ تعالی نے اپنے محبوب کے نواسہ کو دشمنوں سے نجات کیوں نہیں دی۔ مولانا نے کہا پادری تو نے سچ کہا یہ کہہ کر خاموش ہو گئے کچھ دیر کے بعد فرمایا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالی کو اپنے نواسہ کی عرض کی تھی مگر رب العزۃ نے فرمایا میرا ایک بیٹا تھا یہود نے پھانسی دیدی میں تیرے نواسے کو کس طرح بچاؤں۔ پادری سنتے ہی بھاگ گیا۔ حضرت مولانا افغانی مدظلہ نے فرمایا کہ تمام علم کتابی نہیں ہوتا شاہ صاحب نے کچھ دیر خاموشی اختیار کی تو اللہ تعالی کی طرف سے یہ جواب دل میں ڈالا گیا حضرت نے فرمایا کہ بعض باتیں اب درس میں القا ہو رہی ہیں۔ کبھی اللہ تعالی عام فائدہ کی خاطر خاص فائدہ کرتے ہیں۔ لوگوں نے میدان کربلا کو ماتم سمجھ رکھا ہے، نہیں شہید کا عظیم درجہ ہے۔ حضرت فاروق اعظمؓ دعا فرمایا کرتے تھے کہ یا اللہ شہادت ہو اور مدینہ منورہ

میں ہو لوگ کہتے تھے کہ امیر المومنین شہادت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں کیسے ہو گی آخر دعا قبول ہوئی ابولؤلو نے عین نماز کی حالت میں شہید کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فاروق اعظمؓ کے متعلق ارشاد ہے کہ اگر میرے بعد نبی ہوتا تو عمر فاروقؓ ہوتا لیکن نبوۃ ختم۔ اس درجہ کا آدمی شہادت مانگ رہا ہے اور ہم نے میدان کربلا کو ماتم سمجھ رکھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں سے کمالات میں بڑھ کر تھے مگر شہادت نصیب نہ ہوئی تھی۔ حضرت یحییٰ و ذکریاؑ کو شہادت نصیب ہوئی تھی۔ اگر اللہ تعالی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو شہادت دیتا تو اس آیت کے خلاف ہوتا کہ جس میں رب العزۃ نے فرمایا میں اپنے محبوب کو تمام دنیا سے بچاؤں گا ساری مخالف دنیا مل جائے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بال مبارک بیکا نہیں کر سکتی۔ لیکن رب نے حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے طریقہ سے شہادت عطا فرمائی کہ امام حسنؓ ناف سے لیکر سر تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مبارک کے مثل تھے اور امام حسینؓ ناف سے لیکر پاؤں تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مبارک کے مثل تھے رب العزۃ نے فرمایا کہ ان کے ذریعے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت بھی ہو گئی۔

درس نمبر: ۲۴
3 اپریل 1964ء

اِبتدائے کار بسم اللہ سے ہو

اس آیت سے یہ نتیجہ نکلا کہ اللہ پاک نے یہ تعلیم دی کہ ضرر سے بچنا ہو تو اللہ کا سہارا ہو۔ فائدہ حاصل کرنا ہو تو اللہ تعالی کا سہارا ہو۔ تو پہلے اعوذ باللہ فرمایا کہ اللہ کی وجہ سے ہم شیطان مردود سے پناہ مانگتے ہیں۔ اور جب کوئی کام کرو تو بسم اللہ سے شروع کرو۔ جو کام بسم اللہ سے شروع کیا جائے اس میں برکت ہوتی ہے۔ بسم اللہ سے یہ تعلیم دیگئی کہ جو اسباب اختیار کریں۔ قبل بسم اللہ پڑھنی چاہیئے حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ کُلُّ اَمرٍ ذِیْ بَالٍ فَھُوَ الخ کہ جو کام بغیر بسم اللہ کے شروع کیا جائے وہ بے برکت ہوتا ہے۔ تو یہ مطلب ہوا کہ عالم اسباب میں ہر کام بسم اللہ سے شروع کیا جائے۔ تاکہ برکت کھچ کر آ جائے۔ اللہ تعالی نے یہ تعلیم تو نہیں دی کہ اسباب کو چھوڑ دو بلکہ فرمایا کہ اسباب اختیار کرتے وقت مسبب الاسباب کو یاد کرو۔ یہ کافرانہ مزاج ہے کہ وہ صرف اسباب پر نظر رکھتے ہیں نہ کہ مسبب الاسباب پر۔

حضرت مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

عقل در اسباب مے دارد نظر
عشق مے گوید مُسبّب رانگر

اسلام کا یہ کمال کہ وہ جامع مسبب ہے یعنی جب بھی اسباب اختیار کرو تو مسبب پر نظر رکھو کیونکہ مثلاً ہم نلکہ سے پانی پیتے ہیں اور نلکہ میں پانی وہاں سے آتا ہے جہاں ذخیرہ آب ہے اگر وہاں سے پانی نہ آئے تو نلکہ سے پانی کس طرح حاصل کر سکتے ہیں۔ تو معلوم ہوا پانی ذخیرہ سے بذریعہ نلکہ آتا ہے۔ تو بھروسہ ذخیرہ آب پر رکھنا پڑیگا مگر ذخیرہ آب نظر نہیں آتا یہی حال ہمارا ہے کہ بھروسہ مسبب الاسباب پر ہو جو نظر نہیں آتا تو مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ اسباب این سببہا در نظرہا --- در حقیقت فاعل ہر شئی خداست۔ اسلام نے قلب اور انسانی زندگی کو پاک کرنے کیلئے اسباب اور مسبب دونوں کو ذکر کیا کہ ہاتھ اسباب میں اور دل مسبب میں متوجہ ہو۔ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ الخ کہ ذکر اللہ کے ماسوا نفع ممکن نہیں خواجہ بہاؤالدین ذکریا رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے تصوف کا خلاصہ کیا ہے فرمایا آج کل کے لوگ تو کہتے ہیں صوفی بے کار بنا دیتے ہیں مگر اس صوفی کے قول پر نظر تو کرو کہ زریں لکھنے کے قابل ہیں۔ فرمایا درویشی فقیری کا خلاصہ یہ ہے کہ دست در کار دل بایار۔ یہ بعینہ صحابہ کرامؓ کی تعریف ہے اس پر

روشنی ڈالتا ہوں کہ اللہ تعالی نے اسباب کا سلسلہ کیوں رکھا کہ
زراعت وغیرہ کوئی پیشہ کرو تو روزی دونگا ورنہ نہیں۔ یہ عالم
اسباب ہے بندہ اس وقت بندہ ہے جب اللہ تعالی سے جڑ جائے
ورنہ اگر کٹا رہا تو جانور ہے بلکہ جانور سے بھی بد تر ہے۔ اس لئے
فرمایا کہ جب اسباب اختیار کرو تو مسبب پر نظر کرو تا کہ بندہ اپنے
خدا سے جڑا رہے ایک فائدہ یہ کہ اگر بلا اسباب روزی دے تو
دے سکتا ہے اگر بلا اسباب دیتا تو ہم ٹانگیں پھیلا کر لیٹ جاتے ہم
بھی نکمے جہان بھی نکمہ ہوتا یہ جو رونق ہے پھول زراعت وغیرہ
سب زینت جہان ہے۔ یہ دنیا کی رونق چند دن کیلئے ہے۔ اللہ تعالی
نے فرمایا کہ عالم اسباب میں نہ انسان نہ جہان نکما ہو،
ہر ایک کے ذمہ کام مقرر ہے یہ جو رونق ہے یہ اسباب کے طفیل
ہے مثلاً یہ سڑکیں، ریلوے لائن وغیرہ انکے لئے اسباب ضرورت
ہے دوسری حکمت اسباب پیدا فرمانے کی یہ ہے کہ مثلاً اللہ تعالی
بارش بادل کے ذریعہ برساتا ہے اللہ تعالی بغیر بادل کے بارش
برسانے پر قادر ہے۔ لیکن عام طور پر بادل بارش کا سبب ہے اگر
اسباب کے ساتھ مسبب وابستہ نہ کرے تو انسان پریشان رہ جاتا
ہے تکلیف میں پڑ جاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر بغیر بادل کے بارش برساتا تو
کوئی آدمی سفر کر رہا ہوتا ہے کوئی گھر سے دور قرآن و عبادت میں

مشغول ہوتا ہے۔ کوئی اشیاء خوردنی وغیرہ بکھیرے ہوتا ہے۔ اور اس حالت میں اچانک آسمان سے بارش نزول ہو تو پھر انسان کیلئے باعث تکلیف بن جاتی۔ مگر اللہ تعالی نے بادل کو بارش کا اسباب بنایا کہ لوگو یہ سگنل ہے یہ گھنٹی الارم ہے بارش کا۔ اس سے بچنے کیلئے اپنے ہاتھ پیر ہلاؤ لکڑی اشیاء خوردنی وغیرہ سمیٹو سفر سے رک جاؤ تاکہ یہ بارش آپ کیلئے تکلیف کا سبب نہ بنے۔ خدا اپنے بندوں پر کتنا مہربان ہے۔ اسباب کے پیدا کرنے کی تیسری وجہ حصول اطمینان ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ اگر رب العزۃ روزی پوشیدہ رکھتے تو انسان بہت پریشان رہتا مگر اللہ تعالی نے روزی کھلی رکھی تاکہ انسان کو تسلی و اطمینان ہو۔ پوشیدہ روزی کی مثال مثلاً اگر عالم اسباب نہ ہوتا تو روزی کا تعلق براہ راست اللہ تعالی سے ہوتا اور اللہ تعالی پوشیدہ ہیں تو روزی بھی پوشیدہ ہوتی اور انسان انتظار میں پریشان رہتا اللہ تعالی نے روزی پوشیدہ دینے کا ارادہ نہیں کیا کہ تو پریشان نہ ہو اللہ تعالی یہ تو نہیں چاہتے کہ انسان پریشان ہو بلکہ اللہ تعالی نے ہر ایک کیلئے روزی کھلی رکھی تاکہ ہر ایک کو اپنی روزی کی لائن معلوم ہو کہ میری روزی زراعت میں دوسرا جانے کہ میری روزی ملازمت وغیرہ میں ہے۔ ایک تو اللہ پوشیدہ، دوسرا رزق پوشیدہ تو انسان پریشان ہو جاتا کہ روزی کہاں سے حاصل کروں حقیقت میں روزی اللہ تعالی سے وابستہ ہے۔ ظاہراً یہ زراعت و پیشہ وغیرہ

صرف انسان کے قلب کی تسلی کیلئے فرمائی یہ اللہ تعالیٰ نے درست انتظام فرمایا۔ ورنہ پریشانی ہوتی دنیا عالم اسباب ہے آخرت عالم اسباب نہیں۔ یہاں اسباب کے ذریعہ سے ملتی ہے اور وہاں بغیر اسباب کے ملے گی۔ اسباب دنیا میں حاصل آخرت میں اسباب دنیا ایک اسباب آخرت دوم لیکن عجیب انتظام فرمایا کہ کمائے تو ادھر لجائے ادھر اسباب دنیا مثلاً تجارت و زراعت ملازمت وغیرہ اسباب آخرت مثلاً ایمان روزہ حج زکوۃ وغیرہ یہ دنیا اور آخرت کمانے کی جگہ ہے ابدی جگہ کیلئے بھی یہ جگہ کمانے کی رکھی آخرت کمانے کیلئے وہاں اسباب نہیں رکھے بلکہ یہاں دنیا میں رکھے ہیں۔ تو معلوم ہو گیا کہ انسان نے مختصر زندگی میں دنیا و آخرت دونوں کمانی ہیں۔ یہ ہے اسباب ماموره اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ دنیا کی حلال روزی کماؤ اور آخرت کیلئے جنت کماؤ۔ دنیا محنت کی جگہ ہے اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا کہ کماؤ گے نہیں تو ملیگا بھی کچھ نہیں۔ عیسائیوں کی طرح صرف کھانے پینے و آسان کام پر اکتفا کر لینا قرآن وَاَن لَیسَ لِلاِنسَانِ اِلّامَاسَعٰی نہیں ہے انسان کیلیے مگر وہ جو سعی کرے وہ اپنی کوشش کا پھل دیکھے گا یہ دونوں جہانوں کا فرق ہے مطلب یہ ہوا کہ دنیا و آخرت کمانے کے اسباب کہاں ہیں وہ دنیا میں ہیں۔ ترمذی شریف میں ھٰھنا عملٌ ولاحِساب اس دنیا میں عمل ہے حساب نہیں ایمان کی یا کفر یا نیکی بدی کی حالت ہو حساب آخرت میں ہو گا۔

دنیا میں نہیں وغداً حساب ولاعمل اور کل آخرت کی وہاں حساب ہے عمل نہیں۔اللہ تعالی فرمائیں گے اتنی نعمتیں تم پر نازل کی تھیں۔ کیا کما کر لائے یہ حساب دینا پڑیگا اس وقت ہم پچھتائیں گے۔ اور عمل کیلئے دوبارہ مہلت مانگیں گے تو رب العزۃ فرمائیں گے اب جزا، سزا کا وقت ہے فرصت کا وقت تو ضائع کر کے آئے ہو اب اپنے اعمالوں پر پریشانی کوئی فائدہ نہ دیگی اس وقت نیک لوگ جو کچھ چاہیں گے بغیر عمل کے ملیگا قران وَلَکُمْ فِیھَا مَا تَشْتَھِیْ اَنْفُسُکُمْ وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَدَّعُوْنَ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ۔ ساتھ فرمایا کہ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ کہ یہ اللہ تعالی کی مہمانی ہے۔ مہمان دونوں تکلیفوں سے محفوظ ایک تو مہمان نواز کو حق مہمانی ادا کرنے میں خرچ رقم کی تکلیف ہوتی ہے دوسری انتظام کرنے میں تکلیف ہوتی ہے مگر مہمان بنکر پکی پکائی روٹی کھاتا ہے یہ بہت بڑی مصیبت بن جاتی ہے کیونکہ خود اپنے روزمرہ کے انتظام میں کتنی تکالیف ہوتی ہیں اگر مہمان آئے تو پریشانی اور زیادہ ہو جاتی ہے۔ مگر اللہ تعالی نے فرمایا کہ تم جنت میں میرے ابدالاباد مہمان ہو ہمیشہ کیلئے ہو۔ اور ہماری مہمانی اور اللہ تعالی کی مہمانی میں عظیم فرق ہے جو ہم ذہن احاطہ میں نہیں لے سکتے۔ مثلاً آدمی جنت میں اللہ تعالی سے مانگے کہ مجھے جتنی دنیا ہے اس کا مالک بنا تو اللہ تعالی عطاء فرمائیں گے۔ اسکے مقابلے میں ساری دنیا کے رئیس و امیر اکھٹے ہو جائیں تو ایک آدمی

کی مہمان نوازی کا حق ادا نہیں کرسکتے یہ صرف رب العزۃ سے مخصوص ہے کہ جو کچھ مانگو گے مکمل عطا فرماؤنگا یہ سوال پیدا ہوگا کہ وہاں دل سینما و شراب کو چاہے گا قبل تو جنت میں جو شراب ہے وہ نام میں تو شراب ہے مگر حقیقت میں کوئی اعلیٰ درجہ کی مشروبات میں سے ہے۔ تو یہ فیصلہ ہے کہ جنت میں جی برائی چاہے گا نہیں۔ منہ دل کی ترجمانی کرتا ہے کہ جو کچھ دل مانگے گا منہ اسکی ترجمانی کریگا تو جنت میں برے جی والا داخل ہی نہیں ہوگا تو یہ برے سوال کس طرح کریگا۔ قران قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی کہ جنت میں داخل وہ ہوگا جو پاک و صاف دل والا ہوگا باقی رہے گناہ گار وہ اپنی سزا پانے کے بعد صاف قلوب سے جنت میں داخل ہونگے پاک دل وہ ہے کہ اللہ تعالی کی چاہ اور بندہ کی چاہ ایک ہو تو نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ کے مطابق یہ چیز وہاں ملنے والی ہے یہ اسباب مامورہ ہیں کہ اللہ تعالی نے امر فرمایا کہ دنیا کے جائز اسباب آخرت کے کمانے کیلئے اختیار کرو اور یہ معلوم ہو گیا کہ دنیا عالم اسباب اور آخرت عالم جزا ہے آپ کہیں کہ روزہ رکھا نیکی کی اسکے بدلہ میں ہمیں روزی ملی حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے کہ ہمارے دنیا کے اعمال سے جنت و آخرت کا مل جانا یہ بھی اللہ تعالی کا فضل ہے اگر ہم تمام عمر مکمل عبادت کریں تو دنیا کی نعمتوں کا بدلہ نہیں اتار سکتے اگر آپ کہیں کہ یہاں کمانے کیلئے ہاتھ وغیرہ استعمال کرتے ہیں تو یہ ہاتھ

پاؤں وغیرہ کس نے عنایت فرمائے ہیں۔ نَحنُ نَرِثُ الاَرضَ الخ
زمین کی پشت پر جو ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ہے تو چیز رب العزۃ کی پھر اس
سے مزدوری لینا یہ اسطرح ہو گئی کہ کسی نے کسی کو موٹر دیدی کہ تم
ملتان ہو کر واپس کر دینا جب واپس کی تو کہنے لگا کہ صاحب پچاس
روپیہ کرایہ دیدو تو کیا مالک شئی اسے پاگل نہ سمجھے گا کہ میری چیز
استعمال کی اور پھر محنت مزدوری بھی مجھ سے مانگتا ہے۔ وَلِلّٰہِ مَا فِی
السَّمٰوٰاتِ وَالاَرضِ یہاں جو کچھ ہے سب اللہ تعالیٰ کا ہے عبادت کا
خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی شئی کو اس طرح استعمال کیا جس
طرح موٹر کو استعمال کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس
طرح فرمایا اللہ تعالیٰ کی عظمت یہی ہے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مہربانی
فرمائی حدیث لَا یُدخِلُ اَحَداً عَمَلُہٗ جَنَّۃَ الخ کہ کسی کو اس کا عمل جنت
میں داخل نہیں کرے گا یہ لفظ صحابہؓ کو عجیب لگا مطلب یہ ہے کہ
صرف عمل حق نہیں رکھتا بلکہ رب العزۃ کی مہربانی ہو جائے صحابہؓ
نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا آپ بھی اسی طرح
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بھی اسی طرح اسی طرح جب
تک اللہ تعالیٰ اپنی رحمت نہ برسائے تو آدمی جنت میں داخل نہیں
ہو سکتا۔ قرآن نے بار بار فرمایا ہے ذٰلِکَ فَضلُ اللّٰہِ یُؤتِیہِ مَن یَّشَاءُ الخ
یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ چیز دی کہ استعمال کرو ساتھ تاوان بصورت
انعام دونگا یہ فضل نہیں تو کیا ہے! جہان فضل و آخرت فضل۔ دنیا

عالم اسباب ہے اسباب مامورہ دنیا و آخرت کمانے کے جو جائز اسباب ہیں وہ فرض ہیں باقی منع دنیا مثلاً اگر ایک آدمی کمائے نہیں ویسے بھوکا رہ گیا تو گناہ گار ہے۔ آخرت مثلاً نماز روزہ وغیرہ کمائے نہیں ترک کردے تو گناہ گار اس کو اسباب یقینیہ کہتے ہیں۔ اسباب کی تین قسمیں ہیں (1) **پہلے اسباب** یقینیہ کہ بے خطا ہو جو سبب ہو اس پر نتیجہ ضروری ہو (2) اسباب ظنیہ کہ اکثر نتیجہ ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔ (3) وھمیہ کہ اکثر نتیجہ نہیں ہوتا کبھی کبھی ہوتا ہے۔ ان تین کے علاوہ ایک اسباب عصمانیہ ہیں۔ (1) یقینیہ کہ یقین کے ساتھ ہو جائے گا۔ (2) ظنیہ کہ غالب ہے کہ ہو جائے گا۔ (3) وھمیہ کہ ہو یا نہ ہو۔ یقینیہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ صرف آخرت سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً ایمان وغیرہ سبب جنت اور کفر وغیرہ سبب جہنم یہ یقینی اسلئے کہ رب العزۃ نے تمام نبیوں کو حکم فرمایا کہ ایمان وغیرہ جنت کے سبب ہیں اور کفر جہنم کا سبب ہے۔ یہ بات ان ٹل ہے کیونکہ رب العزۃ غلطی سے پاک ہیں لیکن اس ایمان کا سبب جنت بنا یہ اللہ تعالی کا فضل ہے کوئی انسان اپنی نیکی سے جنت میں نہیں جا سکتا جب تک رب العزۃ کا فضل نہ ہو۔ ملّا جلال الدین رومیؒ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے اعمال میں اتنے نقص ہیں کہ 2 فیصد بھی درست نہیں مگر صرف اللہ تعالی کے فضل کرم سے ہم جہنم سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ فرمایا کہ انسان

معزور ہو سفر کی حالت میں ہو تو رب العزۃ نے صرف نماز فرض رکھی ہے۔
محض اسکی عنایت و کرم نوازی ہے کہ ایسی معبود چیز کو ہر حالت
میں فرض رکھا۔ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ یہ بہت عظیم
ہستی گذرے ہیں۔ متفقہ فیصلہ ہے کہ شاید کسی ولی نے ایسے کام نہ
کئے ہوں جو بعض وقت حضرت بایزید رحمتہ اللہ علیہ سے صادر
ہوئے۔ فرمایا خواب میں اللہ تعالی کی زیارت ہوئی فرمایا کیا لائے ہو۔
بندہ غلام ہے اللہ تعالی معبود ہیں بے شمار احسانات کئے ہیں کہا کہ
میں خواب میں پسینہ پسینہ ہو گیا کہ بارگاہ الٰہی میں کیا عمل پیش
کروں۔ دیکھو اتنے عظیم ولی کی حالت مگر ہم تو اپنے آپ کو کامل کہتے
ہیں۔

بندہ خدا کھری ہو کھوٹی نہ ہو۔ حکم ہوا بول کیا لائے
ہو میں نے کہا کہ میرے پاس تو اور کچھ نہیں صرف توحید لایا ہوں
کہ آپکے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا بس یہ کہنا تھا کہ فوراً ڈانٹ
ملی کہ دودھ والی رات بھول گئی اَمَا تَذْکُرُ لیلۃ اللبن میں نے عرض کی
کہ عفو لایا ہوں بخش دو اور میرے پاس کوئی عمل نہیں لیتہ اللبن
کے معنی یہ ہیں کہ آپ اکثر روزہ کی حالت میں رہتے تھے دو روزوں
کی درمیانی شب دودھ نوش فرمایا کرتے تھے ایک رات دودھ پیا تو
انکو کچھ تکلیف ہو گئی تو متعلقین و شاگردوں نے پوچھا حضرت کیا
ہے فرمایا دودھ پیا تھا تکلیف ہو گئی ہے تو رب العزۃ نے فرمایا کہ تو

نے میرے ساتھ دودھ کو شریک نہیں کیا؟ موثر میں ہوں دودھ تو نہیں۔ یہ بڑے لوگوں کا حال ہے ہمارا کیا ہوگا بندہ خدا اگر اعمال میں کمی ہو توحید تو ہو شرک تو نہ ہو۔ اگر ایک آدمی نے نیکی نہیں کی بلکہ بدی کمائی مگر توحید ہے تو جنت نصیب ورنہ مشرک۔ وَلَقَدْ اُوحِیَ اِلَیکَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ الخ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شرک ممکن نہیں اگر شرک کیا تو لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ تمہارے اعمال ضبط کر لئے جائیں گے۔ بندہ خدا بڑا بھروسہ توحید پر ہے اپنے آپ کو ہرجائی نہ بنا کہ جہاں جھنڈا وہاں سجدہ یہ خدا سے شرک ہے۔ یہ اسباب یقینیہ ہیں کیونکہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے اور رب العزۃ کی بات یقینی ہے۔ بعض علما نے اسباب قطعیہ کو اسباب دنیا کہا ہے مثلاً اسباب روزی ملازمت زراعت پیشہ وغیرہ۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ اسباب ظنیہ ہیں قطعیہ صرف اللہ تعالی پر ڈالا ہے تحقیق نے کہا کہ تہہ تو یہ بھی ظنی ہے اسباب ظنیہ مثلاً مریض کو دوا کبھی فائدہ دیتی ہے اور کبھی نہیں دیتی اسباب ظنیہ میں حکم ہے کہ اسباب اختیار کئے جائیں مگر موثر رب العزۃ کو سمجھیں حدیث شریف صحیح لِکُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ ہر مرض کیلئے دوا ہے علاج کی جتنی چیزیں ہیں وہ زمین سے اگتی ہیں۔ اگر اللہ تعالی زمین سے یہ چیزیں نہ بناتا تو تمام ڈاکٹر مین عاجز و ذلیل رہتے دراصل رب العزۃ نے انتظام فرمایا کہ انسان کے پیچھے علاج بھی بھیجیں تاکہ انسان

پریشان نہ ہو۔ کیونکہ بغیر دوا کے اللہ تعالیٰ شفاء عطا فرما سکتا ہے مگر بغیر دوا کے شفا پوشیدہ ہوتی اور دل کو تسکین نہ ہوتی سب رب العزۃ کی پیدا کی ہوئی ہیں ہم کچھ اس میں تصرف کر دیتے ہیں ان بوٹیوں کے علاوہ خاص دوا معدنیات وغیرہ ہیں اس سے بھی خاص بات یہ ہے کہ جہاں مرض وہاں ساتھ ہی دوا پیدا فرمائی۔ مثلاً اگر سانپ ڈسے تو زہر مہرہ استعمال کرنے سے درست اور زہر مہرہ سانپ میں بنایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مرض کیلئے دوا ہے یعنی علاج ہے فَاِذَا وَافَقَتْ دَوَاءُ الدَاءِ جب دوا مرض کے موافق ہو جائے تو باذن اللہ وہ مریض تندرست ہو جاتا ہے۔ تو معلوم ہو گیا کہ دوا تو انسان کی تسلی کیلئے رکھی گئی ہے۔ دراصل مؤثر تو رب العزۃ ہیں اگر دواؤں سے مرض کی نجات ہوتی تو سب سے زیادہ دوائیں مغربی ممالک میں ہیں تو انکی ملکہ وغیرہ کو تو موت نہ ہوتی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے ارادہ سے شفا ہوتی ہے۔ نہ کہ دواؤں سے ڈاکٹروں نے لکھا ہے کہ بعض وقت مرض کی صحیح تشخیص ہوتی ہے اور دوا بھی صحیح استعمال ہوتی ہے مگر اسکے باوجود تندرستی نہیں ہوتی مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

چوں قضا آید طبیب ابلہ شود
واں دواء در نفع خود گمراہ شود

ایک حکیم صاحب کی عادت تھی کہ نسخہ لکھنے سے قبل بسم

اللہ لکھا کرتے تھے ایک مرتبہ کام کر رہے تھے مریض آگیا شاگرد کو کہا کہ نسخہ لکھ دو پھر دکھا دو تاکہ غلطی نہ ہو جب نسخہ دکھایا تو بسم اللہ نہیں لکھی ہوئی تھی آپ نے نسخہ پھاڑ ڈالا اور کہا کہ اس گھاس پھوس میں کیا ہے اثر تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات میں ہے۔

درس نمبر: ۲۵
15اپریل 1964ء

نظر مُسبّب الاسباب پر ہو

پہلے درس میں بیان کیا تھا کہ اللہ تعالی نے بعض کاموں کیلئے یقینی اسباب پیدا فرمائے ہیں وہ کچھ آخرت کیلئے ہیں مثلاً ایمان و نیک عمل کا بدلہ جنت ہے یہ ایسا ہے کہ ہر پیغمبرؑ سے وعدہ فرمایا کہ جو آپ کے بتلائے ہوئے پر ایمان و عمل کریگا تو اسکے بدلہ میں یقینی جنت ہے قران۔ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیلاً یہ اللہ تعالی کا وعدہ ہے اور رب العزۃ کے وعدہ سے کوئی سچا نہیں ہو سکتا۔ اور کفر و معصیت کے بدلہ میں یقینی جہنم ہے۔ انکو اسباب ظنیہ کہتے ہیں مثلاً زراعت وغیرہ رب العزۃ کا حکم ہے کہ جائز کام اختیار کرو مگر نظر اللہ تعالی پر ہو کیونکہ کاموں میں خرابی بھی ہو جاتی ہے تاکہ معلوم ہو کہ دراصل معاملہ مسبب الاسباب کے ہاتھ ہے۔ دو آدمی اکٹھی تعلیم حاصل کر کے فارغ ہوتے ہیں ایک عہدہ دار بن جاتا ہے دوسرا جوتے صاف کرتا ہے ایک آدمی کچھ سرمایہ ڈالکر تجارت سے لکھ پتی بنتا ہے دوسرا اصل سرمایہ بھی ضائع کر بیٹھتا ہے۔

شریعت نے جائز کام پر بسم اللہ فرمائی ہے اور ناجائز پر ممانعت فرمائی ہے۔ حضرت ابی ھریرہؓ نے فرمایا کہ ہر جائز کام پر بسم اللہ تلاوت کی جائے اور ناجائز سے پرہیز کی جائے۔ تو یہاں یہ تصور ہوگا کہ جس پر رب العزۃ نے اپنا نام لینا منع فرمایا ہے تو وہ کتنا بڑا منحوس کام ہوگا۔ آج کل بہت سے ناجائز کام ہو رہے ہیں۔ اتفاق سے ہوائی جہاز میں سفر کرنا پڑا تو کپتان آگیا کہ آپ ایک سو روپیہ جمع کرادیں اگر جان کو کوئی حادثہ ہو گیا تو پچاس ہزار روپیہ ملے گا میں نے کہا بیمہ شرعاً حرام ہے میں اگر مر بھی گیا تو ایک کوڑی نہیں لونگا۔ بہت کام شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہو رہے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہ اسلامی کام سمجھ کر بینکوں کا افتتاح کرتے ہیں۔ مثلاً اسلامی بینک یا اسلامی شراب خانہ۔ حکومت کے ذہن میں یہ چیز آگئی ہے کہ بینکوں کے علاوہ کاروبار چل نہیں سکتا۔ کراچی میں مرکزی ادارہ قائم کیا ہوا ہے جو اسلامی تحقیقات کرتا ہے۔ جس میں ایک عالم نہیں سب انگریزی تعلیم یافتہ ہیں۔ ایک ڈاکٹر نے واضح کیا ہے کہ اگر اصل رقم سو روپیہ ہو اس پر سو یا سو سے کم سود لینا جائز اصل زر سے تجاوز کرنا ناجائز۔ تو مشاورتی کونسل نے یہ بھی حرام کہا ہے یاد رہے کہ اس مرکزی ادارہ پر حکومت قوم کا لاکھوں روپیہ حرام کر رہی ہے۔ شرعی فتوی انگریزی تعلیم یافتہ سے لیتے ہیں اگر ایک مولوی کچھ تنخواہ پر رکھ لیں تو یہ کام صحیح معنی میں

سرانجام ہوسکتے ہیں۔ یا ایک ترجمہ کا قرآن مجید لے لیں خود دیکھ لیں وَاَحَلَّ اللّٰہُ الۡبَیۡعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا کہ رب العزۃ نے بیع حلال و سود حرام فرمایا ہے اتنی رقم حرام کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ میرے پاس حکومت کے آدمی آئے کہا اگر سود بند کردیا جائے تو اس کا متبادل نظام کیا کیا جائے انکی منشا تھی کہ کچھ سود شرعاً جائز ہوجائے میں نے کہا کہ آپ ذھن سے مغربی غلامی نکال دیں یہ قطعاً نہیں ہو سکتا کہ شرعاً کچھ سود مقرر کردیا جایے۔ میں نے کہا کہ ہر مسلمان جو حصہ دے شریک ہو کچھ حصہ حکومت کا ہو مثلاً اگر کل سرمایہ دس کروڑ ہو تو اڑھائی کروڑ جس میں کچھ حکومت خزانہ سے جمع کرے جو قرضہ حسنہ کیلئے رکھ دیا جائے کہ اگر کوئی صحیح ضرورت مند آئے تو بلاسود قرضہ دیا جائے۔ باقی رقم کے کارخانے یا غیر ممالک کو سامان فروخت یا خرید کرنا ان پر صرف کی جائے۔ جو نفع ہو وہ ہر حصہ دار پر صحیح تقسیم کیا جائے۔ نفع نقصان پر سب شریک ہیں اگر شریعت پر عمل کیا جائے تو ایک منٹ میں نظام درست ہو سکتا ہے۔ جب اللہ تعالی کسی کام پر اپنے نام لینے سے منع فرماتا ہے تو بدبخت مسلمان وہ کام کریگا۔ کیسے (یہ ہے تصور استقامت۔ دین بڑا مقصد ہے مگر دین پر قائم رہنا مقصد ہے۔ یعنی موت تک دین پر قائم رہے۔ قرآن قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا۔ یعنی موت تک دین پر قائم رہو جو اللہ تعالی سے ڈرنا چاہتا ہے دین ہاتھ میں رکھے)۔ دیکھو

اگر روپیہ وغیرہ ہو تو ہم اسکی تجارت کرتے ہیں تاکہ اصل زر کے علاوہ اور رقم ہو جائے اور پھر اسکی حفاظت کرتے ہیں تاکہ ضائع نہ ہو جائے۔ اسی طرح اگر دین ہاتھ میں آیا ہے تو اسکی حفاظت کرو تاکہ یہ قیمتی سرمایہ ضائع نہ ہو جائے اور وہ استقامت ہے قرآن اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰئِکَۃُ حالت نزع کے وقت فرشتہ مردہ کے ارد گرد ہونگے (تو جنت و جہنم کا مشاہدہ ہو گا نیک کو کہا جائے گا کہ تمہیں اب سے جنت کی خوشخبری دی جاتی ہے تو غم کی دنیا سے راحت کی طرف منتقل ہو رہا ہے) بداعمال یا کافر کو کہا جائے گا کہ تجھے اس جہنم میں ڈالا جائے گا کہ تو نے بد عملی کی تھی۔ تمام انبیاءؑ کی صحت سب سے بہتر ہوتی ہے خوبصورتی و سیرت اخلاق و صحت بدن میں کیونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت اتنی عمدہ تھی کہ 63 سال کی عمر پاک میں 20 بال بھی ریش مبارک میں سفید نہ تھے یعنی بیس مکمل نہیں بیس سے کم (تو صحابہؓ نے دیکھا کہ یہ بال اچانک کافی تعداد میں سفید ہو گئے پوچھا گیا فرمایا کہ مجھے سورۃ ھود نے بوڑھا کر دیا ہے) ایک بزرگ نے کہا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب کی حالت میں پوچھا کہ سورۃ ھود میں جوامت کی تباہی کے واقعات ہیں انہوں نے آپ پر بڑھاپا وارد کر دیا فرمایا نہیں صرف لفظ فَاسْتَقِمْ نے کہ تم قائم رہو کیا پتہ ہم فرمان کے مطابق قائم رہینگے یا نہیں اس کا اثر صاحب قرآن پر اتنا

پڑا کہ بال سفید ہو گئے ہمارا کیا حال ہو گا) اسلام یہ مطالبہ کرتا ہے کہ دین پر قائم رہو وہ یہ ہے کہ دین کے مرکز سے محبت کرو وہ مرکز رب العزۃ ہیں۔ اور بے دینی کے مرکز سے عداوت قائم کرو اور وہ مرکز عداوت شیطان ہے۔ یقینی بات یہ ہے کہ دین پر جو قائم رہینگے تو ہر کام کے ساتھ بسم اللہ پڑھے گا تو استقامت حاصل ہو گی اسی طرح اعوذ باللہ دن میں کئی بار پڑھتا ہے تو بے دینی مرکز سے نفرت ہو گی۔ (استقامت ایسی کہ آپکے پاس دین ہے اور ارد گرد کافر جمع ہیں استقامت کا تقاضہ یہ ہے کہ ایک دیندار کو سو کے پاس نہ گذرنا چاہیئے بلکہ ان سو کو ایک دیندار کے پیچھے گذرنا چاہیئے) نوحؑ کی ساڑھے نو سو سال عمر تھی اور ارد گرد تمام کافر تھے استقامت یہ کہ ارد گرد کی تمام فضا کو جھکانا ہے۔ استقامت یہ ہے کہ تم بندہ ماحول نہ بنو حاکم ماحول بنو ہودؑ، صالحؑ، ابراہیمؑ ان سب پیغمبروں کو انکی قوم نے ڈرایا مگر یہ حضراتؑ تو ارباب استقامت تھے کہا کہ تم اپنی تمام طاقت صرف کر لو انشاء اللہ ہمارا بال بیکا نہ کر سکو گے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی و مدنی زندگی میں آفت پر آفت ہوئی مگر ارباب استقامت ڈٹے رہے۔ اگر آج ہم انگریز کی پھیلائی ہوئی چیز کو چھوڑ دیں کیا ہمیں پھانسی تو نہیں دیدیں گے۔ (حضرت خبیبؓ ایک صحابی کو کفار مکہ نے قید کر لیا تھا انکی سزا پھانسی مقرر ہو گئی اور پھانسی ایسی کہ درخت سے الٹا لٹکا کر بیک وقت سو آدمی تلوار اور سو

آدمی تیر برسائیں گے دیکھو کتنی عظیم سزا ہے کفار نے کہا کہ اگر
آپ یہ کہہ دیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آج میری جگہ گرفتار ہوتے
تو اچھا تھا تو ہم آپکو نجات دیدینگے) دیکھو اگر جان کلمہ کفر سے بچتی ہو
تو شریعت نے ظاہری کفر کی اجازت دی ہے اور دوسرا یہ کہ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کوئی اس جملہ کے کہنے سے گرفتار تو نہ ہوتے تھے
بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو مدینہ منورہ میں مقیم تھے مگر صحابیؓ
استقامت کے پتلے تھے فرمایا یہ تو ایک جان ہے اگر ہزار جان پھانسی
دیجاتی اور میرے ٹکڑے ہوا میں اڑتے تو بھی میں یہ نہ کہونگا کہ
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کانٹا چبھ جائے۔ (خیر ان سے
اجازت لیکر دو رکعت نماز نفل ادا کی اور طریقہ مذکورہ بالا پر پھانسی
دیگئی مگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیؓ نے یہ جملہ گوارا نہ
سمجھا یہ ہے استقامت مگر ہماری استقامت کا یہ حال ہے کہ معمولی
تنگدستی ہوئی تو عیسائی کی لالچ پر ایمان ختم کردیا۔ استقامت یہ ہے
کہ پوری دنیا دشمن ہو مگر تم دین پر قائم رہو) استقامت کی تعلیم بسم
اللہ نے دی کہ دین اللہ تعالی کا ہے اللہ تعالی سے ہر وقت محبت ہو
بالعکس اعوذ باللہ نے تعلیم دی کہ نفرت کا مرکز شیطان ہے اس
سے ہر وقت نفرت ہونی چاہیئے یقینی بات یہ ہے کہ اگر غیرت نہ
ہوتی تو کچھ نہ ہوتا بیوی وغیرہ کی حفاظت آخر رب العزۃ نے
مدافعت عنایت فرمائی ہے بیوی وغیرہ کے علاوہ دین قیمتی چیز

ہے اسکی حفاظت کرنی چاہیئے۔ سلطان صلاح الدین رحمتہ اللہ علیہ ایوبی سفر جہاد میں تھا کہ رمضان شریف آگئے علماء سے دریافت کیا کہ کیا خیال ہے روزوں کے متعلق علماء نے فتوی دیا کہ ایک ہے استقامت دوسرا روزہ ترک کرنا مگر شریعت نے جہاد میں ترک کا حکم کیا ہے سلطان صلاح الدین رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شریعت پر تو قربان جاؤں مگر میں اور میری فوج روزہ رکھ کر حملہ کریگی اس سے تو عرش کو ہلانا ہے کہ تیرے لئے یہ روزہ رکھا ہے اپنی رحمت کو برسا تو یقینی فتح ہو گی) آج کل کے بادشاہ تو خیر معمولی افسر بھی روزہ نہیں رکھتے حملہ شروع ہوا عیسائی تین منزلہ کشتی پر بیٹھ کر حملہ کر رہے تھے کہ اچانک طوفان آیا اور تمام فوج غرق ہو گئی) اگر ہم خدا کے ہو جائیں تو سب معاملے طے ہو جائیں (سلطان نے لکھا کہ جو کام میری طاقت سے بلند ہوتا ہے وہ میں رب العزۃ کے حوالہ کر دیتا ہوں۔ جب آپ کو معلوم ہے کہ امریکہ برطانیہ وغیرہ کے سامنے ہم عاجز ہیں تو قوی خدا کو معاملہ سپرد کرو تاکہ فتح نصیب ہو۔ کیا اسی دور میں ناصر نے باوجود تمام کافروں کے دشمن ہونے کی وجہ کے نہر سویز پر قبضہ کیا۔ کیونکہ اس نے یہ معاملہ رب العزۃ کے سپرد کر دیا تھا جب دیکھا کہ زمین پر کوئی سہارا نہیں آسمان پر خدا کا سہارا ڈھونڈا فتح ہوئی) مطلب یہ ہے کہ پتنگ ہوا میں اڑ رہی ہوتی ہے یہ بذات خود نہیں بلکہ ایک تار ملحق ہوتا ہے جیسے بچہ جس طرف

موڑے اس طرف پتنگ کو لازماً رخ موڑنا پڑتا ہے۔ اولیاء کرام کا مشاہدہ ہے کہ کشف کے ذریعہ معلوم ہوا ہے کہ جتنی مخلوق ہے اسکے ساتھ ایک نورانی تار پیوند ہے اللہ تعالی جس طرف رخ کر دیں بندہ لازماً اس طرف رخ کریگا قرآن میں ہے وَمَا تَشَاؤُنَ اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ اللہُ تمہارا ارادہ اللہ تعالی کے ہاتھ ہے۔ اللہ تعالی کا کنٹرول ہے جس طرف چاہے پھیر دے) دیکھا نہیں کہ تھوڑے مسلمانوں نے مشرق سے مغرب تک دنیا فتح کر ڈالی یہ صرف اللہ تعالی پر بھروسہ کا نتیجہ ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالی کے حکم کے مطابق ہمیں قائم رہنا چاہیئے۔ ایک صحابیؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عرض کی کہ میرا دماغ کمزور ہے کوئی مختصر نصیحت بتلا دیں کہ جس پر زندگی گذار دوں قُلْ اٰمَنْتُ بِاللہِ فَاسْتَقِمْ اور اس پر قائم رہ۔ ایک تو حریت کا معنی آزاد ہونا دوسرا یہ کہ رسالہ قشیریہ میں صوفیا کرام رحمتہ اللہ علیہ نے لیا ہے کہ تَخْلِیْصُ الْمَرْءِ عَنْ رِقِّ الْمَخْلُوْقَاتِ کہ مخلوق کی غلامی سے نجات حاصل ہو۔ (ہم انگریز سے تو آزاد مگر صوفیا کرام رحمتہ اللہ علیہ سے مراد یہ ہے کہ دل آزاد ہو جائے وہ یہ کہ دل اللہ تعالی سے جڑ جائے۔ بیشک حلال روزی جتنی کماؤ کوئی غم نہیں مگر کسی قوم کا محتاج نہ ہو یعنی دل کسی قوم سے جکڑے نہیں۔ مثلاً اگر بیوی کی محبت غالب تو بیوی کا غلام۔ اگر پیٹ کی خواہش غالب تو پیٹ کا غلام۔ اسی طرح اولاد وغیرہ سے محبت تو انکا غلام) اگر آپ اس قدر

بندھے ہوئے ہیں تو یقینی بات ہے کہ تم آزادی کے ہوتے ہی لاکھوں کے غلام ہو۔ (بات یہ ہے کہ گناہ کو گناہ سمجھ کر کریں تاکہ ندامت ہو شاید کبھی توبہ نصیب ہو روس کے متاثر ایک بادشاہ نے کچھ دینی کتابوں کا مطالعہ کیا تو اتنا متاثر ہوا کہ علماء کے پاس گیا کہ میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں مگر میں شراب ضرور پیئوں گا کیونکہ وہ میری زندگی کا جز لانیفک بن چکا ہے علماء بچارے کوئی سیدھے سادھے تھے کہا کہ نہیں تو وہ مسلمان نہ ہوا مولانا رشید احمد گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر مجھ سے پوچھتا تو میں کہہ دیتا کہ گناہ سمجھ کر پیتے رہو شاید کبھی رفتہ رفتہ ختم ہو جائے۔ اگر آدمی خود ریش داڑھی نہیں رکھتا تو ریش دھاڑی والے سے نفرت تو نہ رکھے۔ اگر ریش داڑھی والے سے نفرت کی تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے نفرت کی۔ آدمؑ سے لیکر محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام پیغمبر بے ریش نہیں آئے ایسے لوگ اللہ تعالی کے لائے ہوئے اسلام کا ایک بال بھی بیکا نہ کر سکیں گے ایک تو ریش کتروانا دوسرا صاحب ریش سے نفرت یعنی یورپ اور امریکہ کے کافر کی شکل ہو اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل نہ ہو 1924 میں ہندو مسلمانوں کو ہندو بنانے لگے ایک گاؤں میں صرف چار مکان مسلمانوں کے باقی سب ہندوؤں کے تھے ہندو اپنے پنڈت سے دم وغیرہ کرواتے تھے تو مسلمان بھی پنڈت سے دم کرواتے تھے ایک مولوی صاحب

کو کہا گیا کہ تم مسلمان ہو دم کیا کرو تا کہ مسلمان پنڈت کی صحبت سے محفوظ رہیں۔ آگرہ سے ایک آدمی آئے کہ فلاں کی آنکھ میں درد ہے دم تو کر دو تو مولوی صاحب نے اپنی داڑھی کا بال پانی میں بھگو دیا اور کہا کہ یہ پانی پیو تو ہم نے مولوی صاحب سے پوچھا یہ عجیب دم ہے فرمایا کہ میں دم کے قابل تو نہیں البتہ جب یہ بال بھگوتا ہوں تو رب العزۃ سے درخواست کرتا ہوں کہ یااللہ یہ تیرے نبیوں کی نشانی ہے اسکی برکت سے مریض کو شفاء عطا فرما تو سو فیصد یہ نسخہ کامیاب بن گیا ہے (اس لئے تنبیہ کی گئی ہے کہ گناہ کو گناہ سمجھ کر کرنے سے ایمان مکمل تباہ نہیں ہوتا بلکہ گناہ کو گناہ نہ سمجھنا یہ نقصان عظیم ہے۔ بسم اللہ سے رب العزۃ نے فرمایا کہ رحمان سے تعلق قائم ہو) نکتہ کہ خدا کے نام خدا کی بادشاہی کے محکمہ کے نام ہیں۔ جس طرح ہمارے مختلف محکمے ہیں تعلیم و زراعت وغیرہ۔ مثلاً رحمان۔ اللہ۔ رحیم یہ تین نام ہیں ایک کا کام یہ کہ ہمارا وجود رہے اور سب سے بڑھ کر انسان کو اپنے وجود سے محبت ہوتی ہے۔ (امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تمام محبوب شئی سے انسان کو اپنا وجود محبوب ہوتا ہے۔ روٹی پانی محبت نفس، وجود ذات، مکان کی ضرورت کی محبت، ان سب سے محبت اسلئے کہ میرا وجود قائم رہے یہ تمام ایک محبت سے پھوٹ کر پیدا ہوئیں معلوم ہوا کہ یہ تمام محبوبات سمٹ کر ایک جسم میں آ گئیں۔ ماں

کے پیٹ میں اللہ نے بچہ پیدا فرمایا کہ نہ باپ کو پتہ کہ بیٹا یا بیٹی نہ
ماں کو پتہ۔ نہ کسی کے ہاتھ کا دخل تا کہ بندہ خدا کسی کا احسان نہ مانے
تو یہ وجود صرف اللہ تعالی کا دیا ہوا تو ہمیں اپنی ذات سے محبت اور
وہ ذات عنایت فرمانے والی اللہ تعالی کی ذات پاک ہے لہٰذا ہمیں
حقیقی محبت اللہ تعالی سے ہو۔ ہمیں آنکھ، کان، پاؤں وغیرہ سے
محبت لیکن دراصل ہمیں انکے دینے والے سے محبت ہو یہ سب کچھ
کارخانہ خدا سے بنے ہیں۔ اگر نہ بناتے تو کیا ہم کچھ اسکے خلاف
کرنیکی طاقت رکھتے ہیں۔ دنیا میں بڑے بڑے بادشاہ گذرے ہیں
اللہ تعالی نے نہ بیٹا دیا نہ بیٹی فرمایا جتنی قوت ہو صرف کر لو، کرونگا
وہ جو میں چاہوں گا۔ قرآن نے فرمایا یَهَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّیَهَبُ لِمَنۡ
یَّشَآءُ الذُّكُوۡرَ الخ جسکو چاہوں مذکر مونث دونوں دیدوں کسی کو صرف
مونث کسی کو صرف مذکر کسی کو کچھ نہ دوں یہ میری قدرت ہے۔
امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس انسان کو تمام محبوبات
سے محبت مگر محبوبات عنایت کرنے والے سے محبت نہیں تو اس
جیسا دنیا میں بدبخت کوئی نہیں۔ بسم اللہ سے یہ سبق حاصل ہوا کہ
جو کام کرے قبل یہ تلاوت کرے تو کام بھی وہ کرنا پڑیگا جو اللہ تعالی
کو محبوب ہو تو کام کرنے سے قبل دیکھ کر کرینگے کہ یہ کام رب العزة
کو پسند ہے کہ نہیں اگر نہیں تو اپنے آپ کو اس کام سے بچاؤ کیونکہ
وہ کام کتنا بدبخت ہو گا جس پر رب العزة نے اپنا نام لینا منع کر دیا

ہے۔ رب العزۃ نے فرمایا کہ اگر مجھ سے محبت ہے تو میرے محبوب کی اتباع کرو قرآن نے فرمایا ہے۔ قُل اِنْ کُنتم تُحِبُّونَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُونی یُحببکُمُ اللّٰہ۔ اگر اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھو ورنہ یہ محبت کا دعوی غلط مگر محبت وہ جو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت فرمائی ہے نہ اس کے ایک انچ اتریں گے نہ بڑھیں گے یہ نہیں کہ جو مولوی نیا دین بنائے اسکے پیچھے لگیں۔ (جو قرآن و حدیث نے فرمایا بس اسکی اتباع درست باقی سب غلط۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت صحیحہ کی چند علامات ہیں ایک یہ ہے کہ اِزَالَۃُ الکَسَلِ فِی العِبَادَۃِ کہ عبادت کرنے میں سستی ختم ہو جائے جس طرح دنیا کے کاموں میں چست رہتے ہیں اس سے کئی گنا زیادہ چستی کرنی چاہیئے دوسری وہ رَضَا بالمُصِیبَتِ کہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنا کہیں اگر اللہ تعالیٰ نقصان دیدے تو ہم تنگ آ کر رب العزۃ سے غصہ کرتے ہیں ہمارا کیا حق ہے بلکہ رب تعالیٰ تو صاحب حکمت ہے اس کام میں نفع پوشیدہ ہوتا ہے دنیا میں اگر محبوب ایک تھپڑ لگائے تو ہم کہیں گے اور لگاؤ۔ موت سے خطرناک کوئی منزل نہیں موت نے تو بڑے بڑے فرعونوں کے دماغ درست کر دئے۔ حدیث حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے مَارَایتُ مَنظرًا اشدمِنَ القبر اِذَا جَاءَ مَقَابِر

ہی حتی الخ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موت کے بعد منزل قبر اس منزل سے خطرناک اور کوئی منزل نہیں دیکھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ جب قبرستان میں جاتے تو اتنے روتے کہ آنسو کے قطرے داڑھی سے بہہ پڑتے۔ کسی نے پوچھا کیوں روتے ہو فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ قبر سخت منزل ہے مَنْ نَجٰی مِنْہُ مَا بَعْدَہٗ الخ جو اس سے گذر گیا اس کے بعد سب آسان ہیں کیا پتہ کہ میں اس منزل اول میں میزان کے مطابق اترونگا کہ نہیں قرآن فمن کان یرجوا لقاء ربہ فَلْیَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحاً وَلَا یُشْرِکْ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖ اَحَداً الخ موت کے پل سے گذر کر اللہ تعالی کو ملیں گے جنکو اللہ تعالی سے محبت اس کو موت سے محبت اگر اللہ تعالی کی محبت غالب تو موت کے وقت خوشی ہو گی کہ اپنے محبوب کو ملیں گے اور اس غم کے گھڑے سے نجات ملے گی اور جس پر دنیا کی محبت غالب تو موت کے وقت فرشتہ جب روح قبض کریگا تو شیطان مردود کہے گا کہ اس محبوب دنیا سے تجھے اللہ علیحدہ کر رہا ہے تو وہ اللہ تعالی کو برے خیال سے نظر کریگا تو اس حالت میں ایمان کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

شعر کا معنی (میں اپنی اونٹنی کو مغرب کی طرف چلاتا ہوں اور وہ مشرق کو چلتی ہے کیونکہ مشرق کی طرف گھر ہے اور گھر میں اسکا بچہ ہے اور بچہ سے اسے محبت ہے) اسی طرح دنیا کا حال ہو گا فرشتہ اسکو

آگے لے جائے گا اور یہ پیچھے رخ موڑے گا حدیث صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰہِ اَحَبَّ اللّٰہُ لِقَاءَہٗ وَمَنْ کَرِہَ لِقَاءَ اللّٰہِ کَرِھَہ اللّٰہُ تعالیٰ کہ جو اللہ تعالی سے ملنے کو پسند کرتا ہے اللہ اسکے ملنے کو پسند فرماتا ہے اور جو پسند نہیں کرتا اللہ اس اسے ملنے کو پسند نہیں فرماتا۔ تو دنیا دار کا یہ حال ہو گا۔موت کے وقت جہنم و جنت کا مشاہدہ ہو گا نیک اپنی جگہ دیکھ لے گا بد تو وہ اپنی جگہ جہنم دیکھ لے گا مگر اس وقت پشیمانی کام نہ آئے گی۔

درس نمبر: ۲۶
10 اپریل 1964ء

رحمتِ دُنیا و رحمتِ آخرت کا موازنہ

آج موازنہ رحمت دنیا و آخرت کا بیان کرونگا۔ بسم اللہ میں لفظ رحمان دنیا کی رحمت بیان کر رہا ہے اور لفظ رحیم آخرت کی رحمت بیان کر رہا ہے۔ لفظ تو ایک بھی کافی تھا دو لفظ لانے کا مطلب یہ ہے کہ جہان دو ہیں جہانِ دنیا سے اللہ کو جس رحمت کا تعلق اسکو لفظ رحمان ظاہر کر رہا ہے اور جہانِ آخرت میں اللہ تعالی کو جس رحمت کا تعلق اسکو لفظ رحیم ظاہر کر رہا ہے دنیا وجود میں پہلے آئی اور دوم نمبر پر آخرت ہے۔ جو ترتیب جہانوں میں وہی ترتیب ان رحمتوں میں بھی رکھی رحمان دنیا کیلئے قبل لایا گیا رحیم آخرت کیلئے بعد میں لایا گیا دونوں میں موازنہ کیلئے ضروری ہے کہ دنیا کی رحمت میں دو چیزیں ہیں رحمت وھبی و رحمت کسبی دنیا کی رحمت کچھ بخشش کے ذریعہ کچھ محنت کے ذریعہ دنیا میں بخشش رحمت کوشش رحمت۔ مثلاً زمین بخشش ملی اگر نہ ملتی تو کہاں ٹھہرتے ایک زمین کے طفیل سب کچھ ملا زمین انسان کے دنیا میں آنے سے

قبل تھی اسی طرح زمین میں دُنیا کے تمام دھندے ہیں زمین ایک کمرہ کی مثل ہے یہ ہماری رہائش کا کام دے رہی ہے زندگی میں بھی رہائش کا کام مرنے کے بعد بھی رہائش کا کام دیگی قرآن اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ کِفَاتًا نہیں بنایا زمین کو کہ تم اس میں مل جاتے ہو۔ قرآن اَحْیَآءً وَّ اَمْوَاتًا زندگی میں اور مرنے میں۔ یہی وجہ کہ جب انسان مرجائے تو دفناتے ہیں۔

مذہب دو قسم کے ہیں ایک آسمانی ایک غیر آسمانی۔ پھر آسمانی مذہب دو قسم کے ہیں ایک اصلی دوسرا غیر اصلی، اصلی یہ ہے کہ جس میں کوئی تغیر تبدّل نہ ہوا ہو مثلاً اسلام غیر اصلی یہ کہ بنیاد میں دین ہو مگر اللہ تعالی نے یا لوگوں نے اسے تبدیل کیا ہو مثلاً عیسائی وغیرہ۔ جب ایک ویسراء حکومت سے دستبردار ہوتا ہے تو دوسرے کا حکم مانا جاتا ہے۔ یہ نہیں کہ قبل معزول ویسراء کا حکم مانیں گے نہیں جو موجود وقت ویسراء ہوگا اسی کا حکم مانا جائے گا ورنہ باغی کہلائے گا جو قبل ویسراء گذر چکا ہو اس کو ویسراء تو مانو مگر حکم موجودہ ویسراء کا مانو اسی طرح آدمؑ سے لیکر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک جو پیغمبر تشریف لے آئے ہر ایک اپنے مقصد کیلئے آئے مگر اب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد انکو بنی ضرور ماننا پڑے گا مگر حکم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا چلے گا جو نبی صلی

اللہ علیہ وسلم کا حکم مانے گا وہ وفادار ورنہ اللہ تعالی کا غدار کہلائے گا۔
ہندو۔بدھ مذہب وغیرہ یہ زمینی مذاہب ہیں اور اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور یہودیت موسیٰؑ کو اور عیسائیت عیسیٰؑ کو یہ آسمانی مذہب ہیں مگر حکم صرف اسلام کا جو موجودہ دور کا ویسرائے ہے مانیں گے۔ تو معلوم ہو گیا کہ اصلی مذہب اسلام ہے کچھ اس لئے کہ یہ آخری ہے اور کچھ اس لئے کہ جن مذاہب کو بدلنا تھا انکی حفاظت کا کوئی انتظام نہیں فرمایا۔ کتب آسمانی تورات، انجیل وغیرہ کے احکامات بدلنے تھے تو نہ قبل زمانہ میں ان کا کوئی حافظ تھا نہ اب خود عیسائیوں کا قول ہے کہ انجیل میں 30 ہزار الفاظ کی تبدیلی ہو چکی ہے اسکے برعکس قرآن مجید کہ اس دین اسلام کی حفاظت کی کیونکہ یہ دین آخری ہے تو قبل زمانہ سے لگا کر موجودہ زمانہ تک لاکھوں سے زائد حفاظ آ رہے ہیں اور رہیں گے جو اصلی مذہب ہیں وہ مردہ کو دفناتے ہیں مثلاً عیسائی یہودی مسلمان وغیرہ عیسائی یہودی اس لئے اصلی ہیں کہ وہ اپنے وقت میں اللہ کے صحیح دین گذرے ہیں اور غیر اصلی مذہب والے کوئی تو مردہ کو جلاتے ہیں جس طرح ہندو کوئی گدھ وغیرہ کے آگے پھینک دیتے ہیں اللہ تعالی کا اصلی مذہب کتنا درست ہے کہ انسان نطفہ سے پیدا ہوا نطفہ خون سے خون خوراک سے خوراک زمین سے زمین ایک معنی میں ماں ہوئی۔ موت کیا ہے کہ روح بدن سے نکل کر اوپر چلی جاتی ہے

کیونکہ اس کا مقام اوپر ہے اس کا وطن اوپر ہے تو روح بمنزلہ باپ کے ہوا باقی بچا بدن اگر باپ فوت ہو جائے تو بچہ ماں کے حوالے کیا جاتا ہے تو اس لئے زمین ماں ہے روح باپ باپ کے فوت ہونے پر بچہ کو ماں کے حوالہ کر دیتے ہیں یعنی مردہ کو دفناتے ہیں گویا معلوم ہو گیا کہ اسلام نے حکم دیا کہ مردہ کو زمین کے حوالہ کرو جو اس کی ماں ہے۔ دیکھو آگ سے اگر مردہ کو جلایا جائے تو مردہ کا نام و نشان نہیں رہتا۔ قبر تعمیر کرنے سے ایک یادگار رہتی ہے جس کو دیکھ کر اقارب رشتہ دار دلی تسکین حاصل کرتے ہیں جس طرح زندگی میں خط پڑھنا آدھی ملاقات ہے اسی طرح قبر کی زیارت نصف ملاقات ہے۔ یہ فطرت انسانی کے بھی خلاف ہے کہ مردہ کو سپردِ آگ کیا جائے۔ دیکھو مردہ کو دفن قبر سے قبل اس کو نہلاتے ہیں کپڑے پہناتے ہیں خوشبو وغیرہ لگاتے ہیں یعنی جو زندگی میں ہوتا ہے وہ مردہ ہونے کی حالت میں ہوتا ہے۔ باقی جو تصرف قبر میں ہوگا وہ ہمارے بس میں نہیں رب العزۃ جس طرح چاہے اور یہ جلانا ظالمانہ روش ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ تعلیم نہ دیتے تو ہمیں کیا پتہ کہ مردہ کو کیا کریں پھر آگ اور زمین میں بڑا فرق ہے۔ آگ کا کام تخریب ہے۔ اس لئے شیطان کو آگ سے بنایا گیا زمین کا کام تعمیر ہے۔ مثلاً آگ میں کچھ ڈالو خراب کر دیگی اس لئے سب سے بڑا خراب کرنے والا شیطان ہے۔ اسکے مقابلہ میں زمین تعمیر کا کام دیتی ہے

ایک دانہ ڈالو تقریباً 500 دانہ دیگی یا اس سے زائد بندۂ خدا بات دراصل یہ ہے کہ زمین اشرف المخلوقات کی ماں ہے جتنا اسکے سپرد کروگے اس سے دگنا دیگی مثلاً مادہ تعمیر کا معنی بنانا۔ تو ہر یہ چاہتا ہے کہ تعمیر کے حوالہ کریں مردہ کو۔ یہ نہ کہنا کہ کھانا وغیرہ کو آگ تو درست کرتی ہے بگاڑتی تو نہیں میاں جب تک مٹی نہ ملے تو آگ بگاڑتی ہے مثلاً ہنڈیا وغیرہ مٹی میں سے ہے۔

تو خیر۔ سماوی مذہب والے مردہ کو دفناتے ہیں اور غیر سماوی مذہب والے آگ یا گدوں کے حوالہ کرتے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ انسان پرندوں کا شکار کرتا ہے مگر آج کل کے مذاہب ایسے ہیں کہ وہ مردہ کو پرندوں درندوں کے آگے رکھ دیتے ہیں۔ خیر کہاں چلا گیا اب رحمت دنیا و آخرت کا موازنہ بیان کرتا ہوں پہلے دنیا کی رحمت بیان کرتا ہوں دنیا کی کچھ وھبی رحمتیں ہیں کچھ کسبی ہیں وھبی مثلاً ہوا، سورج، پانی وغیرہ یہ سب کچھ بخشش ہیں۔ ہماری نعمت پر تو نظر ہے مگر مُنعِم پر نظر نہیں اگر دنیا کا وزیراعظم یا کسی ملک کا صدر ایک دن یا کچھ عرصہ روٹی نہ کھائے تو کیا زندہ رہ سکتا ہے اور وہ روٹی کہاں سے بنتی ہے وہ زمین سے بنتی ہے۔ زراعت دستکاری، صنعت وحرفت، تجارت وغیرہ۔ یہ سب زمین سے تعلق رکھتی ہیں۔ فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے بنیادی چیزیں تو بخشش کر دیں مگر پھر فرمایا کہ ہاتھ پاؤں ہلاؤ اور کماؤ تو معلوم ہو گیا کہ

دنیا میں کچھ رحمتیں بخشش پر اور کچھ محنت پر موقوف ہیں۔ اس کے مقابل آخرت کی نعمت وہاں بخشش نہیں محنت ہے اگر کمایا ہاتھ پاؤں چلائے تو ملے گا ورنہ کچھ نہیں۔ قرآن میں ہے وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی وَاَنَّ سَعْیَہٗ سَوْفَ یُرٰی۔ وَھَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ آخرت میں جو اصلی نعمت حاصل کرو گے وہ اس کا بدلہ ہوگا جو دنیا میں بویا ہوگا۔ یعنی جو دنیا میں کاشت کرو گے وہ آخرت میں کاٹو گے دنیا عمل کی جگہ ہے اور آخرت جزا و سزا کی جگہ۔ دوسرا موازنہ کہ یہاں دنیا میں بعض نعمتیں ایسی ہیں کہ نہ وھبی نہ کسبی ہیں فرض کرلو کہ ایک آدمی کو اللہ تعالی نے بدصورت پیدا کیا نہ ناک درست یا کوئی دوسرا اعضاء درست نہیں ہوتا۔ تو دنیا میں اس صورت میں نہ وھبی رحمت کا ظہور اور نہ یہ کسبی رحمت سے تعلق رکھتی ہے کہ انسان کچھ تصرف کر کے بدصورتی سے حسن اختیار کر لے ہفت اقلیم کا بادشاہ اگر بدصورت ہو تو تمام رقم خرچ کر ڈالے تو بھی حسن حاصل نہیں کر سکتا باقی رہا یہ پوڈر وغیرہ یہ کوئی قابل اعتماد شئی نہیں کیونکہ یہ بدصورتی ہٹاتا نہیں بلکہ بدصورتی پر پردہ دیتا ہے۔ ایک مسئلہ تو بدصورتی والا دوسرا مسئلہ عمر کا کہ اگر کوئی چاہے کہ میری عمر 500 سال ہو جائے نہیں اگر تمام سلطنت خرچ کر ڈالو تو ایک سیکنڈ زندگی میں اضافہ نہ ہوگا قرآن میں ہے لَا یَسْتَقْدِمُوْنَ سَاعَۃً وَّلَا یَسْتَاْخِرُوْنَ موت اپنے وقت سے نہ قبل نہ تاخیر سے آئے گی

پورے وقت مقررہ پر آئے گی اور کوئی اسکی گرفت سے بچ نہ سکے گا۔ تیسرا مسئلہ شباب جوانی۔ کہ ایک آدمی چاہے کہ میری جوانی بڑھاپے میں تبدیل نہ ہو یہ کسی کی کوشش سے نہیں ہوسکتا کہ بڑھاپا نہ آنے دے۔ چوتھا مسئلہ کہ مرض نہ آئے۔ یعنی تمام عمر صحت ہو۔ پانچواں کہ میرے کپڑے میلے نہ ہوں روز اول سے لگا کر آخر تک سفید رہ جائیں دھوبی کی ضرورت نہ ہو۔ لیکن اللہ تعالی نے یہ گدلا جہان ایسا رکھا کہ ہمیشہ تغیرات ہونگے۔ ششم مثلاً آدمی خواہش کرتا ہے کہ پاخانہ کی حاجت نہ ہوتی کہ کھانا پینا ہوتا۔ حاجت روائی نہ ہوتی۔ لیکن دنیا کی کوشش بالکل ہیچ ہے موازنہ رحمت کہ آخرت میں یہ سب کچھ آپ کو کوشش سے ملجائیگی خوبصورتی بھی اور بد صورتی بھی۔ خوبصورتی اس لئے کہ دنیا میں اگر نیک عمل کئے تو بد صورتی خوبصورتی میں تبدیل اور اگر بداعمال کئے تو خوبصورتی (بد صورتی میں تبدیل ہوجائے گی)۔ بد صورتی میں تبدیل ہو جائے گی۔ ساتواں مسئلہ تھا قوۃ کا کہ ہر ایک آدمی چاہے کہ میں گاما پہلوان بنوں تو نہیں ہو سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک ہے بخاری و مسلم میں۔ اِنَّ اَوَّلَ الزمرۃ یَدخلُونَ الجنّتَ پہلا گروہ جو جنت میں داخل ہو گا کَالقمرِ لیلتہَ البَدرِ اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کے مثل ہو گا۔ ثم کَاشَدِ کوکَبِ الدّرّیِ دوسرا گروہ جنت میں ایسی شکل میں داخل ہو گا کہ اسکا چہرہ خوبصورت ستارہ کے مثل ہو گا یہ مثالیں

اس لئے دی ہیں کہ دنیا میں چودھویں کے چاند سے روشن خوبصورت کچھ نہیں اور اسکے بعد خوبصورت ستارہ ہوتا ہے حقیقت میں وہاں کی خوبصورتی ان چاند ستاروں سے زیادہ خوبصورت ہو گی صحیحین کی حدیث میں ہے عَلٰی اَبنَاءِ ثَلٰثِیْنَ عَلٰی قَامَۃِ اَبِیْھِمْ آدَمَ ستوں یعنی آدمؑ سے لیکر تمام کی عمریں یکساں اور نوجوان ہونگے یہ فطری تقاضا ہے کہ ہم عمر آپس میں مشغول رہتے ہیں بچہ بچے کے ساتھ جوان جوان کے ساتھ بوڑھا بوڑھے کے ساتھ اگر جنت میں عمریں مختلف ہوئیں تو پھر جنت کا مزہ ہی کیا۔ تو اللہ تعالی نے ایسا انتظام فرمایا کہ بدصورت خوبصورت ہو جائیں گے۔ اور وہ سب نوجوان ہم عمر ہو جائیں گے تاکہ آپس میں ملجل کر خوش رہیں۔ حدیث شریف مَا مِنْ اَحَدٍ یَمُوْتُ صَغِیراً اَوْھَرِماً اِلّا یَکُوْن الخ کہ جو بچہ کم سنی میں فوت ہو گا اسکو ماں باپ جنت میں بخوبی پہچانینگے۔ یہ اللہ تعالی نے خوب انتظام فرمایا۔ قرآن میں ہے خٰلِدِیْنَ فِیْھَا اَبَدًا کہ تم کو ابدی زندگی حاصل ہو گی موت نہ آئے گی۔ یہاں دنیا میں تو ایک ایک سیکنڈ کی زندگی کو ترس رہے ہیں۔ جوانی وغیرہ تمام چیزوں کو ترس رہے ہیں۔ حدیث شریف اِنّکُمْ تُحْشَرُوْنَ حُفَاۃً عُرَاۃً غُرلًا جُرداً مُرداً۔ کہ تم قبروں سے ننگے پیر اٹھائے جاؤ گے ہم تو بوٹ کے غلام بن چکے ہیں۔ آخرت جنت میں بدن پر بال نہ ہونگے جو دنیاوی خوراک کے اثر سے پیدا ہوتے ہیں۔ اِلّا مُکَحُوْلِیْنَ آنکھیں بغیر

سرمہ کے کاجل کی طرح خوبصورت ہونگی لَایَبُوْلُوْنَ ---- وَلَا تَفْنیٰ
شَبَابُهُمْ وَلَا تَبْلیٰ ثِيَابُهُمْ يُعْطیٰ اَحَدُكُمْ فِي الْجَنَّةِ قُوَّةُ مِائَةِ رَجُلٍ وہاں جنت
میں نہ پیشاب پاخانہ کی حاجت۔نہ فناہ جوانی۔نہ گدلے کپڑے
ہونگے۔ بلکہ رب العزۃ ہر ایک آدمی کو ایک سو آدمی کے برابر قوۃ
عطا فرمائیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا انقلاب ہے۔ تو معلوم ہو گیا کہ وہاں
کا جہان کسبی ہے یعنی جو کچھ دنیا میں کمایا محنت مزدوری کی وہ سب
کچھ رب العزۃ کی بینک میں محفوظ ہے اور وہ آخرت میں حاصل ہو
گا۔ دیکھو ہماری عقل ناقص ہے سوچتے ہیں کہ وہاں کپڑے کے
کارخانہ ہونگے نہیں ہماری عقل تو ناقص ہے رب العزۃ کی قدرت
کی وسعت کا کس طرح اندازہ لگا سکتی ہے حدیث شریف میں ہے
کہ میں نے اپنے صالح بندوں کیلئے وہ چیزیں رکھیں ہیں یہاں جنکو آج
تک نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے۔ حدیث
شریف میں ہے کہ اگر دنیا کے تمام درخت مل جائیں تو جنت کے
ایک درخت کے برابر نہیں ہو سکتے۔ حدیث شریف میں ہے کہ
کوئی کارخانے نہیں بلکہ درخت سے ایک خوشہ پھٹے گا جو جی چاہے
گا وہ کپڑا تیار ملے گا نہ کارخانہ نہ درزی کی ضرورت جب جس وقت
جی چاہے کپڑا تیار۔ کوئی تکلیف نہیں صرف ارادہ کے ساتھ سب
مکمل ہو جائے گا۔ ہمیں خیال ہوتا ہے کہ پکے پکائے کھانے کس
طرح ملیں گے بندہ خدا یہ دنیا محنت مشقت کی جگہ ہے اور جنت

عیش و عشرت کی جگہ ہے۔ مگر انسان نے اس کم عمر کے عیش کو پسند کیا۔ باقی وہاں کی تمام عمر ذلت پسند کی۔ منذری میں ہے یَنظُرُ اَحَدُکُمْ اِلَی الطَّیرِ فَیَجِیئُ اِلَیہِ نِضجاً جب جنتی پرندوں کو اڑتا ہوا دیکھیں گے تو صرف اتنا ارادہ کرنے پر وہ پرندہ پکا پکایا موجود ہو گا یہ معلوم ہو گیا کہ یہاں آگ سے پکتا ہے اور وہاں تجلی عرش سے پکے گا۔ امام منذری لکھتے ہیں حدیث شریف یَکُونُ لِاٰخرہٖ لَذّۃٌ مَا یَکُونُ لِاَوّلِہٖ کہ قبل نوالہ کا مزہ اور دوسرے کا اس سے زیادہ تیسرے کا اس سے زیادہ اسی طرح غیر انتہا تک جو تمہارے ذہن میں نہیں ہے۔ یہ تو مصنوعی لذت ہے حقیقی لذت تو خالق جانتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ یہاں صورت پر زندگی کا دارومدار وہاں عرش پر۔ ایک طرف بدن کو خوشی دوسری طرف روح کو خوشی۔ بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ آخرت و دنیا کی لذتوں میں کیا فرق ہے۔ جواب دیا کہ اگر دنیا کی 10 لاکھ نعمتیں اکھٹی کی جائیں آخرت کی ایک منٹ کی نعمت کے برابر نہیں ہو سکتی۔ مولانا اشرف علی تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ مجھے قسم بخدا جسکے ہاں دین نہیں اسکے ہاں دنیا کا مزہ نہیں۔ جو دین کو نہ سمجھے باوجود بادشاہ ہونے کے اسکی زندگی تنگ ہو گی اور جو ایمان لائے اسکو عمدہ زندگی حاصل ہو گی۔ معلوم ہو گیا کہ دنیا دار کے ہاں گدلی زندگی اور دیندار کے ہاں عمدہ زندگی ہے۔ مولانا حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا دار د

دیندار دونوں کھاتے ہیں مگر لذت و مزہ دیندار کو زیادہ نصیب ہوتا ہے۔ کیونکہ دیندار کو مزہ مِنْ حَیثُ الِاقْتِرَابِ اِلَی اللّٰہِ ہوتا ہے یعنی وہ تصور کریگا کہ یہ محبوب حقیقی کی طرف سے بھیجا ہوا ہے تو دیکھو جو کچھ ہو کھانے کیلئے مگر محبوب دیدے تو کتنا مزہ آتا ہے۔ مثال راولپنڈی میں ایک شخص خود خرید کر کباب کھاتا ہے اور اسکو فیلڈ مارشل کچھ شامی کباب صندوق میں بھر کر بھیجتا ہے تو کیا اسکو فیلڈ مارشل کے بھیجے ہوئے کباب میں زیادہ مزہ نہ ہو گا۔ قبل زمانہ میں رواج تھا کہ بادشاہ اگر کھانا کسی کو دیتے تو اپنی ایک صندوق میں کھانا بند کر کے دیتے تھے۔ مولانا تھانوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دیندار کو ایک لذت تو یہ ہوتی ہے کہ یہ میرے رب کریم کی طرف سے بھیجا گیا ہے اور دوسری لذت یہ ہے کہ یہ قاعدہ ہے کہ اگر نعمت کسی صاف برتن میں استعمال کی جائے تو مزہ آئے گا اور اگر کسی گدلا برتن میں استعمال کیا جائے تو مزہ نہیں ہو گا۔ مثلاً بھاولپور کی نہاری مشہور ہے۔ اگر برتن صاف ہو تو مزہ آئے گا اور اگر برتن میں مٹی منگینیاں وغیرہ ہوں تو کیا کھانے میں لذت آئے گی۔ گدلاہٹ کئی قسم کی ہوتی ہے۔ لذت کا تعلق دماغ سے ہے دیندار کا دماغ صاف ستھرا برتن ہے اسکو عمدہ لذت نصیب ہو گی اور اسکے مقابلہ میں دنیا دار اسکی عقل گدلاہٹ سے بھرپور ہے کہیں دنیا کا فکر کہیں گناہ وغیرہ کی گدلاہٹ تو دنیا دار کو کوئی مزہ نہیں ہو گا۔

دسترخوان پر جو نعمتیں ہیں دیندار کو یہ نمونہ معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ تو نمونہ ہیں آگے اس سے لاکھ گنا زیادہ لذیذ نعمتیں ملیں گی۔ حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے درست فرمایا کہ اگر دین نہیں تو لذت و مزہ بھی نہیں۔ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ باقی دنیا کی تمام نعمتیں چھوڑ دو صرف پانی لے لو کہ ساری دنیا خرچ کرکے ایک گلاس شربت کا بناؤ اور آخرت کے پانی کا ایک گھونٹ پی کر وہ گلاس پیش کیا جائے تو آدمی نفرت کی وجہ سے متلی کریگا۔

درس نمبر: ۲۷
12 اپریل 1964ء

رحمتِ جامعہ یا شریعتِ محمدیؐ

اس سے پہلے درس میں دنیا و آخرت کی رحمت کا بیان ہوا اب ایک ایسی رحمت کا بیان ہے جس نے دنیا و آخرت کی تمام نعمتیں اپنے اندر جمع کر رکھی ہیں وہ رحمت جامعہ ہے اس کا معنی یہ ہے کہ شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اللہ تعالی کے جن قوانین کو ہم نے پایا۔ یعنی رحمتیں مل گئیں قرآن وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِينَ ہم نے نہیں بھیجا مگر سارے جہان کی رحمت بنا کر معنی یہ ہے کہ آپ کی لائی ہوئی شریعت دین وغیرہ سب کچھ سراپا رحمت ہے آپکی شریعت میں صرف رحمۃ کا بیان ہے اسکے مقابلہ میں کوئی شخص دوسری شریعت کا حکم تراشے تو وہ رحمت سے زحمت کی طرف جا رہا ہے اور رحمت کے پہلو کے علاوہ اگر اس حکم کو دیکھا جائے تو اللہ تعالی کی شریعت کے سوا جو قانون ہو گا وہ انسان کا اور انسان و خدا میں فرق ہے قرآن نے فرمایا۔ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ پھر

کردیا ہم نے تجھ کو محمد ایک شریعت پر حکم دیا کہ اس پر چلنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ کافر وغیرہ نیا دین گھڑیں گے۔ تو فرمایا وَلَا تَتَّبِع الخ کہ غیر کی تابع داری نہ کر۔ یورپ تمکو یہ دھوکہ دے رہا ہے کہ یہ دین اللہ تعالیٰ کا نہیں۔ نہیں۔ اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ یہ تمہارے پروردگار کی بات ہے۔ وہ جاہلوں کی بات ہے یہ مسلمانوں کی خوشی ہے کہ جس طرح رحمت جامعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھی اس طرح موجود ہے۔ شریعت کو عربی میں گھاٹ کہتے ہیں جہاں جانوروں کو پانی پلاتے ہیں۔ اگر جانوروں کو پانی نہ پلایا جائے تو جانور مر جائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا قانون بنایا کہ اگر تم شریعت کو چھوڑو گے تو شریعت کا نقصان نہیں تم ہلاک ہو جاؤ گے اور آخرت کی جہنم خریدو گے۔ تو شریعت قانون زندگی کا نام ہے اور یہ رحمت جامعہ ہے۔ اسکی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس شریعت کا سرچشمہ رب العزۃ ہیں اور وہ ذات سراپا رحمت ہے لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ انسان قانون بنائے تو وہ بھی سراپا رحمت ہے۔ دیکھو انسان کو انسان سے دشمنی ہے۔ مثلاً دو عظیم جنگیں یہ دلیل ہیں کہ انسان کو انسان سے دشمنی ہے۔ تو معلوم ہو گیا کہ انسان ہمیشہ انسان کیلئے رحمت کم زحمت زیادہ۔ دوسری بات یہ کہ قانون زندگی وہ بنائے گا جس نے زندگی دی اور جس نے زندگی نہیں بنائی وہ زندگی کے نشیب و فراز سے واقف نہیں۔ تو ایسا

قانون بنائیگا جس کو سمجھے گا تو درست لیکن حقیقت میں وہ ٹیڑھا ثابت ہوگا کیونکہ وہ زندگی کے نشیب و فراز سے ناواقف ہے۔ ایک حکیم اور ایک فلاسفر موسم گرما میں اکٹھا سفر کر رہے تھے تو راستہ میں آم کے درخت کے نیچے لیٹ گئے ساتھ کدو شریف کی کھیت تھی فلاسفر کہتا ہے کہ آم کا درخت کتنا بڑا ہے اور پھل چھوٹا ہے اور اسکے مقابلہ میں کدو شریف کی بیلیں ایسی ہیں کہ ساری جیب میں ڈال لیں مگر کدو پھل بڑا ہے حکیم نے کہاکہ یہ سب اللہ تعالی کی حکمتیں ہیں کچھ دیر کے بعد ہوا چلی تو ایک آم اسکے ناک پر آگرا کہنے لگا واقعی رب العزۃ حکمت کا مالک ہے اگر آٹھ سیر کا کدو گرتا تو ناک تو خیر جان کا اندیشہ تھا توبہ کی تو معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالی سراپا رحمت۔اسکا بھیجا ہوا طریقہ رحمت۔دوسرا شریعت نام ہے زندگی کا جو زندگی ساز ہے وہ قانون دیگا۔ جس کی جان جس وقت لے کسی کی مجال نہیں کوئی اسکی اجازت کے بغیر دم نہیں لے سکتا۔ دیکھو امریکہ کی ساری فوج محافظ ہے مگر جب جان لینے پر آیا تو کسی کو پتہ نہیں کہ صدر کنیڈی کو کس نے گولی کا نشانہ بنایا۔ تیسری بات یہ ہے کہ قانون زندگی وہ بنائے گا جسکو مکمل زندگی کا علم ہو اور جسکو پوری زندگی معلوم نہ ہوگی تو وہ ایسا قانون بنائے گا کہ ایک زندگی کے ٹکڑے میں تو درست مگر دوسرے ٹکڑے میں عاجز ہوجائے گا۔ زندگی رب العزۃ کے ماسوا کسی کو معلوم نہیں شکم

مادر میں انسان زندہ رہتا ہے یہ ایک اسٹیشن دوسرا سٹیشن دنیاوی زندگی زمین کی پشت پر تیسرا سٹیشن عالم برزخ یعنی قبر۔ چوتھا میدان حساب کتاب۔ پانچواں جنت و دوزخ۔ تو معلوم ہو گیا کہ زندگی بظاہر تو نہیں ہل رہی مگر درحقیقت ہل رہی ہے ہم سمجھتے ہیں زندگی کھڑی ہے۔ نہیں۔ چل رہی ہے کام ہو رہا ہے۔ پتہ نہیں۔ یہ عجیب انتظام فرمایا۔ دیکھو بعض اوقات گاڑی میں معلوم ہوتا ہے کہ زمین چل رہی ہے اور گاڑی کھڑی ہے یا بعض وقت دو گاڑیاں گذریں تو اپنی گاڑی کھڑی اور دوسرے کی چلتی معلوم ہوتی ہے۔ زندگی ایک سیکنڈ کیلئے نہیں ٹھرتی ٹھرنے کی جگہ آگے ہے۔ بطور مثال شکم مادر سے جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو قبل چھوٹا ہوتا ہے یعنی تمام عضو چھوٹے ہوتے ہیں۔ جس طرح عمر ہوئی اتنا بڑا ہوتا گیا معلوم ہو گیا کہ زندگی حرکت کر رہی ہے۔ ٹھری نہیں۔ جوانی کے بعد بھی اللہ تعالی نہیں ٹھرنے دیتا۔ دوسری حرکت بڑھاپا کی طرف شروع ہو جاتی ہے دانت وغیرہ گر گئے پشت کمزور ہو گئی قرآن۔ یَا اَیُّہَا الاِنسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ کَدحًا فَمُلٰقِیہِ۔ کہ اے انسان تو تکلیف اٹھا کر خدا کی طرف چل پڑا ہے اس سے ملاقات ہونی ہے۔ یہ زندگی کی ایسی حرکت ہے کہ اسکو کوئی نہیں روک سکتا اگر ساری دنیا مل کر کوشش کرے کہ بچہ پیدائش کے بعد بڑھے نہیں تو یہ حرکت نہیں روک سکتے عاجز انسان اپنی گاڑی جب چاہے تو نہیں روک سکتا ماسوا اللہ

تعالی کے تو اللہ تعالی کی گاڑی کس طرح روک سکتا ہے حقیقت میں آخرت آرہی ہے حدیث شریف اِرْتَحَلَتِ الدُّنْیَا مُدْبِرَۃً وَارْتَحَلَتِ الْعُقْبٰی مُقْبِلَۃً وَلِکُلِّ وَاحِدٍ فِیْھِمَا بَنُوْنَ الخ کہ جس طرح رات جارہی ہے دن آرہا ہے تو دنیا جارہی ہے آخرت آرہی ہے کچھ لوگ آخرت کی آبادی کر رہے ہیں اور کچھ لوگ دنیا کی آبادی کر رہے ہیں اور آخرت کو برباد کر رہے ہیں جو چیز جدا ہوگی جتنا جی لگا کر کماؤ جدا ہوگی بالعکس آخرت کے کہ وہ ملے گی جدا نہ ہوگی۔ حدیث نے بتا دیا کہ زندگی جارہی ہے آخرت آرہی ہے اب یہ معلوم کریں گے زندگی کا قانون کون بنائے گا جسکو زندگی کی تمام سرحدیں معلوم ہوں۔ دیکھو شکم مادر کی زندگی کا ہمیں علم نہیں جب قبر میں جائینگے تو کوئی علم نہیں کہ کیا ہوگا۔ میدان قیامت کا کوئی پتہ نہیں۔ جنت و آخرت کا کوئی علم نہیں معلوم ہوا کہ زندگی کی زنجیر کی کڑیاں بہت ہیں شمار نہیں کیجاتیں۔ اب جو زندگی کی پوری کڑیاں جانے گا وہ قانون بنائے گا وہ خیال رکھے گا کہ ایسا قانون بناؤں جو تمام کڑیوں میں فائدہ مند ہو اور انسان اگر بنائے گا تو ہوگا تو غلط اگر ادھر کیلئے درست ہو بھی گیا تو آگے چل کر باقی میدانوں میں وہ مضر ثابت ہوگا تو معلوم ہوگیا کہ معمولی زندگی کیلئے فائدہ مند جو خواب کی طرح گذر جائے گی کیا ایسی چند دنکی زندگی کو تھوکیں گے آگے تو تباہی ہوگی۔ مثلاً جون جولائی کے مہینہ میں باریک ململ کا کپڑا پہننا

ایک دوم کھلی زمین میں سونا سوم برف کا پانی استعمال کرنا تو درست لیکن آگے چلکر جنوری کے مہینہ میں یہ چیزیں مضر ہونگی اسی طرح جاڑے کے مہینہ میں آستین وغیرہ پہننا مفید مگر گرمی کے موسم میں مضر ثابت ہونگی جب ایک دنیا میں دو دور رکھے ایک حصہ میں چیز فائدہ مند دوسرے حصہ میں ضرر تو دنیا و آخرت میں تو بڑا فاصلہ ہے۔ تومثال سے آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ یہاں انسان کا ماحول بدلتا رہتا ہے۔ مثلاً آج کل جس طرح غلط خیال کر رکھا ہے کہ سود کے بغیر کاروبار نہیں چلتا اور اللہ تعالی کے پاس سود مضر ہے کہ یہ حرام چیز ہے یورپ نے تو سود کو جزو زندگی بنا رکھا ہے مثلاً اگر 5 ہزار سے 50 ہزار سود کمایا تو مانا کہ اس دور میں تو فائدہ مگر آگے چلکر نقصان ہو اور قبر وغیرہ میں تو شک نہیں۔ اور اتنا نقصان وہ ہے کہ جب قانون محمدی میں جب سود کی حرمت نازل ہوئی تو عرب خود سود میں کاروبار کیا کرتے تھے۔ وہ بھی کہتے تھے کہ سود کے بغیر کام نہیں چلتا۔ جس طرح انگریز نے ہمارے ذھن میں یہ بھر دیا ہے کہ سود کے بغیر کام نہیں چل سکتا تو حجتہ الوداع کے موقعہ پر کعبتہ اللہ کے دروازہ پر چڑھ کر فرمایا کہ جہالت کے وقت جو سودی کاروبار کر رہے ہیں میں اسکو پاؤں سے روند رہا ہوں اور سب سے قبل جو میرا چچا سودی کاروبار کر رہا تھا اسکو روند رہا ہوں ایمان کی ایک ٹکر لگی کسی نے سود کا نام نہ لیا یہ تھی ایمانی قوت کہ

اپنی پسندیدہ چیز کو ختم کر دیا۔ قرآن وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُؤُسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ اب اللہ تعالیٰ کے سامنے سر جھکاؤ تو پوری رقم ملے گی نہ تم ان پر ظلم کرو نہ وہ تم پر ظلم کریں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قانون ہے کہ سود حرام ہے اب اگر سودی کاروبار کیا تو رب العزۃ سے غداری ہو گی۔ تو تم سمجھو کہ جس دن سے سود خوری کی اسی دن سے اللہ تعالیٰ سے اعلان جنگ کیا ہے یہ کتنا عظیم جرم ہے یہاں دنیا میں تو اللہ تعالیٰ مہربان ہیں جزا سزا کے دن میزان فرمائیں گے حدیث شریف میں ہے کہ سودی کاروبار جو کریگا قیامت کے دن اسکا اٹھنا نرالا ہو گا جو مردہ اٹھے گا وہ سیدھا امتحان گاہ چلے گا اور سود والا جس طرح ٹیڑھا تھا اسی طرح ٹھوکریں کھا کھا کر چلے گا یعنی ایک قدم چلے گا تو منہ کے بل گر پڑے گا کتنی ذلت کی بات ہے۔ حدیث صحیحین لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰكِلَ الرِّبٰوا وَمُوْكِلَهٗ وَكَاتِبَهٗ وَشَاهِدَهٗ کہ جو شخص سود کھاتا ہے یا کھلاتا ہے یا سودی دستاویز لکھتا ہے یا ان پر گواہ بنتا ہے سب پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت ہے۔ یہ پیغمبر کی بددعا لگی ہے دیکھو ہم میں مشہور ہوتا ہے کہ فلاں قوم یا شخص کو بزرگ کی بددعا ہے۔ اگر کسی بزرگ کی بددعا لگ جائے تو پشت ہا پشت نقصان دہ ہوتی ہے۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگر کسی کو بددعا کریں کہ یا اللہ انکو اپنی رحمت سے محروم کر یا انکو اپنی رحمت نہ دے تو کیا حضور صلی

اللہ علیہ وسلم نے جو سود خور کیلئے بددعا فرمائی ہے نہ نقصان دیگی! اتفاق سے کوہاٹ یا کسی اور جگہ کا نام فرمایا کہ میں گیا تو اس شہر میں احمد شاہ ابدالی کے وقت ایک بزرگ محمد عمر رحمۃ اللہ علیہ چمنی والے گذرے ہیں انکو محلہ والے ستاتے تھے ایک دن بددعا کی کہ یا اللہ انکو دو نہ کر ایک ہوں آج اڑھائی سو سال کا عرصہ دراز گذر چکا ہے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ کسی کے دو بیٹے نہیں اگر کسی کا دوسرا بیٹا ہوا تو یا خود وہ دوسرا بیٹا یا پہلا بیٹا ایک فوت ہو جاتا ہے یہ تو ایک بزرگ کی بددعا ہوئی۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا میں تو قبولیت کا کوئی شک نہیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا فرمائی ہے کہ سود خور اللہ تعالی کی رحمت سے محروم رہے گا اس زمانہ میں صرف اللہ تعالی کا قانون جو ہے بس وہ کافی ہے یہ تو علمی تحقیق کی ہے۔مگر دور حاضرہ میں عقل کی بات بیان کرتا ہوں دیکھو اللہ تعالی نے سود کو حرام فرمایا اس میں اللہ تعالی کو تو فائدہ نہیں مثلاً طبیب نے کہا کہ زہر نہ کھاؤ اگر زہر کھا لیا تو خود ہلاک ہو جاؤ گے حکیم کا تو کوئی نقصان نہیں ہوگا اس لئے اللہ تعالی نے فرمایا کہ سود مت کھاؤ اللہ تعالی نے جو قانون احکام دئے ہیں وہ ہمارے لئے فائدہ مند ہیں انسان کی زندگی کے متعلق اخلاق ایک بنیادی چیز (2) معاشیات (3) معاشرہ (4) تعلق مع اللہ سب سے ایک قوم کی بلندی و پستی کا معیار اخلاق پر ہے۔بخاری شریف میں ہے حضور صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں مبعوث ہوں کہ عمدہ اخلاق مروج کروں اخلاق کا معنی کہ انسان کے دل میں ایک ایسی نوعیت پیدا ہو جو باقی انسانوں کیلئے فائدہ مند ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ اَیُّ النَّاسِ خَیرٌ کہ تیری امت میں سب سے بہتر کون ہیں فرمایا کہ جنکے اخلاق اچھے وہ سب سے اچھے ترمذی شریف میں مَایُوضَعُ فِی المِیزَانِ اَثقَل مِن خُلقٍ حَسَنٍ اَوکَمَا قَالَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کا معاملہ بڑا فیصلہ کا معاملہ ہے تو اللہ تعالی تول کریگا بڑی جانچ پڑتال کریگا پہلے اس طریقہ سے تول فرمائیں گے کہ نیکی ایک پلہ میں بدی دوسرے پلہ میں دوسرا طریقہ نیک اعمال کے کاغذ تولیں گے جو اعلی نیکی میں کاغذ ہونگے وہ زیادہ وزن رکھیں گے اگر عمل میں ریا ہوگا تو ایک رتی وزن نہیں ہوگا اللہ تعالی فرماویں گے کہ نیکی کی نوعیت کے اعتبار سے سیاہ اور نورانی صورۃ میں میزان کیا ہے دیکھ لیا تو بندہ کہے گا ہاں دیکھ لیا پھر تیسری طرح تول فرماویں گے کہ نامہ اعمال نیک ایک طرف دوسری طرف پلہ میں بد نامہ اعمال رکھکر تولیں گے اور فرماویں گے کہ تسلی ہوئی آج کل کے لوگوں نے مشہور کر رکھا ہے کہ اعمال کس طرح تولے جائیں گے کوئی وجود تو نہیں رکھتے دیکھو منڈی کے ترازو میں فرق اور سٹیشن کے ترازو میں فرق کیا تھرما میٹر سے بخار نہیں تولا جاتا۔ یا کیا محکمہ موسمیات تمام ملک کی گرمی سردی نہیں تولتے کیا گرمی سردی

وجود رکھتی ہے تو انسان کی ناقص عقل نے یہ چیز بنا ڈالی اور اللہ تعالی نہیں بنا سکتے۔ پہلے اخلاق کے سلسلہ میں کہہ رہا ہوں وزن اعمال ایک بڑی چیز ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گناہ سے پاک تھے مگر اسکے باوجود امت کی غمی تو ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا کہ یہاں تو آپ یاد فرماتے ہیں کیا وہاں آخرت میں بھی یاد فرماؤ گے فرمایا تین جگہوں پر کوئی کسی کو یاد نہیں کریگا۔ ایک وقت میزان کہ ہر آدمی کی نگاہ ترازو پر ہوگی کہ کیا ہوتا ہے دوسرا جب اعمال کے کاغذ اڑیں گے اور دایاں میں نیک اعمال والے کاغذ اور بایاں میں بد اعمال والے کاغذ ہونگے۔ اس وقت نظر ادھر ادھر نہ ہوگی۔ تیسرا پل صراط کے وقت کسی کی خبر نہ ہوگی۔ عام علماء کا اتفاق ہے کہ ترازو دنیاوی ترازو کے مثل ہوگا کہ وزنی اور قیمتی پلڑا نیچے جھکا ہوا ہوگا اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آخرت کا ترازو منڈی کے ترازو سے مختلف ہوگا۔ آخرت میں عمدہ پلڑا اوپر اٹھا ہوا ہوگا یعنی جو عمدہ درست پلڑا وہ اوپر ہوگا اور جو غلط وہ نیچے ہوگا۔ پوچھا گیا یہ کس طرح تو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قیامت انقلاب ہے جو آدمی ایمان والا وہ جنت میں اور جنت اوپر تو ترازو کا پلڑا بھی اوپر یہ گویا آخرت کا انقلاب ہے۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس پلہ سے نورانی تار نکلیں گے وہ درست اور جس پلہ سے سیاہ تار نکلیں

گے وہ غلط۔ میں تو کہتا ہوں کہ یہ تینوں طریقہ استعمال کئے جائیں گے۔ جب اعمال تلیں گے رب العزۃ فرمادیں گے اے بندہ دیکھ لیا یہ بداعمال تو نے کئے تھے بندہ کہے گا کہ مجھے تو کوئی علم نہیں۔ پھر کراماً کاتبین کو بلایا جائے گا تو کہے گا کہ انکا پتہ بھی نہیں۔ تو پھر ہر اعضا نے جو گناہ کیا ہو گا اس کا اعتراف کریں گے۔ وہ بندہ کہے گا کہ میں نے تو تمہیں آگ سے نجات کیلئے جھوٹ بولا ہے تم کو کس نے بلوایا تو ہاتھ کہیں گے کہ جو ہر ایک کو بلوا سکتا ہے۔

درس نمبر: ۲۸
17 اپریل 1964ء

قربانی پر بحث

پہلے درس میں بسم اللہ کے بیان میں اللہ کی دو صفتیں بیان کیں کہ ایک رحمان دوسری رحیم یعنی اللہ تعالی سرچشمہ رحمت ہیں۔ بعض مفارقین اسلام نے اعتراض کیا ہے کہ بسم اللہ میں اللہ تعالی کی رحمت کا بیان ہے لیکن جب ذبح کرتے ہو تو بسم اللہ تلاوت کی جاتی ہے تو جانور کو ذبح کرنا بے رحمی اور بے رحمی کے وقت بسم اللہ کا تلاوت کرنا آپ مسلمان رحمت جانتے ہو۔ ہندوؤں کا ایک عالم گذرا ہے جس نے سرتا یہ کتاب میں بسم اللہ پر یہ اعتراض کیا ہے۔ یہ قرآن پر اعتراض ہوا تو اس سلسلہ میں یہ بیان ہے کہ اوروں کے مذھب میں قربانی ذبح وغیرہ درست تو جانور ذبح کرنے پر جو اعتراض کیا وہ غلط کیونکہ ہر مذھب میں جانور ذبح کرتے ہیں مسلمان صرف پاک جانور اور عیسائی وغیرہ حرام ذبح کرتے ہیں۔ ہندو اگر گائے ذبح نہیں تو بکری وغیرہ تو ذبح کرتے ہیں۔ جانور ذبح کرنے میں اتفاق ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ سارے

مذاہب والے اللہ تعالی کو رحمت کے ساتھ موصوف جانتے ہیں۔ صحیح انجیل میں سات جگہ پر خنزیر حرام ذکر ہے اور ایک جگہ پر تو یہ ذکر ہے کہ جس نے خنزیر کھایا قیامت میں نجات نہ ہو گی۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ پوری عیسائی قوم باوجود خنزیر حرام ہونے کے استعمال کرتی ہے یہ کتنا غلط ہے کہ ایک چیز مذہب میں واضح طور پر حرام ہے مگر ساری قوم کھاتی ہے ایک عیسائی پادری نے لکھا ہے کہ خنزیر حرام ہے ہم سب جانتے ہیں مگر جس وقت شروع کیا تو پادری حکم دیا کرتے تھے سری پائے مجھے دینا تو اب یہ مروج طریق کار ہے۔ یورپ میں تقریباً تین حصہ کئے گئے ہیں جس میں ایک حصہ صرف خنزیر کی رہائش کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ عیسی علیہ السلام جب تشریف لے آئیں گے تو سب سے قبل خنزیر کو ختم کریں گے۔ علما نے لکھا ہے کہ جو چیز جانوروں میں حرام ہے پوری قوم تو کیا ایک فرد مسلم بھی نوش کرنا گوارا نہیں سجھتا۔ دیکھو کتا وغیرہ یہ تو حدیث میں ممانعت ہے قرآن نے تو ذکر ہی نہیں کیا لیکن اس کے مقابلہ میں عیسائی انکی تو انجیل میں سات مرتبہ ذکر کیا گیا ہے کہ خنزیر حرام ہے تو عیسائی مذہب اتنے غلیظ ہونیکے باوجود ہم اسکے عاشق بنے پھرتے ہیں۔ کتنا مسلمان کمزور ہو مگر حرام چیز نہیں کھائے گا۔ کیونکہ دین مذہب مضبوط ہے۔ انسان کی فطرت بتلارہی ہے کہ گوشت خوری انسان

کی فطرت میں داخل ہے۔
درندے گوشت نوچتے ہیں ان میں اللہ تعالی نے
صرف گوشت نوچنے کے دانت رکھے ہیں اور پیسنے کے نہیں رکھے۔
اور بعض جانور گھاس سبزی کھاتے ہیں ان میں صرف پیسنے کے
رکھے ہیں۔ اور انسان چونکہ گوشت سبزی دونوں استعمال کرتا ہے تو
اس میں دونوں رکھے۔ تو اللہ تعالی نے یہ فطرتی چیز پیدا فرمائی کہ
گوشت کھاؤ جانور قربان وذبح کرو ہر بادشاہ کے احسان و بخشش کرنے
کے مخصوص دن ہوتے ہیں حدیث کہ اللہ تعالی نے 12 مہینہ میں
اپنے انعام تقسیم کرنے میں 10 دن رکھے ہیں ایک آخری 10
راتیں رمضان شریف کی جن میں چھٹانک کی چیز لاکھ من کی ہو
جاتی ہے۔ اور دس دن ذوالحجہ کے تو اس میں اللہ تعالی کی بخشش
انعامات نیکی کے ثواب اور اجر میں ترقی ہوتی ہے باقی دنوں میں
کوئی اجر انکے برابر نہیں ہوتا اور اس میں خاصکر عرفہ کے دن روزہ
رکھنا مسلم شریف میں حضرت ابوقتادہؓ سے مروی ہے سُئِلَ عَنْ
رَسُولِ اللّٰہِ ﷺ صَوْمِ یَوْمِ عَرَفَۃَ قَالَ تکفر الخ کہ یوم عرفہ کے ایک روزہ
رکھنے سے ایک سال کے قبل کے اور آئندہ کے گناہ معاف۔ ہر
گناہ ایک قید ہے جب گناہ معاف تو ایک دن میں روزہ رکھنے سے
رب العزۃ نے کتنے گناہ مٹا دئے۔ مغربی یورپ کے تاثرات مسلمان
کے ایسے ذھن نشین ہوئے ہیں کہ مذھبی واضح چیز میں شک ہوا۔ کہ

قربانی کرنا فضول خرچی ہے۔ حدیث اَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِیْنَۃِ عَشْرَ سِنِیْنَ الخ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں 10 سال زندہ رہے۔ اور ہر سال قربانی فرمایا کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ قربانی کا تعلق حج کے ساتھ نہیں۔ بلکہ باقی پر بھی واجب ہے۔ حالانکہ علماء کا متفقہ فتوی ہے کہ حاجی پر نہ نماز عید نہ قربانی درست کیونکہ وہ تو مسافر ہے اور ساڑھے 13 سو سال مراکش سے لیکر چین تک اربوں مسلمان قربانیاں کرتے آئے ہیں اور آج قربانی فضول خرچی ہو گئی۔ جمع الفوائد طبرانی سے منقول ہے کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بکری ذبح ہونے کے وقت قربانی کرنے والا خود موجود ہو یعنی جب چھری پھیری جائے تو اس وقت حاضر رہو ایک قطرہ خون کے بدلہ آپکا ایک گناہ معاف ہو گا۔ تو علماء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اگر بادشاہ ہو تو بھی قربانی کے وقت حاضر رہے۔ بہر حال قربانی سے انکار کرنا یہ اسلام کی تاریخ کے منافی ہے بعض لوگ بنیئے بنکر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ کتنے لوگ قربانیاں کرتے ہیں یہ مال تو ضائع ہو جاتا ہے۔ خیرات سمجھ کر ہم قربانی کرتے ہیں۔ اور اجر رب العزۃ دیں گے جو کچھ وہ فرمائیں گے وہی کرینگے قربانی کی روح تو آگے بیان کروں گا مگر کچھ بیان کرتا ہوں ہمیں چھری پھیر دینی ہے آگے کوئی گوشت کھائے یا نہ کھائے۔ قبل زمانہ میں قربانی کا گوشت بچ نہیں سکتا تھا مگر اب چونکہ تعداد

زیادہ ہوگئی ہے اسکے باوجود بچتا تو نہیں اگر بچے بھی صحیح تو حکومت انتظام کرے کہ گوشت وغیرہ خشک کرکے غرباء میں تقسیم کرے اور کھال وغیرہ کے کارخانہ قائم کرکے صاف ستھرا بنائے حالانکہ ہڈیاں بھی ضائع نہیں جاتیں۔ غزنی میں یہ طریقہ ہے کہ اکتوبر کے مہینہ میں گوشت خشک کرلیتے ہیں اور اپریل تک کھاتے ہیں حتی کہ خون بھی ضائع نہیں جاتا اگر خون کی حفاظت کی جائے تو زمین کیلئے عمدہ کھاد ہے یہ تو دنیاوی فائدہ ہوا اللہ تعالی کو مال وغیرہ گوشت ہڈیاں کی ضرورت نہیں قرآن شریف میں ہے۔

لَن یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُومُہَا وَلَادِمَاؤُہَا وَلٰکِن یَّنَالُہُ التَّقوٰی مِنکُم

قرآن سے ثابت ہے کہ اللہ تعالی کے پاس خون وغیرہ نہیں جاتا بلکہ دل کا تقوی و دل کا نور اللہ تعالی کو زیادہ مقبول ہے آج کل جو فاسقوں نے یہ مسئلہ پھیلا رکھا ہے کہ قربانی سے کتنی جانیں بے فائدہ ذبح ہوجاتی ہیں انکو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالی کے مقبول بندہ کی یادگار ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے فرزند اسماعیلؑ جب حضرت ابراہیمؑ کو اللہ تعالی نے خوابوں میں آزمائش کی آپؑ نے ایک خواب کو تردد کیا دوسرا بھی تیسرے میں وضاحت سے کہا گیا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کر دیکھو معاملہ رب العزۃ نے خواب میں رکھا تاکہ میرے بندہ کی مقبولیت سورج کی طرح چمکے دیکھو خواب پر عمل کرنا کمال کی بات ہے بنسبت بیداری کے کیونکہ بیداری کی بات

ان ٹل ہوتی ہے اورخواب کئی درست کئی غلط مگر ہم تو بیداری میں بھی عمل نہیں کرتے۔ آج کل تو جس کام میں تکلیف نہیں وہ بھی نہیں کرتے مثلاً عقیدہ میں تو کوئی بوجھ نہیں عمل میں تکلیف ہے دیکھو عمل کے معاملہ میں انگریز نے کہا کہ یہ مولوی کی بات ہے اس کو مت مانو اس سے بچو لیکن اللہ تعالی نے فرمایا او بد بخت عمل کر نہ کر صحیح عقیدہ کو تو مان۔ آج کل کے فرزند تو باپ کا کہا نہیں مانتے یہ فرزند عزیز حضرت اسماعیلؑ بھی اس وقت 13 یا 11 سال کی عمر کے اندر تھے مگر جب باپ نے بیٹے کو کہا کہ رب العزۃ نے تیرے متعلق یہ حکم فرمایا ہے بیٹے نے کہا کہ ابا جان جو حکم رب العزۃ نے دیا ہے کر ڈال آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پاؤ گے چوں نہیں کرونگا۔

بیٹے کی معمولی سی تکلیف بھی باپ برداشت نہیں کر سکتا۔ مگر یہاں کمال یہ ہے کہ باپ نے بیٹے پر چھری چلائی ہے۔ حضرت اسماعیلؑ نے مشورہ دیا کہ پیشانی کے بل لٹانا تاکہ اللہ تعالی کی تعمیل میں میرے چہرہ کی محبت حائل نہ بن جائے یعنی حکم خداوندی کی نافرمانی نہ ہو قرآن۔ جب دونوں زمین کے بل مشغول ہوگئے ہم نے گویا ان کے بدلہ ایک بڑی قربانی رکھ دی جو ایک بار نہ ہو گی ساری عمر ہوتی رہے گی۔

انسان اگر 10 کروڑ یا زائد رقم خرچ کر ڈالے اور

قربانی نہ کرے تو ابراہیمؑ والا فعل صادق نہ ہوگا اللہ تعالیٰ نے سب پر واجب کردیا تاکہ میرے مقبول بندہ کی یادگار بنجائے۔ حدیث شریف مَامِنْ عَمَلٍ فِی ھٰذِہِ الْاَیَّامِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ الخ کہ ان ذوالحج کے دس دنوں جتنی نیکیاں کرو صدقہ خیرات کرو مگر خون قربانی کے ایک قطرہ سے ہیچ ہے۔ اب میں فلسفہ قربانی کے متعلق کچھ بیان کرتا ہوں کہ اسلام کے لحاظ سے کائنات کی ہر چیز میں جان و زندگی ہے۔ مگر جان جان کا فرق اور زندگی زندگی کا فرق ہے۔ مثلاً جمادات میں زندگی ہے مگر معمولی اس سے اوپر نباتات جو جمادات سے کچھ زائد جان رکھتے ہیں پھر حیوانات جو کچھ زائد زندگی رکھتے ہیں۔ پھر انسان جو ان سب سے زیادہ زندگی و جان رکھتا ہے۔ ان چاروں میں سمجھ بوجھ زندگی و جان فرق سے ہے۔ سب سے زیادہ انسان میں ہے۔ پھر انسان میں فرق ہے بعض عقلمند بعض کم عقل۔ جان میں کوئی کمزور اور کوئی طاقتور وَاِنْ مِّنْ شَیْئٍ اِلَّا یُسَبِّحُ الخ کائنات کی ہر شئی پاکی و تسبیح بیان کرتی ہے مگر تم کو پتہ نہیں۔ قرآن یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ زمین آسمان میں ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ معلوم ہوا کہ پوری کائنات تسبیح میں مشغول ہے۔ قرآن۔ کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلٰوتَہٗ، کائنات کی ہر شئی اپنی اپنی نماز جانتی ہے۔ انسان افضل ہے اسکی نماز افضل باقی ہر شئی اپنے اپنے طریقہ پر۔ تو کائنات کی ہر شئی میں زندگی، جان سمجھ بوجھ ہے۔ مگر درجہ بدرجہ

ترتیب وار سب سے کم جمادات پھر نباتات پھر حیوانات پھر انسان۔ خود انسان کے بدن میں یہ حال ہے کہ ہاتھ کی انگلی میں حس ہے پاؤں کی انگلی میں حس نہیں مثلاً ڈاکٹر صاحب جب مریض کو دیکھیں تو ہاتھ کی انگلی نبض پر رکھتے ہیں نہ کہ پاؤں کی۔ معلوم ہو گیا کہ انسان کے ہر عضو میں جدا خاصیت ہے۔ تو معلوم ہو گیا کہ کائنات کی ہر شئی میں درجہ بدرجہ جان ضروری ہے کچھ اشارات بیان کرتا ہوں کہ حضرت ابراہیمؑ کو نمرود نے آگ میں ڈالا تو رب العزۃ نے حکم فرمایا۔ قُلْنَا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ کہ اے آگ تو ٹھنڈی ہو جا ایسی نہ کہ سردی سے مر جائے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اگر سَلٰمًا نہ فرماتے تو آگ اتنی ٹھنڈی ہو جاتی کہ حضرت ابراہیمؑ سردی سے مر جاتے اگر آگ میں زندگی جان علم نہ ہوتا تو اللہ تعالی کے اس امر کو کس طرح مانتی دوسری مثال کہ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو لیکر مصر سے چل پڑے دیکھو افریقہ جیسے ملک پر صرف ایک لاٹھی دیکر بھیجا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ لاٹھی جیتی اور فرعون ہارا۔ خیر جب چل پڑے تو فرعون 9 لاکھ کا لشکر لیکر آ پہنچا آگے سمندر پیچھے فرعون تو بنی اسرائیل گھبرائے کیونکہ قرآن میں ہے یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَکُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَکُمْ کہ وہ فرعون ظالم انکے مذکر قتل کر دیتا تھا اور مونث کو زندہ چھوڑ دیتا تھا جب وہ دونوں لشکر ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے تو بنی اسرائیل گھبرائے کہا کہ

اے پیغمبرؑ ہم تو قابو میں آ گئے تو قَالَ کَلَّا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ موسیٰ نے فرمایا ہر گز نہیں میرے ساتھ میرا رب ہے۔ وہ لشکر قریب آ گیا رب العزۃ سمندر کے رستہ تو پہلے بھی بنا سکتے تھے مگر قریب آنے کی وجہ یہ تھی کہ رب العزۃ دیکھنا چاہتے تھے کہ موسیٰؑ کی استقامت کتنی ہے۔ یہ نبیؑ تو برحق تھے کہ اپنی استقامت پر قائم رہے کوئی "مرتد غلام احمد مرزائی تو نہ تھا"۔ موسیٰؑ نے فرمایا ہر گز نہیں میرے ساتھ خدا ہے وہ کوئی راہ نکالے گا جب فرعون کا لشکر قریب آیا تو حکم دیا موسیٰؑ لاٹھی کو سمندر پر مار جب ماری تو 12 سڑکیں خشک بن گئیں تو اگر سمندر میں جان زندگی وغیرہ نہ ہوتی تو یہ حکم کس طرح مانتا۔ تیسری مثال حضرت صالحؑ کی قوم نے مطالبہ کیا کہ یہ چٹان پھٹے اسی وقت اس چٹان سے اونٹنی پیدا ہو جو گابھن ہو اور اسی وقت بچہ پیدا ہو تو مطالبہ پورا ہوا تو اس چٹان میں جان وغیرہ تھی تو یہ حکم مانا۔ ہمیشہ جب خواہش پر معجزہ ہو تو وہی معجزہ باعث ہلاکت بنتا ہے تو صالحؑ کی قوم اس اونٹنی کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئی۔ ہمارے نزدیک یہ تمام چیزیں مردہ دکھائی دیتی ہیں مگر رب العزۃ کے ہاں زندہ ہیں وہ جس وقت چاہے ان سے کام لے سکتا ہے۔ تو زندگی میں قانون ہے کہ ہر ادنی زندگی اعلیٰ زندگی پر قربان ہے۔ مثلاً فلسفہ کائنات کہ مٹی اور پانی اپنا وجود درخت پر قربان کر کے اسکی خوراک بن جاتی ہیں جس سے اس کی زندگی بحال

رہتی ہے۔ معلوم ہوگیا کہ جمادات نے اپنی زندگی نباتات پر قربان
کردی۔ زمین سے اگی ہوئی گھاس وغیرہ حیوانات کھاتے ہیں معلوم
ہوگیا کہ نباتات نے اپنی زندگی حیوانات پر قربان کردی اس کے
بعد ہم حلال حیوان کو ذبح کرکے کھاتے ہیں تو حیوان نے انسان پر
اپنی زندگی قربان کردی۔ تو یہ پہلو تو موجود ہوا کہ سلسلہ قربانی موجود
ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ دو پہلو ہیں ایک تو یہ کہ جس جانور کو
ذبح کرتے ہیں اس کو نقصان کہ فائدہ دوسرا یہ کہ ہمارا نقصان کہ
فائدہ فرمایا کہ فائدہ دونوں کا ہے لیکن یہ تصور کرو کہ کائنات میں جو
کچھ ہے وہ اللہ تعالی کا ہم خود رب العزۃ کے ہیں تو جو شئی اللہ تعالی
کی اس کا استعمال اللہ تعالی کے ارادہ و حکم پر ہو۔ دیکھو آپکے گھر جو
چیز ہے اگر اس کو آپکی اجازت کے خلاف استعمال کرے تو کیا
آپ ناراض نہ ہونگے حالانکہ آپ تو مالک مجازی ہیں اور رب العزۃ تو
مالک حقیقی ہیں جب سب کچھ اللہ کا ہے تو استعمال بھی اسکی مرضی
کے مطابق ہوگا۔ اگر ایک آدمی خود کشی کرے تو یہ دوسرے کے
قتل سے زیادہ گناہ ہے۔ فقہا نے لکھا ہے کہ خود کشی والے کا جنازہ
نہ پڑھا جائے تاکہ آگے خود کشی بند ہوجائے۔ کیا آدمی یہ کہہ سکتا
ہے کہ جان تو میری ہے خود کشی سے اللہ تعالی سزا کیوں دیتے ہیں
سوال یہ ہے کہ جان تو ایک مشین اللہ تعالی نے عنائت فرمائی ہے
کہ کھا پی کر اسکی حفاظت کرو اور اس سے کام لو اگر ایک آدمی کسی کو

سنگر مشین دے کر اس سے کہے کہ کپڑے سی اور وہ ہتھوڑا لیکر توڑ دے تو وہ آدمی غصہ نہ ہوگا کہ یہ مشین تیرے ابا کی تھی کہ تونے توڑ دی یہی حال ہماری مشین کا ہے۔ کہ کھانا پینا مثلاً مشین کو تیل لگانا ہے کہ تیل لگا کر مشین کو محفوظ رکھو اور عبادت کا کام لو اگر غلط استعمال کی یعنی خود کشی کی تو پھر گرفت ہے۔۔ حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ نانوتوی نے تقریر دلپزیر میں لکھا ہے کہ اگر خود کشی کروگے تو مجرم اگر جہاد میں شہید ہوگئے تو بہتر۔ فرق اتنا ہے کہ مشین اللہ تعالیٰ نے دی ہے اگر ہتھوڑا لیکر توڑ دیں تو مجرم اگر جہاد میں شہید ہو گئی تو جہاد اللہ کا حکم ہے میدان میں نکلے اس لئے کہ اللہ کا دین اونچا ہو تو آپ نے اللہ کی عبادت میں لگائی اگر ٹوٹ گئی تو اور بھی عمدہ کہ وہ تو مقصد میں ٹوٹ گئی۔ معلوم ہوا کہ تمام چیز اللہ تعالیٰ کی ہے اس کے حکم کے سوا استعمال کی تو گرفت ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے دو طریقے رکھے ایک تو وہ جانور جن کا کھانا حرام ذرا بھر بھی اجازت نہیں وجہ یہ ہے کہ غذا کا اثر کھانے والے کے بدن میں جاتا ہے تو ان حرام جانوروں میں ایک خصلت ہوتی ہے کہ اگر جانور درندہ خور تو اسکے استعمال سے درندگی آئے گی۔ اگر جانور نجاست خور تو بدن میں نجاست آئے گی۔ اگر جانور بے غیرت. تو بدن میں بے غیرتی آئے گی۔ مثلاً خنزیر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ہر خنزیر جفتی کے وقت مادہ کے آگے

سر جھکائے رہتا ہے یہ بڑی بے غیرتی ہے۔خدا حکیم تھا اس نے منع فرمایا اور جن جانوروں کو اللہ کی خوبو ہے انکو اللہ تعالی نے حلال فرمایا کہ انکے استعمال سے روح میں تاریکی پیدا نہ ہو گی۔ تو خوبو کے ذریعہ حکم دیا کہ یہ فلاں جانور حلال باقی حرام ہیں۔ حلال اجازت سے ہوا اگر یہ نہیں کہ روزانہ سپاہی وغیرہ کے ہاتھ حکم بھیجوں گا نہیں ایک قاعدہ بنا دیا کہ اس کے تحت چلو گے ایک تو یہ کہ چھری سے ذبح کرنا نہ کہ بندوق سے دوسرا مقام گلا پر چھری پھیرنا تیسرا بسم اللہ اللہ اکبر اصلی مالک کا نام تلاوت کرنا جب یہ تین شرطیں مکمل تو جانور حلال اور میری پسند۔ ورنہ جانور مردار اللہ نے حکم فرمایا کہ میری ملکیت میرے حکم پر چلے وگرنہ گرفت ہو گی۔

درس نمبر: ۲۹
19 اپریل 1964ء

قربانی کی تاریخ

بسم اللہ کے متعلق رحمت کے سلسلہ میں قربانی کا مسئلہ آگیا تھا۔ قربانی کا آغاز حضرت آدمؑ سے ہے قربانی بہت قدیم عبادت ہے۔ جو حضرت آدم علیہ اسلام سے لے کر آج تک چلی آرہی ہے۔ قرآن۔آدمؑ کے دو فرزند ہابیل۔کابیل۔ کابیل نے ہابیل کو صرف اس جرم پر قتل کیا کہ ہابیل کی قربانی مقبول ہوئی اور کابیل کی مقبول نہ ہوئی اور اس دور میں اسلام کی قدیم چیز کو انگریز مٹانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یعنی انگریزی تعلیم، اپنے خیال سے معلوم ہوا کہ تمام نبیوں نے قربانی کی کچھ خاص وقت میں عبادت کی ہے۔ حضرت آدمؑ سے لیکر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک جو قدیم چیز آرہی ہے معلوم ہوگیا کہ وہ ایک قدیم عبادت ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں دس سال رہے اور ہر سال قربانی کرتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی کہ یضحی بِکَبشَینِ
وَقَالَ اَحَدُ ھُمَا عَنِّی وَاحد الخ ایک دنبہ اپنی طرف سے ذبح کرتا ہوں ایک
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اَوصَانِی لِذَالِکَ فَلاَ اَترُکُ
اَبَداً۔ حضرت علیؓ نے فرمایا قسم خدا جب تک زندگی ہے ایک اپنی
طرف سے اور ایک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے
قربانی کرتا رہونگا یہ معلوم ہوگیا کہ ایصال ثواب کیلئے دوسرے کی
جانب سے قربانی جائز ہے۔ جمع الفوائد ذبح محمدؐ کبشَینِ وَقَالَ
اَحَدُ ھُمَا عَنِّی وَالآخر عَمَّن لَم یضح اُمَّتِی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دو
دنبہ ذبح فرمائے فرمایا ایک میری طرف سے اور ایک اپنی غریب
امتہ کی طرف سے جو قربانی نہیں کرسکتے۔ بہر حال حضرت محمد صلی
اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت سے محبت تھی۔ جس سال حضرت محمد
صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج پر
ایک سو اونٹ قربان فرمایا 63 اپنے ہاتھ مبارک سے ذبح فرمائے نبیؐ
کا کام معجزہ ہوتا ہے۔ تو علماء نے ارشاد فرمایا کہ قربانی اپنے ہاتھ سے
کرے تو بہتر ہے ورنہ ذبح کرنے کے وقت حاضر رہے۔ بہر حال
قربانی ایک قدیم عبادت ہے۔ آج کل لوگوں نے ہر چیز میں
تبدیلی شروع کردی ہے قربانی کے متعلق خیال کیا کہ دنبہ وغیرہ
کے بدلے اتنی رقم تقسیم کردی جائے سوال یہ ہے کہ لوگ عقل
نہیں رکھتے۔ کہ جس طرح انسان کی زندگی کی ضروریات میں ایک

شے دوسرے کے قائم مقام نہیں اسی طرح آخرت بھی ہے۔ آخرت میں یہاں کی ہوئی پر ملنا ہے لیکن ابدی زندگی کی نعمت کی کوئی قیمت نہیں۔ وَھَلْ تجزون الا ما کنتم تعملون جو عمل کروگے وہ پاؤ گے۔ وَاَن لَیسَ لِلْاِنسانِ اِلّا مَا سَعیٰ۔ جو کچھ ملے گا وہ عمل کا نتیجہ ہوگا اور یہ صاف معلوم ہے کہ آخرت کی حاجات مختلف ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے عمل بھی مختلف رکھے۔ مثلاً آخرت کی نعمت میں ایک عظیم نعمت دیدار الٰہی باقی سب نعمتیں ہیچ ہیں۔ اور یہ نعمت روزہ پر ملتی ہے۔ اَلصّومُ لِی وَاَنَا اَجزیٰ بِہٖ کہ روزہ میرے لئے اس کا بدلہ خاص میں دونگا تو یقینی بات ہے کہ لاکھوں اعمال کر ڈالو مگر روزہ نہیں رکھا تو دیدار الٰہی ہرگز نصیب نہ ہوگا اس لئے شریعت میں جو مختلف عبادات ہیں انکے بدلہ انکے مطابق اجر ملے گا یعنی جس عبادت کا جو بدلہ مقرر ہے وہ ملے گا اور غیر نہ ملے گا۔ حضرت فاطمہؓ سے مروی ہے کہ قربانی میں ایک خاصیت ہے کہ جب بکرا وغیرہ ذبح ہو تو ضرور خون گریگا اگر اس خون کے چھوٹے چھوٹے قطرہ بنا لئے جائیں تو ہر ایک قطرہ کے بدلہ ایک نیکی دوسری حدیث فَاِنَّ لَکَ بِکُلِّ شَعْرَۃٍ الخ کہ دنبہ وغیرہ کے ایک ایک بال کے بدلہ ایک نیکی یقینی بات کہ یہ خصوصیات نوٹ نقدی سے کس طرح حاصل ہوگی کہ ایک بال کے بدلہ ایک نیکی۔ مطلب یہ کہ ضروریات زندگی میں ایک شے دوسری شے کے قائم مقام نہیں بن سکتی۔ تو عمل

میں بھی ایک عمل دوسرے کے قائم مقام نہیں بن سکتا۔ مثلاً بھوکے کے سامنے پانی رکھدو اور پیاسے کے سامنے روٹی کا انبار لگا دو یہ تو غلط ہے۔ اسی طرح بیمار کے سامنے پھل وغیرہ رکھدو مگر وہ تو ان پر تھوکے گا نہیں کہے گا میرے لئے تو صحت لاؤ تو اعمال آخرت بھی کسی کے قائم مقام نہیں بن سکتے کہیں اللہ تعالیٰ نے اعمال مال کی صورت میں رکھا مثلاً زکوۃ و فطرانہ کہیں فرمایا کہ محبوب چیز کو ترک کردو مثلاً روزہ رکھنے سے کھانا پینا ہمبستری وغیرہ محبوب چیزیں ترک کرنی پڑتی ہیں۔ کہیں نماز کا حکم فرمایا جس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بندہ کی پستی کا اظہار ہے کہیں جہاد میں جان دینے کا حکم۔ کہیں قربانی جانور کا حکم فرمایا۔ مگر آج کل کے بدبخت عطروست نکالتے ہیں کہ قربانی کے بدلہ قیمت دیدو۔ یہ اس قربانی کا قائم مقام نہیں بن سکتا ہر ایک کا قاعدہ علیحدہ قربانی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی جو رضا ملے گی اور جو نعمت ملے گی وہ قیمت سے نہیں مل سکتی۔ قربانی یہ ایک سرکاری آرڈر ہے کہ اگر میری رضا مندی چاہئے تو قربانی کرو حدیث شریف مَا مِنْ عَمَلٍ فِي هٰذِهِ الْأَيَّامِ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ مِنْ الخ قربانی کے ایام میں کتنا عمل کر ڈالو مگر قربانی کے برابر نہ ہوگا۔ یہ قربانی سرکاری طریقہ ہے ہم نے نیکی اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے کرنی ہے تو طریقہ بھی اسی کا دیا ہوا استعمال کریں گے۔ قبل زمانہ میں ایک شخص نے ایک سو روپیہ کہیں بھیجنا چاہا تو

کسی نے کہا کہ سو روپے کے علاوہ ایک روپیہ یا آٹھ آنہ کے ٹکٹ
وغیرہ ادا کرنے پڑیں گے۔ تو اس نے ایک کارڈ لکھا اور اسی کے
ساتھ سو روپیہ اور مزید کچھ رقم کے ٹکٹ نتھی کر کے روانہ کر دیئے کچھ
عرصہ گذرا رسید واپس نہ آئی تو ڈاکخانہ گیا عذر پیش کیا تو منی آرڈر
کرنے والے نے کہا فلاں تاریخ کا میری کتاب میں تو کوئی اندارج
نہیں کہا کہ آپ نے بھیجنے کا طریقہ غلط اختیار کیا ہے وہ تو منی آرڈر
کرنے پڑتے ہیں۔ یہ سرکاری طریقہ کے مخالف کام کیا ہے ہم اس
معاملہ سے بری ہیں۔ تو جس طرح دنیا کے قاعدے ہیں آخرت کے
قاعدے بھی رب العزۃ نے فرمائے ہیں۔ مثلاً دنیا کی عدالتوں میں
ہر کام کی الگ نوعیت ہوتی ہے اور ہر کام کیلئے کاغذ پر مختلف قسم
کے ٹکٹ ہوتے ہیں کہیں کم قیمت کے اسٹام کہیں زیادہ کے۔
اگر ان کاغذوں پر بجائے ٹکٹ کے اس قیمت کے نوٹ چسپاں کر دو
تو بیکار ہے تو معلوم ہو گیا جہاں نوٹ وہاں ٹکٹ بیکار اور جہاں ٹکٹ
کی ضرورت وہاں نوٹ بیکار اسی طرح جہاں قربانی وہاں پیسہ بیکار
کیونکہ پیسہ سے ضرورت پوری نہ ہوگی۔ مگر آج کی حکومت چاہتی
ہے کہ خیرات بھی سرکاری ملکیت بنجائے کہ اگر ایک شخص
قربانی کرنا چاہتا ہو تو وہ بدلہ قربانی رقم ہسپتال میں دیدے کیا محمدی
طریقہ پر خیرات قربانی وغیرہ دو گے کہ انگریزی طریقہ پر؟ محمدی
طریقہ میں یہ ہے کہ بھوکے کو کھلانا ہزار مسجدوں اور مدرسوں سے

بڑھکر ہے مدرسہ وغیرہ میں دینا درست ہے مگر سوال یہ ہے کہ بھوکا مر رہا ہے اس کا کیا حال ہوگا۔ یُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا اللہ تعالی کو وہ لوگ بہت پسند ہیں جو کھلائیں یتیم مسکین اور قیدی وغیرہ کو غور کیا تو قرآن کی بات سے حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کی بات ملگئی فرمایا کہ رب العزۃ کی ایک صفت رزاق ہے۔ تو جو آدمی خیرات کی صورت میں کھلاتا ہے وہ اللہ تعالی کی رزاقی صورت میں عمل کرتا ہے۔ اللہ تعالی روزی رساں آپ نے بھی کھلا کر روزی رسانی کی تو اللہ تعالی سے آپ کا تعلق قائم ہوگیا ذوالحجہ کے دس سے لیکر 12 تک حدیث میں ہے کہ یہ اللہ تعالی کی مہمانی کے دن ہیں قرآن۔ وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَشْتَھِیٓ اَنْفُسُکُمْ وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَدَّعُوْنَ۔ جنت میں جو کچھ جی چاہے گا ملے گا آگے فرمایا نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ کہ یہ رب العزۃ کی طرف سے مہمانی ہوگی۔ علماء نے لکھا کہ مہمانی میں مہمان نواز کو تکلیف ہوتی ہے اور مہمان ہر فکر سے محفوظ اسیطرح آپ ہر تکلیف سے بچے ہوئے ہونگے۔ اور دنیا میں بھی اللہ تعالی نے فرمایا کہ سال میں ایک مرتبہ دعوت کھاؤ۔ حدیث میں ہے سَیِّدُ الطَّعَامِ لَحْمٌ طعاموں کا سردار گوشت ہے۔ علماء نے فرمایا کہ قربانی کے جانور کا گوشت تین حصہ کیاجائے ایک غریب کیلئے ایک اپنے لئے ایک دوست و احباب کیلئے خواہ وہ امیر ہوں یا غریب ہوں۔ دوسری روایت کہ ایک حصہ ذخیرہ کیلئے ایک اپنے

لئے اور ایک غریب کیلئے۔ اور قربانی کا دن حج کے بعد ہوتا ہے یعنی بندہ نے حج کی اور اللہ تعالی نے دعوت قربانی کی مہمانی دی۔ جنکو عمر بھر گوشت نصیب نہ ہو وہ پیٹ بھر کر کھائیں علماء نے بیان کیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تریسٹھ سال عمر مبارک ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عمر کی قربانیاں ایک سال میں کر ڈالیں حدیث میں روایت ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ذبح کرنے کے بعد انتظار میں رہتے کہ جب شوربا تیار ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم شوربا نوش فرماتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ جانور اللہ تعالی کے نام پر ذبح کیا جاتا ہے تو اس کے کھانے سے برکت لینی چاہیئے بجائے دوسرے جانوروں کے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ کرام نے شوربا پیا تو معلوم ہو گیا کہ قربانی میں روحانی حیثیت سے بھی برکت ہے۔ اب دو چیزیں پیش کرتا ہوں ایک تو یہ کہ قربانی کنندہ کیلئے کیا اجر ہے۔ مثلاً کوئی شخص قربانی کیلئے جانور ذبح کرے تو فلسفہ یہ ہے کہ دنیا کا کیا فائدہ آخرت کا تو بیان ہی نہیں۔ دنیا کے لحاظ سے یہ ہے کہ اللہ تعالی محبت الہی کی تکمیل چاہتا ہے۔ دوسرا دیکھتے ہیں کہ بندہ کی محبت کامل ہے کہ نہیں۔ سب سے محبوب شے جان ہے۔ حضرت اسماعیلؑ سے جان مانگی گئی تھی جب دیکھا کہ وہ اس پر آمادہ ہو گیا۔ یعنی اس عمل کو کر ڈالا۔ تو اللہ تعالی نے انسانی جان کے بدلہ حیوانی جان بدل ڈالی۔

ہماری قربانی انکی نقل ہے۔ ہماری حیوانی قربانی انسانی قربانی کے برابر ہے محبت کی تکمیل جب ہے کہ علماء نے لکھا ہے کہ جب قربانی کا جانور ذبح کرو تو دل میں حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسماعیلؑ کا معاملہ جو تھا اس کا خیال لاؤ قربانی کا تو حکم اترا اگر اللہ تعالی حکم نہ بھی دیتے تو مقبولان خدا کی نقل اتار نے میں بڑی برکت ہوتی ہے۔ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک عالم فوت ہوئے عالم برزخ میں سوال جواب کا وقت آیا فرشتہ کو کہا کہ اور تو کچھ نہیں جانتا حدیث میں ارشاد ہے کہ رب العزۃ کو سفید ریش مسلم سے حیاء آتی ہے فرشتہ نے کہا یہ میرا معاملہ نہیں۔ میں رب تعالی کو پیش کرتا ہوں اس کے حکم کے منتظر رہو۔ فرشتہ نے عرض کی کہ تیرا بندہ یہ کہہ رہا ہے اللہ تعالی نے فرمایا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بھی سچے راوی بھی سچے میں نے تیری اس حدیث پیش کرنے پر بخشش کر دی یہ معاملہ عالم (مرحوم) نے اپنے بیٹے کو خواب میں سنایا۔ جب مرنے لگے تو آدمی کے تمام نخرے اور فرعونیت نکل جاتی ہیں۔ دوسرا واقعہ اتفاق سے ایک مرد مرنے لگا بیٹے نے کہا کہ ابا جان وصیت فرماؤ کہا قسم اٹھاؤ کہ وصیت پوری کرو نگا تو اس کی داڑھی سیاہ تھی بیٹے کو وصیت کی کہ جب مجھے لحد میں اتارنے لگو تو میری داڑھی پر چونا مل دینا بیٹے نے کہا ابا جان دنیا میں تو مذاق کیا مگر قبر میں بھی مذاق کرتے ہو باپ نے کہا کہ قسم تو اسی لئے لی ہے تاکہ تو

اسے مکمل کرے یہ مذاق نہیں ہے۔ جب بیٹے نے خواب میں باپ سے پوچھا کہ کیا بنی جواب دیا کہ معاملہ تو سخت تھا مگر اللہ تعالی نے مہربانی فرمائی میں نے یہ حدیث پڑھ ڈالی اِنَّ اللّٰہَ یَستَحیِی عَنْ شَیبَۃِ مُسلِم کہ اللہ تعالی تجھ کو سفید ریش مسلم سے حیاء آتی ہے تو میرے تو بال سیاہ تھے اور سفید تو تیرے اختیار میں تھا سفید ریش کی نقل میرے ہاتھ میں تھی میں نے چونا مل دیا تو تمہیں اپنے وعدہ پر چلنا پڑیگا اللہ تعالی نے فرمایا کہ مجھے سفید ریشوں سے حیاء آتی ہے تو تو نے محبوب کی نقل اتاری چونکہ نقل مطابق اصل ہے میں نے بخش دیا۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ اگلے زمانہ کے لوگ چونکہ علماء بزرگ لوگوں کی صحبت اختیار کرتے تھے تو علم سے خاصی واقفیت ہوتی تھی جس طرح اس آدمی کو حدیث یاد تھی تو برزخ میں پڑھ ڈالی مگر آج کل تو عالم سے بات کرنے سے بھی نفرت کرتے ہیں۔

احمد محمد فرماتے ہیں کہ یہ تو دنیا میں نفرت کرتے ہیں جنت میں بھی علماء سے پوچھنی پڑیگی مثلاً جب جنت میں داخل ہونگے تو اللہ تعالی فرمائیں گے نعمت تو مل گئی کچھ اور مانگ تو لوگ حیران ہونگے کہ کیا مانگیں تو پھر فرمائیں گے کچھ مانگ تو لوگ سمجھیں گے کہ اس میں راز ہے تو علماء سے پوچھیں گے کہ کیا مانگیں علماء فرمائیں گے کہ رب العزۃ کی رضامندی مانگ لو کیونکہ اللہ تعالی کی رضامندی سے کوئی نعمت بہتر نہیں ہے۔ قبل زمانہ میں بادشاہ

سفر پر جاتے تو قبل جہاں بھی جاتے جو بزرگ ہوتا اسکی زیارت کرتے بعد میں اپنے عمل میں مشغول ہوتے۔ سلطان محمود غزنویؒ دورہ پر گیا تو حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے مریدین نے کہا کہ یہاں ایک بزرگ رہتے ہیں تو محمود غزنوی رح نے کہا کہ اس وقت تو میں سرکاری دورہ پر آیا ہوں مگر برکت واسطے انکے لئے خاص سفر کرونگا دیکھو یہ قبل زمانہ کے بادشاہوں کے نظریات تھے اور آج کے عوام الناس بھی دیکھو۔ حضرت اورنگ زیب رحمتہ اللہ علیہ شریعت کے پابند تھے ایک مرتبہ دورہ دکن پر روانہ ہوئے کہ ایک مسخرہ نے کوئی مسخرہ کیا تو حضرت اورنگ زیب رحمتہ اللہ علیہ نے پوچھا کہ مسخرہ کیوں کیا کہا کہ کچھ دلواؤ فرمانے لگے کہ یہ بیت المال غریبوں کیلئے ہے نہ کہ مسخروں کیلئے تو کہا کہ جیب سے دو فرمانے لگے کہ آج تک مجھ کو کسی نے دھوکہ نہیں دیا اگر تو مجھے دھوکہ دے تو یہ تیرا فعل خاص ہو گا تو پھر میں اپنی جیب سے کچھ دونگا میاں آج کل کے عالموں کو اتنا علم نہیں جو اس زمانہ کے مسخروں کو تھا اس وقت مسخروں کو قرآن حفظ حدیث یاد بلکہ تصوف و معرفت کی باتیں بھی یاد ہوتی تھیں۔ جب سفر دکن کا اعلان ہوا تو وہ مسخرہ جنگل میں ایک درخت کے نیچے ڈیرہ لگا کر بیٹھ گیا تمام لباس صوفیانہ جب اورنگ زیب رحمتہ اللہ علیہ گذرے پوچھا یہاں کوئی بزرگ ہیں لوگوں نے کہا ہاں فلاں درخت کے نیچے ہیں تو وزیر کو

بھیجا تاکہ پہچان کرے کہ بزرگ اصلی کہ نقلی تو وہ مسخرہ چونکہ عالم تھا وزیر کے ساتھ ایسی تصوف کی باتیں کیں کہ وزیر متاثر ہو گیا وزیر نے جواب دیا کہ وہ اصلی بزرگ ہے تو اورنگ زیب رحمتہ اللہ علیہ گئے جس طرح وزیر نے کہا بات چیت کرنے کے بعد ویسا پایا۔ اس کے بعد اورنگ زیب رحمتہ اللہ علیہ بہت معتقد ہوئے تو ہزار روپیہ پیش کیا مسخرہ نے لیکر پھینک دیا اور کہا کہ تم دنیا کے کتے ہو مجھ کو دنیا کا کتا سمجھتے ہو۔ تو اورنگ زیب رحمتہ اللہ علیہ جب روانہ ہوئے تو مسخرہ نے مسخرہ پن کے کپڑے تبدیل کئے اور دوسرے راستے سے آگیا کہ انعام دو تو اورنگ زیب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دھوکہ تو کیا نہیں تو مسخرہ نے تمام واقعہ سنا دیا بادشاہ نے کہا بات تو درست ہوئی تمام زندگی میں دھوکہ نہیں کھایا میں نے تو فقیر سمجھا تھا۔ تو بادشاہ نے جیب سے دس روپیہ دئے تو مسخرہ نے بوسہ دیا اور لے لئے بادشاہ نے کہا کہ ہزار کو تو پھینک دیا تھا اور دس کو بوسہ کیوں دیا مسخرہ کہنے لگا کہ اس وقت میں بزرگ کی نقل اتار رہا تھا تو بزرگوں کا طریقہ ہے کہ دنیا کو دیکھتے نہیں تو میں نے نقل مطابق اصل کرنی تھی تاکہ بزرگ بدنام نہ ہو جائیں کہ بزرگوں کو بھی دنیا کی لالچ ہو گئی۔ اور اس وقت میں ایک مسخرہ ہوں یہ تو دس روپیہ ہیں اگر دو آنہ بھی ہوتے تو میں خوشی سے لے لیتا دیکھو آج تو دنیا جس طریقہ سے ملے چاہے حرام بھی ہو تو جمع کرنے سے گریز نہیں

کرتے۔ یاد رکھو جانور کو مرنے میں اور ذبح ہونے دونوں میں تکلیف مرنے میں بھی ایک بار ذبح ہونے میں بھی ایک بار دیکھنا یہ ہے کہ تکلیف زیادہ کس میں ہے بات یہ ہے کہ جان جب موت کی شکل میں نکلتی ہے تو تکلیف زیادہ اور شہید کے وقت تکلیف کم۔

بزرگوں نے لکھا ہے کہ اصل مرکز تکلیف کا جان ہے مثلاً بال ناخون میں جان نہیں تو انکے کاٹنے میں تکلیف نہیں اور اگر ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں تو تکلیف ہوتی ہے اس لئے کہ یہ عضو جان کے پڑوسی ہیں اور نزع کے وقت تو خود جان نکلتی ہے تو کتنی شدید تکلیف ہو گی۔منذری میں حدیث صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ قربانی سے قبل چھری تیز کر لیا کرو تم قربانی کو متعدد طریقوں سے ذبح نہ کرو یعنی اگر چھری تیز نہ ہوئی تو تکلیف ہو گی اور متعدد بار کرنا پڑے گا تو جب قربانی کے جانور پر چھری پھیری تو آنکھ کی جھپک میں کام مکمل مگر موت کی تکلیف قبل کسی مرض کی تکلیف جولاحق ہو گی بعد میں روح درجہ بدرجہ نکلے گی تو جس مقام سے روح الگ ہو گی تکلیف زیادہ ہوتی رہے گی۔ حدیث صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے کہ شہید کو چیونٹی کے کاٹنے سے زیادہ تکلیف نہیں ہوتی روایت ہے کہ جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ذبح فرماتے تھے تو ہر اونٹ اپنی گردن پہلے پیش کرنے کی کوشش کرتا تاکہ پہلا نمبر میرا ہو۔

درس نمبر: ۳۰
یکم مئی 1964ء

رحمت واحسان میں فرق

پہلے درس میں رحمت الٰہی کا بیان تھا اس سلسلہ میں قربانی بھی آگئی تھی آج ذرا اس بات کو واضح کیا جاتا ہے کہ رحمت اور احسان میں کیا فرق ہے ان میں بڑا فرق ہے۔ مثلاً فلاں فلاں پر رحم کرتا ہے یہ الگ شے اور دوسرا یہ کہ ایک دوسرے پر احسان کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے احسان کبھی کبھی فرمایا ہے مگر رحمت کا ذکر زیادہ فرمایا ہے۔ قرآن وجہ یہ ہے کہ احسان اس فائدہ بھلائی کا نام ہے جس سے اپنا مطلب ہو۔ فائدہ سے مراد دنیا کا فائدہ آخرت کا تو بہتر ہے۔ لیکن رحمت ایک ایسی صفت ہے کہ جس کا تقاضا یہ ہے کہ کسی کو فائدہ دینا اور اپنی غرض نہ ہو۔ یہ رحمت بڑی شئی ہے۔ سب سے اول تو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ کیونکہ خدا رحمٰن ورحیم ہے۔ یعنی رحمت کی صفت اللہ کو حاصل ہے وہ رحمت کی بارش برسا رہا ہے۔ اور اپنے مطلب نہیں رکھتے یعنی اپنی غرض وغایت کے علاوہ رحمت برسا رہا ہے۔ بخاری ومسلم شریفین میں حدیث

شریف ہے کہا کل جن وانس اگر رب العزۃ کی بندگی کریں اور ایک بھی نافرمانی نہ کریں تو بھی خدا کی خدائی مین فرق نہیں آتا۔ اور اگر تمام جن وانس بالکل نافرمانی کریں ذرا بھر بھی عبادت نہ کریں تو بھی خدا تعالی کی خدائی میں کوئی فرق نہیں آتا۔ سب سے اول رحمت کی صفت اللہ تعالی سے وابستہ پھر درجہ بدرجہ تمام نبیوںؑ پر مگر ان تمام سے خاص ہمارے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کیونکہ باقی نبیوں کی حد دائرہ محدود تھا خاص قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے قرآن۔ وَاِلٰی عَادٍ اَخَاھُمْ ھُوْدًا۔ وَاِلٰی ثَمُوْدَ الخ یعنی کوئی ثمود اور کوئی ھود کی طرف مبعوث فرمایا۔ اسی طرح حضرت موسیٰؑ و حضرت عیسیٰؑ صرف بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے۔ مگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دائرہ محدود نہیں کیونکہ قرآن نے بھی تصدیق فرمائی۔ وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ کسی خاص قوم کا نہیں بلکہ تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ تیسرا درجہ رحمت کا والدین ہیں۔ اللہ تعالی جو احسان فرماتے ہیں اپنا مطلب نہیں رکھتے دوم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو احسان فرماتے ہی وہ بھی غرضسے پاک ہوتے ہیں۔ دیکھو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے 10 لاکھ مربع میل حکومت کی مگر اس کے باوجود تین تین دن فاقہ رہا غرض وغایت نہ تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کہ ہمارے گھر تین مہینہ چولہا میں آگ نہیں جلتی تھی۔ آج آدمی کی ساٹھ روپیہ

تنخواہ ہوجائے تو مسجد کا دروزاہ نہیں دیکھنا چاہتا مَاشَبِعَ آل محمدؐ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم مِنْ خُبزٍ شَعِیرٍ یَومَینِ حَتّٰی لَقِیَ اللّٰہ فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو دن جو کی روٹی سے سیر نہیں ہوئے یہاں تک کہ اللہ تعالی کو مل گئے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں چراغ نہیں جلتا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ ہمارا رہائش کا کمرہ بالکل سادہ کھجور کی چھت اوپر کوئی چادر بچھا کر گذارا کیا کرتے تھے۔ عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ تم اپنے آپ کو مسافر جانو کیونکہ ہر ایک نے چلنا ہے۔ حضرت عائشہؓ سے مروی کہ کمرہ تنگ تھا۔ جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز ادا کرتے تو سجدہ کی جگہ نہ ہوتی تھی تو حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کا ارادہ کرتے تو میں پاؤں سمیٹ لیتی فرمایا کہ ہمارے گھروں میں چراغ نہ تھے۔ حضرت انسؓ سے مروی اَخرَجَت عَائِشَۃؓ لَنَا الخ کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے دو کھدر کے موٹے کپڑے نکالے فرمایا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان مبارک ان دو کپڑوں میں نکلی ہے۔ حضرت مولانا مدظلہ نے فرمایا کہ ایسے کپڑے تھے جو تم آج نہ پہنو گے دیکھو اتنے بڑے بادشاہ نے ایسی رحمت کی جو اپنی غرض غایات سے پاک تھے۔ تو معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالی و حضرت محمد صلی

اللہ علیہ وسلم کی رحمت برحق ہے۔ کہ میری امت کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ قرآن، حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ویسے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت عام ہے مگر مومنین کے ساتھ خاص ہے۔ مثلاً ایک آدمی کے دو بیٹے ایک فرمانبردار ایک نافرمان بیٹے ہونے کی وجہ سے رحمت دونوں پر مگر فرمانبردار پر خاص رحمت یہی رحمت اللہ تعالیٰ کو مومنین کے ساتھ ہے۔ ایک رحمت اللہ تعالیٰ کی دوم نبیوں کی سوم والدین کی ماں باپ نہایت کمزوری کے وقت سختی مصیبت جھیلکر اولاد کی پرورش کرتے ہیں یہ بچپن کا وقت ہوتا ہے اس وقت والدین کو کوئی غرض نہیں ہوتی کیونکہ کیا پتہ تعلیم حاصل کریگا ملازمت وغیرہ ہوگی کہ نہ ہوگی۔ آج کل اولاد والدین کو کیا کما کر کھلائے گی کیونکہ جو نظام اللہ تعالیٰ نے حکومت کیلئے قرآن میں مقرر فرمائے ہیں وہ آج کل ختم ہیں کیونکہ ان سے ہی حقوق والدین کا علم ہوتا تھا وہ آج ہیں نہیں تو والدین آج اولاد کی خدمت سے محروم ہیں۔ ہمارے صوبہ سرحد میں والد نے اپنے ایک بیٹے کی شکایت کی کہ میں نے اسے مصیبت جھیل کر وکالت کی تعلیم تک تکمیل کرائی آج اس پر روپیہ کی بارش برس رہی ہے مگر میرے لئے اس میں کچھ حصہ نہیں سفارش کیلئے گئے بیٹے نے کہا کہ باپ شکایات خود بیان کرے باپ نے سب احسانات گن ڈالے وکیل وکیل ہی تھے جواب دیا کہ جتنے احسانات گن ڈالے یہ کس لئے مکمل کئے تھے

کہ میں تیرا بیٹا تھا اگر میں نے یہ احسانات اپنے بیٹے پر نہ کئے ہوں تو پھر نافرمان مگر آپ سے کچھ احسان نہیں کرونگا میں نے اسکے والد کو کہا کہ یہ سب تیری غلطی ہے۔ تو مجرم ہے بیٹا مجرم نہیں میں نے کہا کہ وہ تعلیم تو تو نے نہیں دی جس سے حقوق اللہ و عباد جانتا اس لئے بیٹے نے باپ کے حقوق نہیں جانے۔ حضرت مولانا مدظلہ نے فرمایا کہ اولاد ایک امانت ہے اللہ تعالی نے یہ امانت اس لئے دی کہ اسکی صحیح پرورش کرو جس سے یہ بندہ خدا بنجائے مگر تم نے اسے انگریزی تعلیم پڑھا کر انگریز کی گود میں ڈالا ہے۔ تو بیٹے کی شکایت اپنے سے کرو کیونکہ تم نے بگاڑا ہے۔ قرآن قُوا اَنفُسَکُم وَاَھلِیکُم نارًا مفسرین نے لکھا ہے کہ اگر کسی نے اولاد کی صحیح تعلیم و تربیت نہ کی وہ گمراہ ہوا تو اولاد کے علاوہ عذاب باپ کے ساتھ رکھیں گے۔ کیونکہ بڑا کام باپ کا ہے کہ بیٹے کو آگ سے بچائے۔ بد بخت لوگ چند دن رہنا ہے مگر پھر بھی ایسی تعلیم دیتے ہیں جو صرف چند دن کیلئے اسکی سہولت ممکن ہے اکثر چند دن کے لئے بھی وہ تعلیم پریشانی کا سبب بنتی ہے اور زندگی ابدی میں تو یقینی بلاشک نقصان دہ ہے۔ دیکھو اگر دنیا کی جیل میں بیٹا قید ہوجائے۔ تو والدین روتے ہیں ایک تو اس بات پر کہ وہ زحمت میں رہائش پذیر اور ہم رحمت میں دوسرا اس بات سے کہ جدائی ہے۔ مگر دنیا میں تو یہ امید وابستہ ہوتی ہے کہ پھر ملیں گے مگر اللہ تعالی کی جیل جہنم میں

جب ابدی زندگی بیٹا گذارے گا تو وہاں تو ملنے کی امید ہی نہیں-
ایسی تعلیم پڑھانے، نعت جو غیر شرعی ہو- حدیث میں ہے کہ
وہ آگ اس آگ سے سوگنا زیادہ ہے- وہاں خدا کی تجلی سے گرمی پیدا
ہوتی ہے- ایمان بڑی نعمت ہے اگر نصیب ہوجائے تو دنیا و
آخرت میں رحمت- دنیا میں جو سزائیں وہ یا تو عدل یا قہر کے
ماتحت ہوتی ہیں- کافر اگر تکلیف میں مبتلا ہو تو اس کا عدل کیونکہ اس
نے ظلم کیا ہے- اللہ تعالی کی سزائیں مختلف ہیں کچھ دنیا میں کچھ
قبر میں کچھ آخرت میں- کفار کی سزائیں یا عدل یا قہر ہیں- تو یہ
سزائیں کافر کیلئے یا عدل اور یا کچھ قہر ہوئیں- مگر مسلم کیلئے واقع میں
سزائیں بھی رحم ہیں جمع الفوائد- کہ قیامت میں بارگاہ میں شہید پیش
ہونگے- حدیث، یعطی بالشہید ثم یعطی بالمتصدق وینسب الحساب ثم
یعطی بار باب البلایا فلا یوضع المیزان الخ جب شہید پیش ہونگے تو
سخیوں کو بلایا جائے گا اور ان لوگوں کو جنکو دنیا میں مصیبتیں ہوئیں
توانکے لئے نہ حساب نہ نیکی بدی کے دفتر ہونگے رب العزۃ فرمائیں
گے جاؤ جنت میں ہم نے بخش دیا- اِنَّمَا یُوَفَّی الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ
بِغَیْرِ حِسَابٍ یہ خود قرآن سے معلوم ہے والذین صبروا الخ
جنہوں نے صبر کیا اجر بھی بغیر حساب پائیں گے حدیث، فلمارأو
ھم اصحاب العافیۃ یودون لویقرضون بالمقاریض لکان خیراً جب دنیا
دار دنیاوی عذاب کا یہ صلہ دیکھیں گے تو پشیمان ہونگے اور کہیں

گے کہ ہمارے لئے بھی دنیاوی سہولت کی بجائے مصیبتیں ہوتیں۔
عبداللہ بن عمرؓ سے مروی کہ عُدتُ رَسولَ اللہِ صَلی اللہ عَلیہِ وَسلم فمسستہٗ
بِیدہٖ فقلتُ اِنکَ توعَکُ شدیداً فقال اِنی اُوعَکُ کما یوعَکُ رَجلانِ منکم فقلتُ ذالکَ
لِاَنَ بکَ اَجرانِ فقَالَ نعم۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں
ایک مرتبہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیمار پرسی کیلئے گیا میں
نے چھوا تو بخار بہت تیز تھا میں نے عرض کی کہ آپکو بخار بہت
زیادہ ہے۔ فرمایا میرا تنہا بخار آپکے دو آدمیوں کے برابر ہوتا ہے
میں نے عرض کی اس لئے کہ آپ کو ثواب زیادہ ہو فرمایا نعم ہاں۔
حدیث کہ دنیا کی تکلیفات میں سب سے زیادہ انبیاؑ کو ہوتی ہیں پھر
درجہ بدرجہ جو عمل میں انکے قریب ہو۔ تو تین رحمتیں بیان کی ہیں
ایک الٰہیہ دوم نبویہ سوم والدین۔ بزرگ کا قول کہ میرے پاس
ایک آدمی آیا کہ میری ماں سخت مرض میں مبتلا ہے میں اسکو قضاء
حاجت کرواتا ہوں خود کھلاتا پلاتا ہوں میں اسکی ایسی خدمت کر رہا
ہوں کہ شاید کسی نے نہ کی ہو بزرگ نے فرمایا تم والدہ کی خدمت کر
رہے ہو اس نے تمہاری کی مگر خدمت میں فرق ہے۔ دیکھو تم جو
خدمت کر رہے ہو دل سے کہتے ہو گے کہ مرجائے میری جان نجات
حاصل کرے گی مگر والدہ جب پرورش کرتی تھی تو آپکی درازی عمر کی
دعائیں مانگتی تھی تیسری بڑی شے رحمت والدین ہے۔ مفسرین
نے لکھا کہ رحمان رحمت دنیاوی سے متعلق رحیم رحمت اخروی

سے متعلق۔ دنیا میں جو تکلیفیں ہیں یہ رحمت بصورت قہر ہیں اگر مثال کی ضرورت ہو تو وہ انجکشن و اپریشن والی مثال ہے کہ انجکشن میں تکلیف اور آپریشن میں چیرنے پھاڑنے کی تکلیف مگر دراصل رحمت ہے۔ کیونکہ اسکے علاوہ صحت نہیں ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالی بندہ کے ساتھ جو کرتا ہے فائدہ ہے حدیث قدسی ہے مَا تَرَدَّدْتُ فِی شَیْئٍ تَرَدُّدِیْ عِنْدَ الْمَوْتِ الخ کہ مجھے کسی معاملہ میں بے چینی نہیں ہوتی جتنی جان لینے میں کیونکہ ایک طرف میرا قانون ہے کہ وقت پر جان لینا ضروری دوسری طرف میری رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ ورثاء روتے ہیں میں جان نہ لوں تو مجھے جان کنی کے وقت بہت بے چینی ہوتی ہے۔ تمام دنیا کی رحمت کا خلاصہ سلامتی ہے تشریح میں تین چیزیں ہیں ایک یہ کہ سلامتی خوف سے سلامتی عند الخوف ہندوستان میں آدم خور ہیں مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا ہے دیکھو بزدل قوم تھی کہ گیدڑ کی پکار سے پاخانہ نکل جاتا ہے مگر جب اقتدار ہاتھ میں آیا تو قتل عام شروع کر دیا۔ امن نصیب نہ ہو تو دنیا کی نعمت زحمت بن جاتی ہے دوم سلامتی من الرض کہ مرض نہ ہو سوم سلامتی من الفقر کہ تنگدستی غریبی نہ ہو یہ بنیادی چیزیں ہیں اس لئے دین کا نام اسلام و ایمان رکھا جو اس میں آیا امن و سلامتی حاصل کرلی ان سے باہر نہ امن نہ سلامتی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں دنیا کی تین عظیم رحمتیں جمع فرمائیں۔

حدیث مَنْ اَصْبَحَ مِنْکُمْ جو مسلمان تم میں سے صبح میں داخل ہوا اٰمِناً فِیْ سِرْبِہٖ اسکو اپنی جان و نفس کا خطرہ نہ ہو وَعِنْدَہٗ قُوْتُ یَوْمِہٖ ایک دنکی روزی ہو۔ کیونکہ دوسرے دنکا کسی کو کیا علم زندہ رہوں گا یا مردہ مثلاً پرندہ کے پاس نیا دن نئی روزی حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صرف انسان حریص ہے کہ زندگی کا علم نہیں اور روزی لاکھوں برس کی جمع کر رکھی ہے ھَلْ مِنْ مَّزِیْد یہ کم ہے اس سے زائد لاؤ حدیث شریف میں ہے کہ آدمؑ کی اولاد کیلئے دو میدان سونے کے بھر دئے جائیں تو وہ کہے گا کہ یہ ناکافی ہیں تیسرا بھی ہو۔ اور بنی آدمؑ کے پیٹ کو قبر کی مٹی کے سوا کوئی شے نہیں بھر سکتی۔ مگر اللہ تعالی جس پر رحمت فرماتا ہے اس کا دل دنیا سے ختم ہو جاتا ہے۔ انسان کے علاوہ ہر شے نیا دن اور نئی روزی تلاش کرتی ہے مگر ان کو اسکے باوجود کوئی فکر نہیں۔ مگر انسان باوجود کافی عرصہ کا ذخیرہ جمع کرنے کے بے چین ہوتا ہے۔ معلوم ہوگیا کہ امن صحت بھی ضروری ہے۔ میاں جب آدمی بیمار ہو تو صحت کا پتہ لگتا ہے۔ والی قلات کو گلے کی بیماری ہوئی امریکہ گیا شفا نہ ہوئی ایک مہینہ مسلسل میں دیکھتا رہا کہ مغرب سے لیکر سحر تک وہ کھانستا رہتا ہے ایک سیکنڈ نیند نصیب نہیں ہوتی۔ تو میں نے پوچھا نواب صاحب آپکا جی کیا خواہش کرتا ہے کہنے لگا مولانا آپکو علم ہے کہ اللہ تعالی نے کیا کچھ عنایت فرما رکھا ہے تو جی یہ چاہتا ہے کہ اللہ

یہ سب کچھ بمع نوابی لے لے اور گلے میں کشکول گدائی ڈال دے۔ مگر صحت عطا فرمائے میاں صحت بڑی نعمت ہے اگر ایک پاؤں میں خلل تو قضاءِ حاجت کیلئے محتاج اگر آنکھیں نہ ہوں تو گویا آپ دنیا میں ہیں بھی سہی اور نہیں بھی۔ یورپ نے تحقیق کی ہے کہ ایک آدمی بہرا اور دوسرا اندھا تو بہرا پن زیادہ نقص ہے۔ تو ہم نے یہ نکتہ قرآن سے حاصل کیا کہ قرآن نے اول ذکر بہرا پن کا کیا ہے قرآن۔ صُمٌّ بُکْمٌ الخ تو اسلئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صحت بہت بڑی نعمت ہے امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ زندگی کی ایسی مثال ہے کہ سخت ہوا چل رہی ہو اور آپ ایک مکان سے جلتا ہوا چراغ دوسرے مکان میں لے جائیں تو ہر وقت خطرہ ہو گا کہ بجھ نہ جائے۔ خواہ زندگی کا چراغ بصورت موت بجھے یا بصورت مرض بجھے مگر غافل انسان کو پتہ نہیں کہ یہ چراغ کسی وقت بجھے گا مگر پھر دنیا میں چمکے گا نہیں۔

صحیحین کی حدیث میں ہے نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِیْهِمَا کَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ کہ دو نعمتیں ایسی ہیں کہ لوگ دھوکہ میں ہیں یعنی اسکی قدر نہیں کرتے بلکہ ان سے نقصان حاصل کرتے ہیں اَلصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ وہ ایک تندرستی اور دوسری فراغت ہے۔ تندرستی ایک ایسی نعمت ہے جس سے انسان دنیا و آخرت کما سکتے ہیں لیکن آج صحت کی بے قدری کی کہ اس سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ دوم

نمبر فراغت کہ فراغت میں اہل وعیال کیلئے محنت مزدوری کرنا تاکہ روزی سے بے فکر ہو کر عبادت میں مشغول ہو۔ بعض لوگوں کو رب العزۃ نے اتنا مال دیا کہ روزی کی کوئی فکر نہیں مگر اسکے باوجود بھی نہ روزہ نہ نماز نہ حج نہ زکوۃ کسی بھی احکام خداوندی کی قدر نہیں یہ چیزیں غریب اور متوسط درجہ کے لوگ ادا کر رہے ہیں حج جو صرف نقدی سے تعلق رکھتا ہے وہ بھی اکثر غریب اور متوسط طبقہ کے لوگ ادا کرتے ہیں امیر اس سے محروم ہیں لندن جانے کیلئے ہزار بار جدہ سے گذریں گے مگر مدینہ مکہ نہیں جائیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالی ایسے لوگوں کی حاضری پسند نہیں فرماتا۔ نماز کی صورت میں اگر غریب کے کپڑے پلید ہو جائیں تو وہ بیچارہ انہیں پاک کریگا مگر اس کے باوجود امیر ہر وقت نہاتے ہیں صاف ستھرے کپڑے پہنتے ہیں مگر نماز ادا کرنے کو جی نہیں چاہتا کیونکہ اللہ انکی حاضری نہیں چاہتا۔ حضرت سید احمد بریلی رحمتہ اللہ علیہ جو بالاکوٹ میں شہید ہوئے کسی نے ذکر کیا کہ بے نمازی کا حال تو بیان فرماؤ کہ بے نمازی بہت بڑا منحوس و بدبخت ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ دن رات میں دربار الہی 5 مرتبہ لگتا ہے تو جسکو دنیا میں حاضری نصیب نہ ہوئی اسکو آخرت میں بھی نصیب نہ ہوگی اللہ تعالی نے جسکو اس دربار میں نہیں بلایا اسکو اس دربار میں بھی نہیں بلائے گا جو آدمی مسجد میں نہیں آتے وہ دل میں فخر کرتے ہیں کہ ہم بڑے آدمی ہیں

مگر آسمان و زمین کہتے ہیں کہ تجھ جیسا بد بخت ہی کوئی نہیں کہ خدا تجھے اپنی دربار میں بلائے اور تو انکار کرے کہ میں تو سینما میں جاؤں گا۔ دیکھو اگر کسی صدر یا بڑے آدمی کا دعوت نامہ و بلاوا ہو تو ہر ایک کو دکھائے گا کہ میں اسکے قریب ہوں مجھے اتنے بڑے آدمی نے بلایا ہے اور اللہ تعالیٰ کا بلاوا آذان ہے حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ اللہ کا پانچ وقت بلاوا ہوتا ہے مگر آج ہم محروم ہیں پچھلے درس میں قربانی کی کچھ باتیں رہ گئیں تھیں۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ قربانی جانور کیلئے زحمت ہے میاں جانور کوئی ساری عمر زندہ تو نہیں رہتا آخر ایک دن مرنا تو ہے۔ بہر حال یہ موت کا کام تو ہونا ہی ہے۔ موت اگر صحیح طریقہ پر ہوگی تو خوشی نصیب ہو گی۔ یقینی بات ہے جب ایک پیسہ نے آپ سے جانا ہے اگر نیکی میں تو خوشی ورنہ رنجش ہو گی۔ اور قربانی کا احساس ہر جانور کو ہے۔ دنیا کے ہر حصہ میں جو قربانی ہوتی ہے یہ قائم مقام پیغمبرؑ کے ہوتی ہے قرآن وَفَدَیْنٰہُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ آج اگر ایک چپڑاسی کو صدر کے قائم مقام بنا دیا جائے تو وہ خوشی کے مارے اچھلے گا نہیں! یقینی بات ہے کہ ایسی خوشی کبھی نصیب نہ ہوئی ہو گی۔ حضرت اسماعیلؑ اور ایک جانور کے درمیان کیا نسبت مگر اللہ تعالیٰ ایک جانور کو یہ شرف بخشتے ہیں۔ کہ تم نے ایک پیغمبرؑ کے قائم مقام ذبح ہونا ہے تو یہ خوشی کی بات نہیں اس خوشی کا جانور کو بھی احساس ہوتا ہے۔ مگر احساس کا اظہار عام نہیں

ہوتا بلکہ خرق عادت پر ہوتا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حج الوداع پر ایک سو اونٹ ذبح فرمایا 63 کو اپنے دست مبارک سے جب ذبح کرنا شروع فرمایا تو ایک اونٹ بیک وقت ذبح ہو سکتا ہے زیادہ تو نہیں مگر ہر اونٹ نے اپنی گردن قدم پر جھکا دیں کہ پہلا نمبر چھری پھیرنے کا میرا ہو تو کیا انہیں احساس تھا تو یہ کام کیا اسکے علاوہ دوسری بات یہ ہے کہ علماء نے تحقیق کی کہ نزع کے وقت بھی جان کنی اور ذبح کے وقت بھی مگر ذبح کرنے میں یک بارگی ہے بس اللہ اکبر کہا اور ختم اور نزع میں تو آہستہ آہستہ نکلتی ہے تو جلدی میں تکلیف نہیں مثلاً اگر آگ جل رہی ہو تو آپ اس میں اگر ہاتھ آہستہ ہلائیں تو جلے گا اگر تیزی سے ہلائیں تو نقصان نہ ہوگا تو معلوم ہو گیا جس قدر جلدی اتنی آسانی اور جس قدر دیر اتنی تکلیف ہو گی۔ محققین نے لکھا ہے کہ نزع کے وقت جان تنگ راستہ سے نکلتی ہے جس طرح اگر پرندہ گھسٹ کر پنجرہ سے نکلے تو تکلیف ہو گی بجائے اس کے کہ کھلے دروازہ سے نکلے حضرت شاہ عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جن جانوروں کی قربانی اسلام میں جائز ہے وہ سارے بہشت میں جائیں گے۔